www.allurdu.com

تیسرا حصّہ

○

سُرخ لکیر

نیا دریا

www.allurdu.com

سلیم دوپہر کے وقت بیٹھا کتاب پڑھ رہا تھا۔ یوسف بھاگتا ہوا اندر داخل ہوا اور چلّایا۔ "بھائی جان! بھائی جان!! امّی آرہی ہیں۔"
پیشتر اس کے کہ سلیم اُس سے کوئی سوال پوچھتا، یوسف اُسی رفتار کے ساتھ بھاگتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا اور صحن میں داخل ہو کر شور مچانے لگا۔ "آپا صغریٰ! آپا زبیدہ! چچی جان! امّی آرہی ہیں۔"
سلیم اپنے دل میں لطیف اور خوشگوار دھڑکنیں محسوس کرنے لگا۔
امّی کا اس سے زیادہ گھر میں کسی کو انتظار نہ تھا۔ زبیدہ اور اس کی چچازاد بہنیں شور مچاتی ہوئی بیٹھک میں داخل ہوئیں۔
زبیدہ نے کہا۔ "بھائی جان! امّی جان آرہی ہیں۔"
صغریٰ بولی۔ "بھائی جان مبارک ہو!"
باقی لڑکیاں شور مچانے لگیں۔ "بھائی جان مُبارک، بھائی جان مبارک۔"
افضل کی بیوی نے اندر داخل ہو کر کہا۔ "کیا شور مچا رکھا ہے تم نے؟"
صغریٰ بولی۔ "امّی جان، چچی جان آرہی ہیں!"
ایک لڑکی نے ڈیوڑھی سے حویلی میں جھانکتے ہوئے کہا۔ "چچی جان آگئیں۔"

www.allurdu.com

چچی جان سلام!"

گھر کی عورتوں اور لڑکیوں نے ڈیوڑھی میں سلیم کی ماں کے گرد گھیرا ڈال لیا۔

اب سلیم بظاہر انتہائی انہماک کے ساتھ کتاب دیکھ رہا تھا لیکن اس کی تمام تر توجہ ڈیوڑھی کی طرف تھی۔ عورتیں سلیم کی ماں کو مبارک باد دے رہی تھیں۔ افضل کی بیوی کہہ رہی تھی۔ "بہن اندر چلو! یہاں گرمی ہے۔ اری راستہ چھوڑو۔ صغریٰ اپنی چچی کے لیے شربت بناؤ۔"

ماں نے سلیم کو دیکھا اور بیٹھک میں آگئی۔ سلیم اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ اپنی مُسکراہٹ چھُپانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اُس کے کان اور گال سُرخ ہو رہے تھے۔ اب ماں اور بیٹے کو زیادہ جوش و خروش سے مُبارکباد پیش کی جا رہی تھی سلیم کی ماں ایک کُرسی پر بیٹھ گئی لیکن سلیم تذبذب کی حالت میں کھڑا رہا۔ ماں کے چہرے پر مسکراہٹ پھیلتی گئی۔ یہاں تک کہ وہ ہنسنے لگی۔ سب ہنسنے لگیں اور سلیم کے کان اور گال اور زیادہ سُرخ ہو گئے۔ اچانک سلیم باہر نکلنے کے ارادے سے دروازے کی طرف بڑھا لیکن ماں نے کہا "بیٹا ٹھہرو!" اور چچی نے ہنستے ہوئے اُسے ہاتھ سے پکڑ کر کُرسی پر بٹھا دیا۔

زبیدہ بولی "امّی جان! بابا جی اور دادی امّاں نہیں آئے؟"

ماں نے جواب دیا۔ "وہ پیچھے آ رہے ہیں۔"

یوسف بولا۔ "دادی جان راستے میں بابا نور محمدؐ کے گھر چلی گئی ہیں اور دادا جان مسجد میں چلے گئے ہیں۔"

افضل کی بیوی نے پوچھا "بہن یہ تو بتاؤ، سلیم کی دادی کو لڑکی پسند آئی یا نہیں؟"

"سلیم کی دادی کا کچھ نہ پوچھو بہن۔ اس نے تو لڑکی کو دیکھتے ہی کہنا شروع کر دیا کہ میں اسے اسی ہفتے بیاہ کر لے جاؤں گی۔ دو دن اُنھوں نے ایک منٹ کے لیے بھی اُسے اپنی آنکھوں سے اوجھل نہیں ہونے دیا۔ وہ جس کمرے میں جاتی ہے، یہ اس کے پیچھے ہیں۔ وہ سو رہی ہے تو یہ پنکھا جھل رہی ہیں۔ وہ کھانا کھا رہی ہے تو اس کے پاس بیٹھی کہہ رہی ہیں "بیٹی! تم نے کچھ کھایا ہی نہیں۔" کبھی اس کی ماں سے کہتیں "تم اسے دودھ زیادہ پلایا کرو۔" ایک دفعہ عصمت سے کہنے لگیں "بیٹی! مجھے کتاب پڑھ کر سُناؤ۔ تمہاری آواز بہت پیاری ہے۔" کل رات اس کی چھوٹی بہن نے شرارت کی اور ان کے کان میں کہہ دیا کہ عصمت کے سر میں درد ہے، پھر تو سلیم کی دادی نے وہ تماشا کیا کہ خدا کی پناہ۔ لڑکی کہہ رہی تھی کہ میں بالکل ٹھیک ہوں، میرے سر میں درد نہیں ہے۔ گھر والے بھی ہنس رہے تھے لیکن اُنھوں نے کسی کی نہ سُنی اور جب تک اس کے سر پر بادام روغن کی مالش نہیں کر لی چین نہیں آیا۔"

چچی نے کہا "اس کی ماں تو بہت خوش ہوتی ہو گی؟"

"وہ خوش بھی تھی اور پریشان بھی۔ یہ کہتی تھیں کہ دو ہفتے کے اندر اندر شادی کی تاریخ مقرر کر دو اور وہ پریشان تھے کہ شادی بیاہ کے کام اتنی جلدی کیسے ہو سکتے ہیں۔"

افضل کی بیوی نے کہا "اب کیا فیصلہ ہوا ہے؟"

"وہ کہتے ہیں کہ پاکستان کا فیصلہ ہوتے ہی ڈاکٹر صاحب سلیم کے ابا سے مل کر کوئی تاریخ مقرر کر دیں گے۔"

افضل کی بیوی نے مسکرا کر سلیم کی طرف دیکھا اور کہا "بہن! سلیم کہا کرتا تھا کہ لڑکیوں اور لڑکوں کی رضامندی کے بغیر اُن کی شادی کر دینا ظلم

www.allurdu.com

تو میرے بال نوچنے کے لیے تیار ہو گئیں۔ میں نے کہا" اماں! مجھے ڈر ہے کہ کہیں سلیم انکار نہ کر دے۔ سنا ہے لاہور میں اسے کوئی میم پسند آ گئی ہے۔" میری بات سن کر سلیم کی دادی آگ بگولا ہو گئیں اور کہنے لگیں۔ "میں جوتے مار مار کر اس کا سر گنجا کر دوں گی"۔ میں نے کہا۔ "امینہ کی بھی یہی خواہش ہے کہ سلیم کی شادی کسی میم کے ساتھ ہو۔" وہ کہنے لگیں"۔ گھر پہنچتے ہی میں امینہ کو خط لکھواؤں گی کہ وہ یہاں نہ آئے!"

غلام حیدر کی بیوی نے کہا" ابھی وہ آتی ہیں تو ہم سب کہیں گی کہ سلیم نہیں مانتا، پھر تماشا دیکھنا لیکن تم ہنس پڑیں تو وہ سمجھ جائیں گی اور سلیم تم بھی تھوڑی دیر چپ رہنا۔ آؤ بہن! ہم دالان میں بیٹھتی ہیں۔"

جب سلیم کی دادی گھر میں داخل ہوئی تو گھر کی عورتیں اور لڑکیاں ایک دوسرے سے سرگوشیاں کر رہی تھیں۔ اس نے دالان میں پاؤں رکھتے ہی کہا" بیٹی! نائن کو بلاؤ اور گاؤں کے ہر گھر میں گڑ کی ایک بھیلی بھیج دو۔ سعیدہ بیٹی! تم اٹھو، یہ تھک گئی ہے!

"منگنی کر آئیں ماں جی؟" سعیدہ (غلام حیدر کی بیوی) نے سوال کیا۔

دادی اس سوال پر حیران ہو کر سلیم کی ماں کی طرف دیکھنے لگی۔ سلیم کی ماں نے اپنا چہرہ سنجیدہ سا بنا لیا۔ دادی نے باقی عورتوں اور لڑکیوں کی طرف دیکھا اور پریشان سی ہو کر رہ گئی، پھر قدرے برہم ہو کر بولی "سلیم کی ماں نے تمھیں بتایا نہیں؟"

افضل کی بیوی نے دادی کو شربت کا گلاس پیش کرتے ہوئے کہا" ماں جی! بات یہ ہے کہ سلیم نہیں مانتا۔"

دادی نے شربت کا گلاس پھینک دیا اور چلائی "ہے ہے تیری زبان

کہیں تو لاہور سے کوئی میم بیاہ کر لاؤں گا!"

دادی ایک لمحہ کے لیے خاموش رہی۔ پھر اچانک اٹھ کر بولی "کہاں ہے وہ بے ایمان؟"

افضل کی بیوی نے کہا" ماں جی! اسے اطمینان کے ساتھ سمجھانا۔ ایسے موقعوں پر غصہ ٹھیک نہیں ہوتا!"

"ہونہہ غصہ ٹھیک نہیں۔ میں جوتوں سے اس کا سر گنجا کر دوں گی۔ اس نے دسویں جماعت پاس کی تھی تو میں نے کہا تھا کہ اس بے ایمان کی شادی کر دو لیکن میری کون سنتا ہے۔ سب نے یہی کہا کہ اس کو ولایت تک پڑھانا ہے۔ اس کا دادا کہتا تھا کہ اگر علی اکبر بی۔ اے کر کے نہیں بگڑا تھا تو یہ کیسے بگڑے گا۔ اسے لاہور بھیج دیا۔ کہاں ہے وہ؟"

اپنے سوال کا جواب نہ پا کر دادی سب کو برا بھلا کہتی ہوئی کمروں میں سلیم کو تلاش کرنے لگی۔

صغریٰ نے کہا" دادی جان، بھائی جان بیٹھک میں ہیں۔"

تھوڑی دیر بعد گھر کی عورتیں بیٹھک سے باہر کھڑی قہقہے لگا رہی تھیں۔

دادی کہہ رہی تھی "کیا کہتے ہو بے ایمان! میم لاؤ گے میرے گھر؟ شرم نہیں آتی تمہیں؟"

وہ ہنس رہا تھا ___ "دادی جان ۔ ۔ ۔ ۔!"

"بس میں تمہاری دادی نہیں ہوں!"

"دادی جان آپ کون سی میم کے متعلق باتیں کر رہی ہیں؟"

"مجھے تمہاری تمام کرتوت معلوم ہو گئی ہے۔ اسی لیے نئے نئے سوٹ

www.allurdu.com

سلوایا کرتے تھے؟"

افضل ڈیوڑھی کے راستے بیٹھک میں داخل ہوا۔ "کیا ہوا؟" اُس نے سوال کیا۔

دادی نے جواب دیا۔ "اپنے بھتیجے سے پُوچھو!"

سلیم نے کہا۔ "دادی جان آپ سے مذاق ہو رہا ہے!"

"جھوٹا کہیں کا تم نے کہا نہیں کہ میں وہاں شادی نہیں کروں گا!"

"دادی جان خُدا کی قسم! وہ تمھیں چڑا رہی ہیں!"

افضل عورتوں کے قہقہے سُن کر ہنستا ہُوا کمرے سے باہر نکل گیا۔ "کیا بات ہے بھابی؟" اس نے سلیم کی ماں سے سوال کیا۔

"کچھ نہیں، سلیم کی دادی گرمی میں تین میل پیدل چل کر آئی ہیں، انھیں ذرا غصّہ آ رہا ہے!"

اور سلیم کی دادی یہ سنتے ہی گرم ہوا کے جھونکے کی طرح باہر نکل آئی "بے ایمان چڑیلیں، ٹھہرو تو!"

صغریٰ ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو رہی تھی، دادی نے آگے بڑھ کر اس کی چوٹی پکڑ لی اور اسے پیٹنا شروع کر دیا۔ سلیم قریب پہنچ کر کہنے لگا۔ "دادی جان! ایک اور لگاؤ اسے، بڑی چڑیل ہے یہ۔"

دادی کے ہاتھ تھک گئے لیکن صغریٰ کی ہنسی میں فرق نہ آیا۔

مہندر سنگھ کے گاؤں میں علاقے کی امن کمیٹی کی میٹنگ تھی۔ آموں کے ایک باغ میں علاقے کے سرکردہ مسلمان سکھ اور ہندو جمع ہوئے

اور سیٹھ رام لال نے اپنی تقریر میں لوگوں کو پُرامن رکھنے کے لیے چند آدمیوں کی کوششوں کی بے حد تعریف کی۔ اس نے کہا۔ "بھگوان کا شکر ہے کہ گزشتہ چار پانچ ماہ میں جب کہ پنجاب میں جگہ جگہ ہندو، مسلمان اور سکھ ایک دوسرے کے خون سے ہولی کھیل رہے ہیں، ہمارے ضلع میں کوئی فساد نہیں ہوا، ہم آپس میں بھائیوں کی طرح رہتے ہیں۔ اس علاقے کے بزرگوں میں سے میں چودھری رحمت علی اور سردار اندر سنگھ کو سب سے زیادہ تعریف کا حق دار سمجھتا ہوں۔ یہ دو بزرگ اس عمر میں بھی روزانہ دیہات میں گشت کے لیے جاتے اور شانتی کا پرچار کرتے رہے ہیں۔ بھائی افضل اور بھائی شیر سنگھ نے جو کام کیا ہے وہ کسی کی نظروں سے پوشیدہ نہیں، لوگوں نے باہر سے آکر اس علاقے میں فساد کرانے کی کوشش کی لیکن انھوں نے کسی کو سر نہیں اٹھانے دیا۔ آج ہندو، سکھ اور مسلمان بہنیں آزادی سے پھرتی ہیں، کسی کو جرأت نہیں کہ ان کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھ سکے۔ یہ سب بھائی افضل اور بھائی شیر سنگھ کی ہمّت کا نتیجہ ہے۔"

بھائیو! بڑوں اور بوڑھوں کی نسبت نوجوانوں میں جوش زیادہ ہوتا ہے لیکن ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہمارے علاقے میں سلیم اور مہندر سنگھ جیسے پڑھے لکھے نوجوان موجود ہیں۔ انھوں نے دن رات ایک کر کے ہر گاؤں میں امن کمیٹی بنائی ہے اور یہ انھی کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ آج ہم آپس میں بھائیوں کی طرح بیٹھ کر باتیں کر رہے ہیں۔ ہمارا ضلع پاکستان میں جا چکا ہے۔ حد بندی کے متعلق ابھی تک آخری اعلان نہیں ہوا لیکن ہم نے یہ عہد کیا ہے کہ حد بندی کے کمیشن کا فیصلہ خواہ کچھ ہو، اس علاقے میں فساد نہیں ہوگا۔ چودھری رحمت علی اور اُن کے بھائیوں، بیٹوں اور بھتیجوں نے اس علاقے کے مسلمانوں کی طرف سے سکھوں

اور ہندوؤں کی حفاظت کا ذمّہ لیا ہے اور ہمیں ان پر اعتبار ہے۔ اُنھوں نے قرآن پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائی ہے کہ وہ ہم سے کوئی زیادتی یا ناانصافی نہیں ہونے دیں گے۔ اس لیے میں نے یہ مناسب سمجھا ہے کہ ہم بھی اپنے مسلمان بھائیوں کو اپنی نیک نیتی کا ثبوت دیں۔ آپ جانتے ہیں کہ ہم ہندوؤں کی اس علاقے میں کوئی طاقت نہیں، پھر بھی ہم گئو ماتا پر ہاتھ رکھ کر قسم اُٹھانے کے لیے تیار ہیں کہ ہماری طرف سے کوئی شرارت نہیں ہوگی۔"

سکھّوں کی طرف سے چرن سنگھ اور اندر سنگھ نے اعلان کیا کہ ہم گورو گرنتھ پر ہاتھ رکھ کر قسم اُٹھانے کے لیے تیار ہیں۔

اس کے بعد سیٹھ رام لال کے گھر سے ایک خوبصورت گائے اور گیانی سورن سنگھ کے گھر سے گرنتھ مہیّا کیا گیا اور قریباً ہر گاؤں کے سرکردہ سکھوں نے گرنتھ پر اور ہندوؤں نے گائے کی پیٹھ پر ہاتھ رکھ کر حلف اٹھائے۔

بالآخر چودھری رحمت علی جس کی بھویں تک سفید ہو چکی تھیں، اپنی چھڑی کا سہارا لے کر اُٹھا "بھائیو!" اس نے نحیف آواز میں کہا "جس دن وائسرائے نے یہ اعلان کیا تھا کہ ضلع گورداسپور پاکستان میں آگیا ہے، میں نے اسی دن اپنی برادری کے آدمیوں کو بلا کر یہ ہدایت کی تھی کہ اب ہندوؤں، سکھوں اور عیسائیوں کی حفاظت کی ذمہ داری مسلمانوں پر آتی ہے۔ اس کے بعد میں پیر عبدالغفور اور مولوی محسن علی کے ساتھ ہر گاؤں میں گیا ہوں اور ہم نے مسلمانوں کو یہ سمجھایا ہے کہ اسلام کسی کے خلاف ظلم کی اجازت نہیں دیتا۔ جن جوشیلے آدمیوں سے ہمارے سکھ اور ہندو بھائیوں کو فساد کا خطرہ تھا اُنھوں نے مسجد میں کھڑے ہو کر حلف اٹھایا ہے کہ وہ اپنے پڑوسیوں کی حفاظت کریں گے۔ یہ ہمارا فرض تھا۔ بھائیو! پاکستان اور ہندوستان بن جانے کا یہ مطلب

نہیں کہ ہم ایک دوسرے کے لیے بھیڑیے بن گئے ہیں۔ ہم صدیوں سے ایک دوسرے کے پڑوسی ہیں۔ ہم ہمیشہ ایک دوسرے کے دُکھ درد میں شریک رہے ہیں۔ بچپن میں ہم ان درختوں پر اکٹھے جھولے جھولا کرتے تھے جو ہمارے بزرگوں نے لگائے ہیں اور ہمارے بچّے ان درختوں پر جھولا جھولتے ہیں جو ہم نے لگائے تھے۔ ہم آپس میں کیوں لڑیں؟ ہم ان مکانوں کو آگ کیوں لگائیں جو ہم نے ایک ایک اینٹ اکٹھی کر کے تعمیر کیے ہیں۔ جس زمین پر محنت کرنے سے آج تک ہم سب کو روٹی ملی ہے، وہ کل بھی ہمیں روٹی دے گی۔ ہمارے بزرگوں نے ان بنجر زمینوں کو ہمارے لیے سرسبز باغوں اور لہلہاتی کھیتوں میں تبدیل کیا۔ یہ زمین مقدس ہے۔ اس سے ان کے پسینے کی مہک آتی ہے، اس میں ان کی ہڈیاں دفن ہیں۔ اس زمین نے ہمارے لیے صدیوں تک پھل، پھول اور اناج پیدا کیا ہے ہم اس پر بے گناہوں کا خون نہیں گرائیں گے۔ بھائیو! میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ اگر میں اس علاقے کے کسی مسلمان کو کسی ہندو یا سکھ کا گھر جلانے سے نہ روک سکا، تو میں اپنے خون کے چھینٹوں سے اس آگ کو بجھانے کی کوشش کروں گا۔ میں نے یہ باتیں اپنے ہندو اور سکھ بھائیوں کو خوش کرنے کے لیے نہیں کہیں بلکہ اس لیے کہی ہیں کہ میں مسلمان ہوں اور جب یہ ضلع پاکستان میں شامل ہو گیا ہے تو مجھ پر اپنی قوم کی طرف سے یہ فرض عاید ہوتا ہے کہ میں پاکستان کی ہندو اور سکھ رعایا کی حفاظت کروں۔"

سلیم اور مہندر اس میٹنگ میں موجود تھے۔ علاقے کے چند اور تعلیم یافتہ نوجوان

www.allurdu.com

بھی اُن کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ جب جلسہ برخواست ہوا تو کندن لال نے سلیم سے کہا "بھئی ریڈیو کی خبروں کا وقت ہو گیا ہے۔ اگر آپ سننا چاہتے ہیں تو چلئے"۔

مہندر نے کہا "چلئے سلیم صاحب! بھائی بلونت بھی آئے ہوئے ہیں"۔

"چلو بھئی!"

سلیم، مہندر اور چار اور تعلیم یافتہ نوجوان کندن لال کی بیٹھک کی طرف چل دیے۔

خبریں سننے کے بعد سلیم بلونت سنگھ سے ملنے کے لیے مہندر کے ساتھ جانا چاہتا تھا لیکن کندن لال نے کہا "نہیں جی بیٹھئے، بلونت سنگھ کو میں یہیں بلوا لیتا ہوں۔ میں نے نوکر کو آم لانے کے لیے بھیجا ہے"۔

"نہیں، مجھے گھر میں کچھ کام ہے"۔ سلیم یہ کہہ کر اُٹھا لیکن اپنے دوستوں کے اصرار پر پھر بیٹھ گیا۔ کندن لال نے ایک لڑکے کو آواز دے کر کہا "سروپ جاؤ کپتان صاحب کو بلا لاؤ!"

ایک نوجوان نے سلیم سے سوال کیا "باؤنڈری کمیشن کے فیصلے کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟"

سلیم نے جواب دیا "فیصلے سے پہلے میں کیا رائے دے سکتا ہوں"۔

کندن لال نے کہا "آپ نے اندازہ لگایا ہو گا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ کمیشن ۳/ جون کے اعلان میں شاید کوئی تبدیلی نہ کرے!"

سلیم نے جواب دیا "میرے خیال میں یہ ممکن نہیں۔ عارضی تقسیم میں مسلم اکثریت کے بہت سے علاقے ہندوستان میں شامل کر دیے گئے ہیں۔ میرے خیال میں حدبندی تک نظم و نسق میں سہولت کے پیش نظر ایسا کیا گیا ہے۔

مثلاً ضلع امرتسر کی تحصیل اجنالہ میں مسلمانوں کی بہت بڑی اکثریت ہے۔ وہاں مسلم اور غیر مسلم آبادی کا تناسب چودہ اور آٹھ کا ہے اور غیر مسلم آبادی میں عیسائی اور اچھوت بھی ہیں۔ اس کے بعد دسوہہ، جالندھر، ہوشیارپور، نکودر، فیروزپور اور زیرہ کی تحصیلوں میں بھی اکثریت ہے اور یہ تمام علاقے پاکستان سے ملحق ہیں"۔

بلونت سنگھ شراب کے نشے میں جھومتا ہوا اندر داخل ہوا اور سلیم اور اس کے ساتھیوں سے مصافحہ کرنے کے بعد ایک خالی کرسی کھسکا کر سلیم کے قریب بیٹھ گیا۔ مہندر محسوس کر رہا تھا کہ اس کے منہ سے شراب کی بو سلیم کو پریشان کر رہی ہے۔

تھوڑی دیر کے لیے گفتگو کا موضوع بدل گیا۔ بلونت سنگھ بتا رہا تھا کہ مہاراجہ کشمیر نے اُسے پولو کھیلنے کے لیے اپنے اصطبل سے ایک گھوڑا انعام دیا ہے۔ وہ اس بات سے ناراض تھا کہ سلیم پچھلے سال سرینگر آیا لیکن اُس سے نہیں ملا"۔

سلیم نے معذرت کی "بھئی! میں تین دن سرینگر رہ کر گلمرگ اور اس کے بعد پہلگام چلا گیا تھا۔ ہاں بھئی! میں تمہیں کیپٹن بننے پر مبارکباد دیتا ہوں!"

"چھوڑ یار یہ کون سی کامیابی ہے میری۔ میرے جو ساتھی انڈین آرمی میں بھرتی ہوئے وہ میجر اور کرنل بن گئے۔ کشمیر آرمی میں بھی جن افسروں کو جنگ میں بلا لیا گیا تھا وہ سب ترقی کر گئے ہیں۔ ہمارا خیال تھا کہ اگر کشمیر میں کوئی گڑبڑ ہوئی تو ہم بھی کچھ بن جائیں گے لیکن وہاں کسی نے سر نہ اٹھایا اور ہمیں بہادری دکھانے کا موقع نہ ملا۔ البتہ اب وہاں چیونٹیوں کے کچھ کچھ پر نکلنے لگے ہیں۔ امید ہے کشمیر میں کچھ نہ کچھ ضرور ہو گا۔ ہمیں خطرہ تھا کہ ہماری رجمنٹ ٹوٹ جائیگی۔

لیکن اب یہ خطرہ نہیں رہا۔ مہاراجہ نے فوج کم کرنے کی بجائے اور سکھ مانگے ہیں۔"

کندن لال نے سوال کیا۔ "آپ کے خیال میں کشمیر میں بغاوت کا خطرہ ہے؟"

"بغاوت وہاں کیا ہو گی، البتہ پاکستان کا نام سُن کر کچھ لوگ بے چین ہو رہے ہیں۔ اُن کا جوش ہم دو گھنٹوں میں ٹھنڈا کر دیں گے، بہرحال اب پاکستان کی وجہ سے مہاراجہ فوج کی اہمیّت محسوس کرنے لگا ہے۔"

مہندر سنگھ نے سلیم کے چہرے کا اُتار چڑھاؤ دیکھ کر موضوع بدلنے کی نیّت سے کہا۔ "بھائی جان! ہم باؤنڈری کمیشن کے فیصلے کے متعلق بحث کر رہے تھے۔"

بلونت سنگھ نے اپنے چہرے پر ایک معنی خیز مسکراہٹ لاتے ہوئے کہا۔ "باؤنڈری کمیشن کا فیصلہ ہمیں معلوم ہے۔"

کندن لال نے کہا۔ "ہاں بھئی سلیم! آپ یہ کہہ رہے تھے کہ اجنالہ، ہوشیارپور، دسوہہ، جالندھر، نکودر، زیرہ اور فیروزپور کی تحصیلیں مسلم آبادی کی اکثریت کے باعث پاکستان کو ملیں گی لیکن اس صورت میں ہمارے ضلع کی تحصیل پٹھانکوٹ میں ہندو آبادی زیادہ ہے، پھر یہ بھی ہندوستان میں شامل ہو گی۔"

سلیم نے جواب دیا۔ "میرے خیال میں لدھیانہ میں مسلم اکثریت کا علاقہ جو پاکستان کے ساتھ ملحق نہیں، پٹھانکوٹ کے ساتھ تبدیل کیا جا سکتا ہے لیکن اگر ایسا نہ ہوا تو بھی پاکستان کو آٹھ دس زرخیز ترین تحصیلوں کے بدلے ایک بنجر تحصیل چھوڑ دینے میں کوئی خسارہ نہیں ہو گا۔"

بلونت سنگھ نے کہا۔ "بھئی اگر نقشہ ہو تو میں بھی کچھ بتاؤں گا!"

کندن لال نے کہا۔ "نقشہ آپ کے پیچھے دیوار پر لٹک رہا ہے۔"

بلونت سنگھ نے اُٹھ کر کہا۔ "بھئی سلیم! تم پنسل ہاتھ میں لو اور نشان لگا کر بتاؤ، پھر میں بھی تمہیں بتاؤں گا!"

کندن لال نے میز کی دراز سے سُرخ پنسل نکال کر سلیم کے ہاتھ میں دے دی اور اس نے نقشے کے پاس کھڑے ہو کر کہا۔ "میرے خیال میں پاکستان اور ہندوستان کی قدرتی سرحد ستلج ہے۔ اس صورت میں ہوشیارپور سے غیر مسلم اکثریت کی دو تحصیلیں پاکستان میں آ جائیں گی لیکن ان کے تبادلے میں ستلج سے پار مسلم اکثریت کے علاقے ہندوستان میں شامل کیے جا سکتے ہیں۔ اب ضلع امرتسر کا سوال آتا ہے۔ اس کی تحصیل اجنالہ کے متعلق میں یہ بتا چکا ہوں کہ وہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے، باقی ضلع میں سکھوں کی اکثریت ہے اور دربار صاحب کی وجہ سے وہ اسے بہت زیادہ اہمیّت دیتے ہیں۔ اس لیے ممکن ہے کہ اجنالہ کے سوا باقی امرتسر کو فیروزپور کے ساتھ ملا دیا جائے۔ اس صورت میں باؤنڈری لائن یہ ہو گی۔"

سلیم نے پنسل کے ساتھ نقشے پر ایک ہلکی سی لکیر کھینچ دی۔

بلونت سنگھ نے کہا۔ "بس تم یہی سمجھتے ہو؟"

سلیم نے جواب دیا۔ "میرے خیال میں اگر انگریز ہندوستان یا پاکستان میں سے کسی ایک کے خلاف زیادتی کر کے فسادات کی نئی آگ نہیں بھڑکانا چاہتا تو سرحد یہی ہو گی۔"

بلونت سنگھ نے سلیم کے ہاتھ سے پنسل لیتے ہوئے کہا۔ "ریڈکلف کا فیصلہ سننے کے بعد یہ نقشہ ضرور دیکھنا ــــ یہ ہاتھ بلونت سنگھ کا نہیں، اسے ریڈکلف اور

www.allurdu.com

اپنی بیماری کھوئے گا، اس دن بڑوں بڑوں کو ہوش آجائے گا۔ دیکھو!

بلونت سنگھ نے نقشے پر دوسری لکیر کھینچ دی۔ سرخ رنگ کی یہ لکیر سلیم کی لکیر کے مقابلہ میں بہت زیادہ نمایاں تھی اور سلیم حیرانی اور اضطراب کی حالت میں نقشے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ بلونت سنگھ نہ صرف ستلج اور بیاس کے درمیان مسلم اکثریت کے تمام علاقے ہندوستان میں شامل کر چکا تھا بلکہ اس کی لکیر شکر گڑھ کے سوا گورداسپور کا باقی ضلع امرتسر کا تمام رقبہ اور لاہور کا کچھ علاقہ بھی ہندوستان کی طرف دکھا رہی تھی۔ نقشے سے نظر ہٹا کر سلیم نے بلونت سنگھ کی طرف دیکھا، اور اچانک قہقہہ لگاتے ہوئے کہا "یار! آج تم زیادہ پی آئے ہو۔ میں اکثریت کے گیارہ لاکھ مسلمانوں کو بچانے کی فکر میں تھا اور تم نے پندرہ لاکھ اور ہندوستان کی طرف دھکیل دیے ہیں۔"

"تم ہنس رہے ہو۔ ابھی میں نے تمہیں کچھ نہیں بتایا۔ دیکھو!" بلونت سنگھ نے اوپر کی طرف ایک اور لکیر کھینچ کر پہلی لکیر کے ساتھ ملاتے ہوئے کہا "پندرہ لاکھ نہیں۔ میں نے تیس پینتیس لاکھ اور مسلمان ہندوستان کی طرف دھکیل دیے ہیں۔ کشمیر ہندوستان میں شامل ہوگا، وہ لکیر دیکھو۔"

سلیم نے کہا "اچھا تو تم نے کشمیر کے لیے ضلع گورداسپور ہندوستان میں شامل کر دیا ہے لیکن بھئی وائسرائے تو گورداسپور کو پاکستان میں شامل کر چکا

کے [illegible] پندرہ [illegible]

سلیم نے کہا "بھئی اگر یہ صورت ہوئی تو ہمیں بھی دکن، بھوپال اور جوناگڑھ کا راستہ مل جائے گا۔"

بلونت سنگھ نے کہا "دکن، بھوپال اور جوناگڑھ ہماری جیب میں ہیں ہم صرف کشمیر کے متعلق سوچ رہے ہیں۔"

کندن لال کے نوکر نے ایک گول طشت میں آم لا کر میز پر رکھ دیے۔ سلیم نے مہندر اور کندن لال کے اصرار پر ایک آم اٹھا لیا لیکن کھاتے وقت وہ یہ محسوس کر رہا تھا کہ آج آموں کا ذائقہ بدل چکا ہے۔

کندن لال نے بلونت سنگھ سے کہا "بھئی تم نہیں کھاؤ گے؟"

"نہیں بھئی آموں کے لیے آج میرے پیٹ میں جگہ نہیں!"

سلیم نے کہا "سچ بتانا بلونت سنگھ، آج تم نے کتنی بوتلیں چڑھائی ہیں؟"

بلونت سنگھ نے جواب دیا "یار دیکھو تم سمجھتے ہو کہ میں تم سے دل لگی کر رہا ہوں لیکن یہ نقشہ اپنے ساتھ لے جاؤ۔ پھر کسی دن کہو گے کہ تم نے کسی اُلّو کے پٹھے سے نہیں، آدمی سے بات کی تھی!"

مہندر اپنے بھائی کی باتوں سے سخت پریشان تھا۔ اس نے گفتگو کا رُخ

www.allurdu.com

بدلنے کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے کہا۔" بھائی جان! سلیم صاحب کی منگنی ہوئی ہے۔ آپ نے انھیں مبارکباد نہیں دی؟"

" بھائی مبارک ہو، کب ہوئی منگنی؟"

سلیم کی بجائے مہندر نے جواب دیا۔" کوئی دو ہفتے ہوئے ہیں!"

" اچھا بھئی مٹھائی کب کھلاؤ گے؟"

سلیم نے جواب دیا۔" پندرہ اگست کے بعد تم سب کو دعوت دوں گا!"

بلونت سنگھ نے کہا۔" پندرہ اگست تک تو میں نہیں ہوں۔"

جب یہ مجلس برخاست ہوئی تو مہندر نے کچھ دور تک سلیم کا ساتھ دیا۔ گاؤں سے باہر نکل کر اُس نے مغموم لہجے میں کہا۔" بلونت کی باتوں سے آپ کو تکلیف ہوئی ہوگی، میں آپ سے معافی مانگتا ہوں۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ وہ اس وقت بھی شراب سے بدمست ہوگا!"

سلیم نے مہندر کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ " مہندر! تمھیں میرے متعلق پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں نے اُسے دیکھتے ہی یہ اندازہ لگالیا تھا کہ آج معاملہ خراب ہے۔"

سلیم نے بظاہر مہندر کو مطمئن کر دیا کہ بلونت سنگھ کی باتوں کو اس نے شرابی کی بکواس سے زیادہ اہمیت نہیں دی لیکن جب وہ تنہا اپنے گاؤں کا رُخ کر رہا تھا تو اس کے کانوں میں بلونت سنگھ کے الفاظ گونجنے لگے۔ وہ تصور میں بار بار اُس سرخ لکیر کو دیکھ رہا تھا جو بلونت سنگھ نے نقشے پر کھینچی تھی۔ اچانک اس نے اپنے دل سے سوال کیا۔" اگر یہ درست ہوا تو؟" اور تھوڑی دیر کیلیے اس کی رگوں میں خون کا ہر قطرہ منجمد ہو کر رہ گیا۔ یہ لکیر بڑھتی اور پھیلتی گئی۔ یہاں تک کہ پانچ

دریاؤں کی سرزمین میں اسے ایک نیا دریا نظر آنے لگا ——— آگ اور خون کا دریا۔ اس دریا کا سیلاب بستیوں اور شہروں کو نیست و نابود کرتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا ——— یہ لکیر اسے ایک مہیب اژدہا نظر آرہی تھی اور ہندو فاشزم کا عفریت اس پر سوار ہو کر کہہ رہا تھا۔" اب میں آزاد ہو گیا ہوں ——— اب مجھے آگ اور خون سے کھیلنے کی پوری آزادی مل گئی ہے۔"

ریڈ کلف کے قلم کی ایک جنبش نے اسے ستلج کے کنارے سے اُٹھا کر راوی کے کنارے تک پہنچا دیا تھا اور اُسے کشمیر کی سیر کرانے کے لیے گورداسپور کی گذرگاہ پر مسلمانوں کی لاشیں بچھا دی گئی تھیں اور کشمیر کے پینتیس لاکھ مسلمان ——— ؟

سلیم کے دل میں اچانک نئی دھڑکنیں بیدار ہوئیں۔ وہ چلّایا۔" نہیں نہیں، یہ غلط ہے ——— یہ ناممکن ہے، یہ ایک شرابی کی بکواس ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ انگریز کبھی ایسی ناانصافی نہیں کر سکتا۔ کوئی مہذب انسان ایسا نہیں کر سکتا۔" یہ لکیر سمٹتے سمٹتے اس کی آنکھوں سے ناپید ہو گئی اور وہ دوسری سامنے آ گئی جو اُس نے اپنے ہاتھوں سے کھینچی تھی۔

پُرانے وقتوں میں بھارت ماتا کے بیٹے قتل و غارت اور لُوٹ مار کے لیے نکلا کرتے تو کالی دیوی کی پُوجا کر کے منتیں مانا کرتے تھے۔ یہ مورتی اپنے پجاریوں کو ہر اُس مکروہ فعل کی اجازت دیتی تھی جو انسانی ضمیر کے لیے ناقابلِ برداشت ہوتا تھا۔ بیسویں صدی کی تہذیب کے گھوارے میں آنکھیں کھولنے والا ہندو بھی اپنی فطرت کے لحاظ سے تاریک زمانے کے ہندو سے

مختلف نہ تھا۔ قدیم ہندو سماج کی بنیاد نفرت اور حقارت کے اس جذبے پر رکھی گئی تھی جسے ہندو نیچ ذات کے لیے اپنے دل میں جگہ دے چکا تھا۔ پُرانے ہندوؤں کی برتری کا راز شودر کی تذلیل میں تھا۔

نئی ہندو سماج کی بُنیاد مُسلم دشمنی کے جذبے پر استوار ہوئی تھی اور وہ اپنے تفوّق کے لیے مسلمانوں کو مغلوب کرنا ضروری سمجھتے تھے۔ صدیوں کے ظلم اور استبداد نے اچھوت کی رگوں سے زندگی کا خون نچوڑ لیا تھا اور ہندو کے اقتدار کی لاٹھی کے سامنے وہ بھیڑوں کا ایک گلّہ بن چکے تھے۔ لیکن مسلمانوں کا معاملہ اُن سے مختلف تھا۔ انھوں نے صدیوں اس ملک پر حکومت کی تھی۔ انھوں نے برہمن کے سومنات کی ہیبت کے سامنے سر جھکانے کی بجائے اُس کے ٹکڑے اڑائے تھے اور دورِ زوال میں بھی ان کی رہی سہی قوّتِ مدافعت اتنی ضرور تھی کہ ہندو اپنے اُن حربوں کو بیکار سمجھتا تھا، جو اس نے اچھوت پر آزمائے تھے۔ ہندو اپنے قدیم دیوتاؤں کی کرامات سے مایوس ہو کر کسی نئے دیوتا کی تلاش میں تھا۔ اپنی سفّاکی اور بربریّت کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ کرنے کے لیے اُسے کسی کالی دیوی کے سہارے سے زیادہ کسی ایسے دیوتا کی عملی مدد کی ضرورت تھی، جو مسلمانوں کو باندھ کر اُس کے آگے ڈال دینے کی قدرت رکھتا ہو۔

قدیم وقتوں میں جب انھیں شودروں کی سرکوبی کی ضرورت محسوس ہوتی تو دھرتی ماتا کے سینے سے کئی ہاتھوں اور کئی سروں والے کالے اور مہیب دیوتا خود بخود نکل آیا کرتے تھے۔ کسی کی ناک ہاتھی کی سونڈ سے بڑی ہوتی، کسی کے سر پر بالوں کی بجائے سانپ لہرا رہے ہوتے اور کسی کی دم ہی اتنی لمبی ہوتی کہ برہمنوں اور اونچ ذات کے لوگوں کے خلاف بغاوت کرنے والے

راکھشس" یا "شودر" سہم کر بھاگ نکلتے لیکن جب سے مسلمانوں نے اس ملک میں قدم جمائے تھے، دھرتی ماتا نے ایسے دیوتاؤں کو جنم دینا بند کر دیا تھا۔

۱۹۴۷ء میں ایک دن ایک بدیشی دیوتا لنڈن سے ہوائی جہاز پر سوار ہو کر دہلی پہنچا۔ اس دیوتا کا رنگ سفید تھا۔ شکل و صورت بھی ہندو سماج کے خوفناک دیوتاؤں سے مختلف تھی۔ تاہم مرن برت اور مون برت رکھنے والے مہاتما اور ان کے چیلے دیکھتے ہی پہچان گئے کہ یہ وہی دیوتا ہے، جس کی بھارت ماتا کو مدت سے تلاش تھی۔ یہ باہر سے سفید ہے لیکن اس کا دل کالی دیوی کے چہرے سے کہیں زیادہ سیاہ ہے۔ کالے پجاریوں کا یہ سفید دیوتا لارڈ لوئی ماؤنٹ بیٹن تھا۔

اگر ترازو کے ایک پلڑے میں ماؤنٹ بیٹن کی کارگزاریوں اور دوسرے پلڑے میں برطانوی سامراج کے تمام گزشتہ جرائم کو رکھ دیا جائے تو ماؤنٹ بیٹن کا پلڑا بھاری رہے گا۔ اگر انسانیت کے قاتلوں کی فہرست تیار کی جائے تو ماؤنٹ بیٹن کا نام سب سے اوپر لکھا جائے گا۔ چنگیز اور ہلاکو جہاں جاتے آگ اور خون کا پیغام لے کر جاتے تھے لیکن ماؤنٹ بیٹن ہندوستان کے برّصغیر کو آزادی اور جمہوریت کی نعمتوں سے مالا مال کرنے کے لیے آیا تھا۔ چنگیز اور ہلاکو اس قوم کے راہنما تھے جو خنجر کو آستین میں چھپانے کے فن سے ناآشنا تھی، وہ ہاتھوں پر ربڑ کے دستانے چڑھا کر انسانوں کا گلا نہیں گھونٹتے تھے۔ وہ قتل کرتے تھے اور مقتولوں کی کھوپڑیوں کے مینار تعمیر کرتے تھے تاکہ مورخوں کو اُن کے متعلق غلط فہمی نہ ہو لیکن ماؤنٹ بیٹن بیسویں صدی کا ایک مُہذّب

www.allurdu.com

قاتل تھا اور اسے قاتلوں کے ایک ایسے گروہ کی سرپرستی نصیب ہوئی جو برسوں سے اپنے بدترین اعمال کو بہترین الفاظ میں چھپانے کی مشق کر رہا تھا۔ ہندو جاتی کا روشن خیال سپاہی مقتول کی لاش پر کھڑے ہو کر بھی یہ کہنا سیکھ چکا تھا کہ میں تمہارے لیے امن اور دوستی کا پیغام لایا ہوں۔

لارڈ ماؤنٹ بیٹن بظاہر ہندوستان کی تقسیم اور انتقالِ اختیارات کے لیے آیا تھا لیکن درحقیقت اس کا مشن مسلمانوں کے قتلِ عام کے لیے ہندوؤں کے ہاتھ مضبوط کرنا تھا اور اس مقصد کے لیے یہ ضروری تھا کہ مسلمانوں کی زیادہ سے زیادہ آبادی کو ہندوستان اور ہندوؤں کی کم سے کم آبادی کو پاکستان میں شامل کیا جائے۔ چنانچہ ماؤنٹ بیٹن نے برِصغیر ہند میں مسلم اکثریت اور ہندو اکثریت کے صوبوں کی تقسیم کے اصول کو صرف مسلم اکثریت کے صوبوں یعنی پنجاب اور بنگال کی تقسیم میں تبدیل کر دیا۔ اس نامنصفانہ تقسیم نے نہ صرف پاکستان کو اس کے بہترین علاقوں سے محروم کر دیا بلکہ ہندوستان کی مسلم اور پاکستان کی غیر مسلم اقلیت کا وہ توازن بھی ختم کر دیا جس کی بدولت دونوں مملکتوں میں امن کی امید تھی۔ پاکستانی علاقے سے قریباً ڈیڑھ کروڑ مسلم آبادی اور کوئی دو کروڑ ہندو اور سکھ آبادی ہندوستان میں شامل کر دی گئی۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی اس ناانصافی سے مسلمانوں کو صرف ساڑھے چھ کروڑ کی آبادی کے حصے کا رقبہ ملا۔

مسلمان یہ تلخ گھونٹ اپنے حلق سے اتارنے پر مجبور کر دیے گئے لیکن یہ صرف ابتدا تھی، اس کے بعد انتقالِ اختیارات کی باری آئی۔ مسلمانوں کو وہ سلطنت دے دی گئی جس کی حدود ابھی متعین نہیں ہوئی تھیں۔ انھیں وہ حکومت مل گئی جس کے حصے کی افواج ایک سوچی سمجھی اسکیم کے مطابق ابھی

تک ہندوستان سے باہر رکھی گئی تھیں۔ پاکستان کے حصے کا تمام اسلحہ اور بارود ہندوستان میں پڑا ہوا تھا۔ یہ سب کچھ اس لیے کیا گیا کہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن ہندو فاشزم کے سیلاب کے دروازے کھولنے سے پہلے پاکستان کو اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کا موقع نہیں دینا چاہتا تھا۔ انتقالِ اختیارات میں اسکی جلدبازی اس اسکیم کا اہم ترین حصہ تھی جس کے مطابق بنگال اور پنجاب کی تقسیم ہوئی تھی۔

۱۵ر اگست سے قبل دہلی کے نواح سے لے کر امرتسر تک آگ اور خون کے طوفان کا نیا دور شروع ہو چکا تھا۔ ۱۵ر اگست سے قبل پٹیالہ، نابھہ کپورتھلہ، بھرت پور اور الور کی افواج مشرقی پنجاب میں پہنچ چکی تھیں۔ راشٹریہ سیوک سنگھ کے گروہ ہندو ریاستوں سے اسلحہ اور بارود حاصل کر کے پنجاب کا رخ کر رہے تھے اور حکومت مشرقی پنجاب کی مسلمان پولیس کو غیر مسلح کر رہی تھی۔ امرتسر میں مسلمان کانسٹیبلوں کو غیر مسلح کر کے ان پر گولیوں کی باڑ مارنے کے بعد مشرقی پنجاب کے حکام یہ واضح کر چکے تھے کہ وہ کس قسم کا امن قائم کریں گے۔

پندرہ اگست سے بہت پہلے سکھوں، مہاسبھائیوں اور کانگرسیوں کا اتحاد پنجاب کے خرمن میں آگ لگا چکا تھا اور ماؤنٹ بیٹن کو معلوم تھا کہ اگر مسلمانوں کو بے دست و پا بنا کر اس فسطائی لشکر کے سامنے ڈال دیا گیا تو اس کے نتائج کیا ہوں گے۔ پندرہ اگست سے پہلے اگر پاکستان کو اس کے حصے کی افواج اور اسلحہ کے ذخائر مل جاتے تو یہ ممکن نہ تھا کہ پنجاب میں سکھ ڈوگرہ اور گورکھا افواج کے ہاتھوں مسلمانوں کے قتلِ عام کو روکنے کے لیے پاکستان کی آواز اس قدر بے اثر ثابت ہوتی یہ ممکن نہ تھا کہ راشٹریہ سیوک سنگھ کے

www.allurdu.com

بھیڑیے اور ہندو اور سکھ ریاستوں کے سپاہی مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلتے اور پاکستان کے مسلمان صرف بیچارگی کے آنسو بہا کر خاموش ہو جاتے لیکن لارڈ ماؤنٹ بیٹن ہندوستان میں وحشت اور بربریت کے جس سیلاب کے دروازے کھولنا چاہتا تھا، اس کے راستے کی تمام دقتیں اور رکاوٹیں بھی دُور کرنا ضروری سمجھتا تھا۔ بعض لوگ شاید یہ کہیں کہ اگر ماؤنٹ بیٹن اس حد تک مسلمانوں کا دشمن تھا تو اسے مسلمانوں کو لُولا لنگڑا پاکستان دینے کی بھی کیا ضرورت تھی، اس سوال کا صحیح جواب ہمیں لیبر وزارت کے طرزِ عمل سے ملتا ہے۔ لیبر وزارت ہندوستان کی سیاسی جنگ میں ایک فریق کی بجائے ایک ثالث کی حیثیت اختیار کر چکی تھی اور ثالث کی حیثیت میں وہ ہندو کو زیادہ سے زیادہ دے کر خوش کرنا چاہتی تھی۔ ہندو سارا ہندوستان مانگتا تھا لیکن انگریز اپنی سنگین سے دس کروڑ مسلمانوں کو مغلوب کر کے ہندو کے آگے ڈالنے کے لیے تیار نہ تھا۔ اس صورت میں اُسے ثالث کی بجائے ہندو کے ساتھ شامل ہو کر ایک فریق کی حیثیت اختیار کرنا پڑتی تھی ــــ لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے مسلمانوں کے سامنے پاکستان کی وہ صورت پیش کر دی جو اُن کے وہم و گمان میں نہ تھی اور اس کے ساتھ ہی ہندو کو خوش کرنے کے لیے اسے تمام ان لوازمات سے مسلح کر دیا جنہیں وہ پاکستان کو نیست و نابود کرنے کے لیے کافی سمجھتا تھا۔[1]

پندرہ اگست کو دہلی میں ہندوستان کی آزادی کا آفتاب طلوع ہوا۔ نہیں

---

[1] قائداعظمؒ اسلحہ اور افواج کی تقسیم سے پہلے انتقالِ اختیارات کے مخالف تھے۔ وہ ماؤنٹ بیٹن کو اس کے خطرناک نتائج سے آگاہ کر چکے تھے لیکن اُن کی آواز صدا بصحرا ثابت ہوئی۔

بلکہ پندرہ اگست کو دہلی میں آزادی کا آتش فشاں پہاڑ پھٹ پڑا اور اس کے آتشیں مواد کا رُخ اُس نشیب کی طرف پھیر دیا گیا جہاں مسلمانوں کو پاکستان کے دفاعی حصار کی بنیادیں رکھنے کی اجازت دی گئی تھی۔ پندرہ اگست کو انگریز نے پتھر کے زمانے کی وحشت اور بربریت کو بیسویں صدی کی جنگی مشینوں پر سوار کر دیا۔

اس کے بعد جو کسر باقی رہ گئی تھی، وہ ریڈکلف کی بددیانتی اور بے ایمانی نے پوری کر دی۔ یہاں بھی مسلمانوں کو ایک انگریز کی دیانتداری اور نیک نیتی پر بھروسا کرنے کی سزا ملی۔ ریڈکلف کا قلم ستلج یا بیاس کے کنارے رُکنے کی بجائے راوی کے کنارے جا پہنچا، اس کی منطق سو فیصدی مہاسبھائی تھی۔ ستلج بیاس اور راوی کے درمیان مسلم اکثریت کے علاقے پاکستان کے ساتھ شامل کر دینے سے نہروں اور ریلوں کے انتظام میں خلل اور انتشار کا اندیشہ تھا۔ چونکہ امرتسر کی دو تحصیلوں میں سکھوں اور ہندوؤں کی اکثریت تھی، اس لیے امرتسر کے سارے ضلع کو ہندوستان میں شامل کرنا ضروری سمجھا گیا تھا۔ بیاس کے پار مسلم اکثریت کی تمام تحصیلیں ہندوستان میں شامل کر دی گئیں۔ مسلم اکثریت کا ضلع گورداسپور جو تین جون کے اعلان کے مطابق پاکستان کا حصّہ بن چکا تھا۔ تحصیل شکر گڑھ کے سوا اس لیے ہندوستان میں شامل کر دیا گیا کہ مادھوپور سے نکلنے والی اُن نہروں پر بھی بھارت کا کنٹرول ضروری سمجھا گیا تھا جو امرتسر کی دو تحصیلوں کے مقابلہ میں اکثریت کے اڑھائی اضلاع کو سیراب کرتی تھیں۔ تحصیل اجنالہ کی مسلم آبادی ہندو اور سکھوں سے قریبًا دگنا تھی لیکن چونکہ یہ ہندو اور سکھ اکثریت کے ضلع امرتسر کا ایک حصّہ تھی، اس لیے اسے ہندوستان میں شامل کر دیا گیا۔ ضلع لاہور میں مسلمانوں کی اکثریت تھی اور اس کی تحصیل قصور میں بھی مسلم آبادی زیادہ تھی۔

www.allurdu.com

تاہم ریڈ کلف نے یہ مناسب سمجھا کہ قصور کا کچھ حصہ ہندوستان کو دے دیا جائے اور ستلج کے پار ضلع فیروز پور میں مسلم اکثریت کے علاقے اس لیے ہندوستان میں شامل کر دیے گئے کہ سر ریڈ کلف یہ سمجھنے سے قاصر رہا کہ پاکستان کو ان سے کیسے فائدہ پہنچ سکتا ہے؟

بہر ریڈ کلف نے خود ہی آنکھیں بند کر کے پنجاب کے نقشے پر ایک لکیر کھینچ دی تھی یا ماؤنٹ بیٹن نے یہ لکیر کھینچتے وقت اس کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا؟ ریڈ کلف نے یہ فیصلہ خود ہی لکھا تھا یا ماؤنٹ بیٹن نے یہ فیصلہ حسب ضرورت تبدیل کر دیا تھا؟ ہمارے لیے اس بحث میں اُلجھنے کی بجائے صرف یہ جان لینا کافی ہے کہ بد دیانتی اور ناانصافی ایک اہم ضرورت کے ماتحت کی گئی تھی مشرقی پنجاب اور مغربی بنگال کے بعد لارڈ ماؤنٹ بیٹن اپنے ہندوستانی پجاریوں کو ایک اور تحفہ دینا چاہتا تھا اور یہ نیا تحفہ کشمیر تھا۔ اگر دریائے ستلج سرحد بنتا تو ہندوستان کے راستے میں ستلج اور بیاس کے درمیان ایک وسیع علاقہ اور اس کے بعد یہ ضلع گورداسپور حائل ہوتا تھا۔ ماؤنٹ بیٹن تین جون کے اعلان میں ستلج اور بیاس کے درمیان مسلم اکثریت کے تمام علاقے ہندوستان کو دے چکا تھا۔ اب ہندوستان کے راستے میں آخری پتھر صرف ضلع گورداسپور تھا جسے وہ شاید انتہائی مجبوری کی حالت میں پاکستان کا حصہ قرار دے چکا تھا۔ اس پتھر کو ہندوستان کی راہ سے ہٹانے کا کام

۱؎ گورداسپور کے متعلق ماؤنٹ بیٹن کی نیت کا اس بات سے پتہ چلتا ہے کہ ۴ جون کے بعد اس نے پریس کانفرنس میں کہا تھا کہ یہ ضروری نہیں کہ کوئی ایسا علاقہ جس میں ایک فرقے کی معمولی سی اکثریت ہو تمام کا تمام ہندوستان یا پاکستان میں شامل کر دیا جائے۔ تشریح کے لیے لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے ضلع گورداسپور کی مثال پیش کرتے ہوئے کہا تھا کہ وہاں مسلمانوں کی اکثریت بہت معمولی ہے (باقی حاشیہ صفحہ ۳۶۱)

ریڈ کلف سے لیا گیا۔

اگر ضلع گورداسپور، تحصیل اجنالہ اور بیاس کے پار ضلع فیروز پور میں مسلم اکثریت کی تمام تحصیلیں ہندوستان کے حوالے نہ کی جاتیں تو اس کے چار نتائج ہوتے۔ ایک یہ کہ سکھوں کی ایک بہت بڑی تعداد پاکستان میں چلی جاتی اور انھیں جارحانہ اقدام کی جرأت نہ ہوتی۔ اگر فساد ہوتا بھی تو ستلج اور بیاس کے درمیان اقلیت کے علاقوں کے مسلمانوں کو فوراً اپنی اکثریت کی تحصیلوں میں پناہ مل جاتی اور اگر امرتسر کی دو تحصیلوں میں سکھ کوئی زیادتی کرنے کا ارادہ کرتے تو انھیں یہ سوچنا پڑتا کہ تحصیل اجنالہ اور ضلع گورداسپور کے سکھوں پر اس کا کیا اثر پڑے گا۔

ایسی تقسیم کا دوسرا نتیجہ یہ ہوتا کہ ہندو فاشزم مشرقی پنجاب کو آگ اور خون کا پیغام دینے کے بعد کشمیر کی وادیوں کا رُخ نہ کرتا۔

تیسرا نتیجہ یہ ہوتا کہ پاکستان اقتصادی اور دفاعی لحاظ سے زیادہ مضبوط ہوتا اور چوتھا یہ کہ مشرقی پنجاب کی سرزمین لاکھوں مسلمانوں کے خون سے لالہ زار نہ ہوتی اور پاکستان کی بنیادیں ہلانے کے لیے ہندوستان زخمی، ننگے اور بھوکے مہاجرین کے قافلے بھیجنے کا حربہ آزمانے میں اپنا فائدہ نہ دیکھتا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۶۰) سوال یہ ہے کہ ماؤنٹ بیٹن کی نگاہ صرف ضلع گورداسپور پر کیوں پڑی؟ امرتسر، فیروز پور، جالندھر اور ہوشیار پور پر کیوں نہ پڑی؟ ماؤنٹ بیٹن کے پیش کردہ اصول کے مطابق بھی صرف پٹھانکوٹ کی تحصیل ہندوستان میں جاتی تھی۔ لیکن اس کے بدلے پاکستان کو دس تحصیلیں اور ملتی تھیں لیکن یہاں کسی اصول کا سوال نہیں تھا۔ یہاں صرف یہ مسئلہ تھا کہ ہندوستان کا ایک کونہ ہر قیمت پر کشمیر سے ملا دیا جائے۔

www.allurdu.com

لیکن یہ سب باتیں ہندو پجاری اور اس کے انگریز دیوتا کی خواہشات کے خلاف ہوتیں۔

چودہ اور پندرہ اگست کی درمیانی رات کو مسلمانوں کے گھروں میں آزادی کے نعرے اور مسرت کے قہقہے گونج رہے تھے۔ بارہ بج کر ایک منٹ پر پاکستان اور ہندوستان کی آزاد مملکتیں وجود میں آچکی تھیں۔

گاؤں کے مسلمانوں کے گھروں میں چراغاں کیا جا رہا تھا۔ کمسن لڑکے پٹاخے اور پھلجھڑیاں چلا رہے تھے اور بڑے مسجد میں جمع ہو کر شکرانے کے نفل پڑھ رہے تھے۔

سلیم نے ٹھیک بارہ بج کر ایک منٹ پر اپنے بالاخانے کی چھت پر پاکستان کا جھنڈا نصب کیا۔ مجید اس کے قریب گیس بتّی لیے کھڑا تھا۔ نیچے باہر کی حویلی اور مسجد کے ساتھ کھلی جگہ میں جمع ہونے والے لوگ "پاکستان زندہ باد" کے نعرے لگا رہے تھے۔

چودھری رحمت علی باقی آدمیوں کے ساتھ مسجد سے باہر نکلا تو اندر سنگھ دروازے پر کھڑا تھا۔ "بھائی مبارک ہو!" اس نے کہا۔

چودھری رحمت علی نے آگے بڑھ کر اُسے گلے لگا لیا اور کہا۔ "بھائی! تم کو بھی مبارک ہو ——— پاکستان ہم سب کا وطن ہے۔"

گاؤں کے دوسرے سکھوں نے بھی چودھری رحمت علی اور باقی مسلمانوں کو مبارکباد دی۔

چودھری رحمت علی نے کہا۔ "آؤ بھئی! بیٹھتے ہیں!"

لوگ چودھری رحمت علی کے ساتھ باہر کی حویلی میں داخل ہوئے۔ جنھیں چارپائیوں پر بیٹھنے کے لیے جگہ نہ ملی، ان کے لیے چٹائیاں بچھا دی گئیں۔ بعض سکھ قدرے بجھے بجھے نظر آتے تھے لیکن اسماعیل کے قہقہوں نے انھیں جلد ہی یہ احساس دلا دیا کہ یہ گاؤں وہی ہے اور اس گاؤں کی محفلیں اسی طرح رہیں گی۔

کسی نے کہا۔ "ارے چودھری رمضان کہاں ہے؟"

اندر سنگھ نے کہا۔ "لچھمن سنگھ اُسے لے کر آؤ۔ مزا نہیں آتا اس کے بغیر!"

لچھمن سنگھ نے جواب دیا۔ "بھئی آج وہ نہیں آئے گا۔ میں نے اُسے بہت کہا تھا۔"

اسماعیل نے پوچھا۔ "کیا کر رہا ہے وہ؟"

لچھمن سنگھ نے جواب دیا۔ "بھئی وہ میرے گھر کے دروازے پر پہرہ دے رہا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اگر آج کسی نے تمہارے گھر میں کنکر بھی پھینک دیا تو میری ناک کٹ جائے گی!"

غلام حیدر بولا۔ "آج تو کچھ بانٹنا چاہیے۔ رمضان کے اپنے گھر میں چور گھس جائے تو وہ آواز نکالنے والا نہیں!"

لچھمن سنگھ نے کہا۔ "لیکن بھئی! مجھے یقین ہے کہ وہ میری خاطر ضرور لڑے گا!"

پیراں دتہ نے کہا۔ "میں اُسے لاتا ہوں۔"

کاکو عیسائی بولا۔ "میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں!"

لچھمن سنگھ نے جواب دیا۔ "بھائی ہری سنگھ کو بھی لے آنا!"

کاکو نے جواب دیا۔ "ہری سنگھ گھر پر نہیں ہے۔ خبر نہیں کہاں گیا ہے!"

گاؤں کے لڑکوں کو رمضان سے کم دلچسپی نہیں تھی۔ چنانچہ پیراں دتہ اور کاکو کے ساتھ چند لڑکے بھی چل پڑے۔

www.allurdu.com

ایک لڑکے نے حویلی کے پھاٹک کے پاس پٹاخہ چلایا تو اسماعیل نے کہا "بھئی! دیکھو پٹاخے مت چلاؤ۔ چودھری رمضان پریشان ہو رہا ہوگا!"

اندر سنگھ نے کہا "بھگوان کا شکر ہے کہ ہمارے ضلع میں کوئی فساد نہیں ہوا۔ سنا ہے کہ چند دن سے امرتسر کی حالت بہت بُری ہے۔ چودھری رحمت علی! آپ نے سلیم کی منگنی وہاں کی ہے، آپ کو چاہیے تھا کہ جب تک وہاں فساد ہے، انھیں یہاں لے آتے!"

چودھری رحمت علی نے کہا "سلیم کے خسر نے بچوں کو گاؤں میں بھیج دیا ہے۔ تحصیل اجنالہ میں فساد کا کوئی خطرہ نہیں۔ پھر بھی اگر کوئی خطرہ ہوا تو ہم انھیں لے آئیں گے!"

سائیں اللہ رکھا نے کہا "چودھری جی بھگت رام کا لڑکا رام لال لوگوں سے کہتا پھرتا ہے کہ ہمارا ضلع پاکستان سے نکل کر ہندوستان چلا جائے گا!"

بھگت رام بولا "بھئی کہنے سے کیا ہوتا ہے۔ سلیم بھی کہا کرتا تھا کہ سارا پنجاب پاکستان کو ملے گا لیکن انگریز نے کئی ضلعے ہندوستان کو دیدیے۔ لیکن اب تو یہ جھگڑا ہی ختم ہو چکا ہے۔ اب وائسرائے اپنا فیصلہ کیسے بدل سکتا ہے۔"

بیلا سنگھ نے کہا "چودھری جی ہمیں تو یہ خوشی ہے، پاکستان کی سرکار سلیم کو کوئی بڑا عہدہ دے گی۔ سلیم کہا کرتا ہے کہ میں سب سے پہلے اس گاؤں میں سکول اور ہسپتال کھلواؤں گا اور پکی گلیاں بنواؤں گا!"

لچھمن سنگھ نے کہا "یار سکول بنے یا نہ بنے، پکی گلیاں ضرور بننی چاہئیں، برسات میں میرے تو پاؤں گل جاتے ہیں۔"

رحمت علی نے کہا "بھائی! اب اپنی حکومت ہوگی، انشاء اللہ بہت کچھ

بنے گا!"

تھوڑی دیر میں کاکو اور پیراں دتہ چودھری رمضان کو لے آئے اور اسماعیل نے پرانے وقتوں کی باتیں شروع کر دیں۔ رمضان کہہ رہا تھا "یار! اسماعیل دُنیا بدل گئی لیکن تم نہ بدلے، اچھا بھئی ہنس لو کبھی رمضان کو یاد کیا کرو گے!"

افضل بولا "کہاں جانے کا ارادہ ہے چودھری؟"

"یار! بڑھاپے میں زندگی کا کیا اعتبار ہوتا ہے۔"

اسماعیل نے کہا "فکر نہ کر چودھری! ہماری قبریں ایک دوسرے سے دُور نہیں ہوں گی!"

شیر سنگھ نے گفتگو کا موضوع بدلنے کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے سلیم سے کہا "سلیم بھئی! میں یہ مانتا ہوں کہ اس ضلع کے مسلمانوں نے اب تک بہت حوصلے سے کام لیا ہے لیکن سچّی بات یہ ہے کہ ابھی تک ہمارے گاؤں میں بھی ایسے آدمی ہیں جن کا یہ خیال ہے کہ مسلمان صرف پندرہ تاریخ کا انتظار کر رہے ہیں اور پاکستان بنتے ہی وہ سکھوں پر حملہ کر دیں گے!"

سلیم نے جواب دیا "چچا! آج رات کے بارہ بجے تک امن کی ذمّہ داری انگریز پر تھی لیکن اب اس ضلع کے سکھوں کی حفاظت کی ذمّہ دار پاکستان کی حکومت پر ہے اور مسلمان یہ سمجھتے ہیں کہ اگر فساد ہوا تو پاکستان بدنام ہوگا پھر اب تو آپ کو یہ خیال بھی نہیں کرنا چاہیے کہ مسلمان فساد کریں گے۔ اگر اس ضلع کے مسلمانوں کی نیت خراب ہوتی تو اب تک سکھوں کے دروازوں پر پہرے کیوں دیتے۔ میں سمجھتا ہوں کہ آج کے بعد اگر ہندوستان کی حکومت نے خود شرارت نہ کی تو ضلع امرتسر میں بھی امن ہو جائے گا۔"

شیر سنگھ نے کہا "بھئی! مجھے کیا تسلّی دیتے ہو، میں تو جانتا ہوں میں تو

www.allurdu.com

ان بھائیوں کو تسلی دلانا چاہتا ہوں جو اب تک پریشان ہیں۔ میرا واسطہ تو افضل کے ساتھ ہے۔ اگر افضل پاکستان بننے پر خوش ہے تو میں بھی خوش ہوں۔ آج تم نے اپنے گھر میں چراغ جلائے ہیں، جاؤ جاکر ہمارے گھر دیکھو میں نے دو روپے کی موم بتیاں جلادی ہیں!"

سلیم نے کہا "چچا! آپ فکر نہ کریں۔ دو چار دن میں سب کو اطمینان ہو جائے گا۔"

---

۱۶ اگست کے دن سلیم اور مجید شہر گئے ہوتے تھے، ان کی غیر حاضری میں تھانیدار چند سپاہیوں کے ساتھ گاؤں میں آیا اور اس نے سلیم کے دادا سے کہا "آپ کے خلاف شکایت موصول ہوئی ہے کہ آپ علاقے میں فساد کرانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ بات غلط ہے تاہم افسروں نے حکم دیا ہے کہ جب تک حالات بالکل ٹھیک نہیں ہو جاتے، آپ اپنی بندوقیں ہمارے پاس جمع کرا دیں۔"

سلیم کا دادا اس بات کے لیے تیار نہ تھا لیکن تھانے دار نے کہا "اگر آپ خوشی سے بندوقیں جمع کرا دیں تو سکھوں اور ہندوؤں کو آپ کی نیک نیتی پر اور زیادہ یقین ہو جائے گا، ورنہ پولیس آپ کو مجبور کرے گی اور ہندو اور سکھ بھی آپ کی نیت پر شبہ کریں گے۔"

چودھری رحمت علی نے قدرے پس و پیش کے بعد افضل اور غلام حیدر کو مشورہ دیا کہ وہ اپنی بندوقیں تھانیدار کے حوالے کر دیں۔ چودھری رحمت علی کے بھائی نور محمد کے گھر میں بھی ایک بندوق تھی اور وہ بھی تھانیدار نے چھین لی۔

جب پولیس واپس شہر کا رُخ کر رہی تھی تو راستے میں انھیں سلیم اور مجید مل گئے۔ سب انسپکٹر کے اشارے پر انھوں نے اپنے گھوڑے روک لیے، وہ ایک ہی نگاہ میں اپنی بندوقیں پہچان چکے تھے۔

مجید کی کمر میں پستول دیکھ کر تھانیدار نے کہا "صوبے دار صاحب! میں آپ کے گاؤں سے بندوقیں لے آیا ہوں۔ آپ کے لیے یہ بہتر ہوگا، کہ جب تک آپ چھٹی پر ہیں اپنا پستول ہمارے پاس جمع کرا دیں!"

مجید نے ترشروئی سے جواب دیا۔ "میں اپنے پستول کی حفاظت کر سکتا ہوں!"

تھانیدار نے کہا "لیکن ہمیں یہ حکم ملا ہے کہ جو لوگ کسی سرکاری ڈیوٹی پر نہ ہوں، ان کے ہتھیار جمع کر لیے جائیں!"

مجید نے جواب دیا "لیکن ابھی تک فوج شاید پولیس کے حکم سے آزاد ہے۔"

"لیکن آپ چھٹی پر ہیں!"

"میں پاکستانی فوج میں ہوں اور یہ ضلع بھی شاید پاکستان میں ہے۔ تھانیدار صاحب! آپ کے راستے میں ایک اور گاؤں بھی تھا۔ آپ ہماری بندوقیں تو لے آئے لیکن وہاں کیوں نہیں گئے؟ اگر آپ کو معلوم نہیں تو میں آپ کو بتا دیتا ہوں کہ سیٹھ رام چند کے گھر میں دو بندوقیں ہیں اور کیپٹن بلونت سنگھ بھی میری طرح چھٹی پر آیا ہوا ہے۔ اس کے پاس ایک رائفل، ایک شارٹ گن اور ایک ریوالور ہے۔ اگر تلاشی لینے کی ہمت کرو تو شاید ان کے گھروں سے اور بھی بہت کچھ نکل آئے۔"

تھانے دار نے کہا "آپ کو ہمارے متعلق غلط فہمی ہوئی ہے۔ اگر افسروں کا حکم ہوتا تو ہم اُن کے ساتھ بھی کوئی رعایت نہ کرتے لیکن افسروں کی پالیسی یہ ہے کہ مسلمانوں کو رضاکارانہ طور پر اپنا اسلحہ جمع کرانے کے لیے کہا جائے لیکن ہندوؤں اور سکھوں کو پریشان نہ کیا جائے۔ اگر ایسا کیا گیا تو وہ یہ

www.allurdu.com

محسوس کریں گے، کہ پاکستان گورنمنٹ کی نیّت ان کے متعلق ٹھیک نہیں۔ آپ فوجی ہیں، آپ اپنا پستول لے جائیں لیکن اگر آپ جمع کرا دیتے تو اچھا ہوتا۔"

"اگر مجھے جمع کرانے کی ضرورت پیش آتی تو بھی میں اپنی رجمنٹ کو پولیس پر ترجیح دونگا!"

"اچھا آپ کی مرضی!"

مجید نے سوال کیا۔"یہ بندوقیں ہمیں کب واپس ملیں گی؟"

تھانیدار نے جواب دیا۔"جب افسروں کا حکم ہوگا۔"

راستے میں سلیم مجید سے کہہ رہا تھا۔"مجید میں بہت پریشان ہوں۔ کل مسلمان تھانیدار ہمارے علاقے سے تبدیل کر دیا گیا ہے اور سکھ حوالدار نے اُس سے چارج لیا ہے۔ مجھے یہ بھی پتہ چلا ہے کہ تھانے دار اس علاقے میں اکالی دل کا جتھہ دار بھی ہے۔ کل یا پرسوں باؤنڈری کمیشن کے فیصلے کا اعلان ہونے والا ہے۔ انھوں نے اپنی بندوقیں پولیس کے حوالے کرنے میں بڑی غلطی کی ہے۔"

دو دن کے بعد ضلع گورداسپور کے وہ مسلمان جنھوں نے پندرہ اگست کے دن اپنے مکانوں پر پاکستان کے جھنڈے لہرائے تھے۔ انتہائی بے بسی، پریشانی اور اضطراب کی حالت میں ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے۔

"اب کیا ہوگا؟"

ریڈیو پر باؤنڈری کمیشن کا فیصلہ سنایا جا چکا تھا۔ ضلع گورداس پور، پاکستان سے چھین کر ہندوستان کو دیا جا چکا تھا اور اس فیصلہ کے بعد چند گھنٹوں کے اندر اندر پولیس کے تمام مسلمان ملازم غیر مسلح کیے جا چکے تھے۔

باؤنڈری کمیشن کا اعلان مسلمانوں کے ہوش و حواس پر بجلی بن کر گرا۔ بالخصوص

ضلع گورداسپور کے مسلمان جنھوں نے ریڈیو پر یہ اعلان سُنا، اپنے کانوں پر اعتبار کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ دور افتادہ دیہات کے لوگ اسے ایک دلچسپ افواہ سمجھتے تھے۔ وہ کہتے تھے"یہ نہیں ہو سکتا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ یہ ناممکن ہے۔" وہ اپنے سکھ پڑوسیوں کو سمجھانے کی کوشش کر رہے تھے"بھائیو! یہ بات غلط ہے۔ ریڈیو نے جھوٹ کہا ہوگا۔" اعلان سے اگلے دن سلیم اپنے مکان کے ایک کمرے میں بیٹھا ہوا تھا۔ رات بھر کی بے چینی اور بیداری سے اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ اس کی ماں کمرے میں آئی اور مغموم لہجے میں بولی"بیٹا! کچھ کھالو تم نے شام کو بھی کچھ نہیں کھایا تھا۔"

"امی! مجھے بھوک نہیں۔"

ماں نے اپنے چہرے پر ایک مغموم مسکراہٹ لاتے ہوئے کہا۔"بیٹا! تم کہتے تھے کہ اجنالہ کی تحصیل اور ہمارا ضلع دونوں پاکستان میں آئیں گے، تمہارے ابّا بھی یہی کہتے تھے، ڈاکٹر شوکت کا بھی یہی خیال تھا۔ وہ کہتے تھے کہ حد بندی کے بعد امن ہو جائے گا اور اگلے مہینے کے پہلے ہفتے وہ خود آکر تمہاری شادی کی تاریخ مقرر کریں گے۔ لیکن اب مجید کہتا ہے کہ سکھ فساد سے باز نہیں آئیں گے۔ بیٹا اب کیا ہوگا؟ وہ ہماری بندوقیں بھی لے گئے ہیں۔ کل تمہارے ابا جان آنے والے تھے، وہ بھی نہیں آتے۔ شاید آج آجائیں۔ گاڑی تو آگئی ہوگی؟"

سلیم نے جواب دیا۔"امی گاڑیاں بند ہوگئی ہیں!"

"بیٹا وہ نہ آسکتے تو تار ضرور دیتے۔"

"امی! اب تار بھی نہیں آسکتے!"

مجید بھاگتا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔"سلیم آؤ!" اس نے بھرّائی ہوئی

www.allurdu.com

آواز میں کہا۔

سلیم اچانک اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ سلیم کی ماں نے بدحواس ہو کر پوچھا "بیٹا! کیا ہے؟ خیر ہے نا؟"

"کچھ نہیں چاچی جی! سلیم کو ایک آدمی بلاتا ہے!"

سلیم مجید کے ساتھ باہر نکل آیا۔ ماں نے پھر کہا "ٹھہرو بیٹا مجھے بتا کر جاؤ!"
سلیم رُکا لیکن مجید اس کا بازو پکڑ کر کھینچتا ہوا باہر لے گیا۔

باہر کی حویلی میں افضل گھوڑوں پر زینیں ڈال رہا تھا۔ سلیم کو اس کے چہرے پر بھی پریشانی کے آثار نظر آئے اس نے کہا "مجید خدا کے لیے بتاؤ کیا بات ہے؟"

مجید نے اِدھر اُدھر دیکھ کر جواب دیا "سلیم بہت بُری خبر ہے۔ تایا جان فوجی ٹرک سے اُتر کر گاؤں کی طرف آ رہے تھے کہ اسٹیشن کے قریب سکھوں کے جتھے نے اُن پر حملہ کر دیا۔ اُن کی جان بچ گئی ہے لیکن وہ بہت بُری طرح زخمی ہوئے ہیں۔ انھیں ہسپتال پہنچا دیا گیا ہے۔"

"تمھیں کس نے بتایا؟"

"فجّو پہلوان خبر لایا ہے۔"

افضل دو گھوڑوں پر زین ڈال چکا تھا اور تیسرے کو لگام دے رہا تھا۔
سلیم نے جلدی سے آگے بڑھ کر ایک گھوڑے کی لگام پکڑ لی۔ مجید نے دوسرے گھوڑے کی باگ پکڑتے ہوئے کہا "چچا خدا کے لیے تم یہیں ٹھہرو! میں اور سلیم فجّو کو ساتھ لے کر جاتے ہیں اور اس کے ہاتھ اطلاع بھیج دیں گے۔ ہمارے گاؤں پر کسی وقت بھی حملہ ہو سکتا ہے۔ آپ کا یہاں رہنا ضروری ہے۔ یہ لیجیے میرا پستول، میری الماری میں پچاس اور گولیاں بھی پڑی ہوئی ہیں۔ ضرورت

پڑی تو امی آپ گولیاں نکال دیں گی۔ آپ گاؤں کے تمام لوگوں کو اکٹھا کریں!"

افضل نے مغموم لہجے میں کہا "اچھا بھئی میں نہیں جاتا لیکن فجّو کو جلدی واپس بھیج دینا۔"

مسجد کے قریب جامن کے درخت کے نیچے رحمت علی اور اسماعیل، فجّو کے ساتھ باتیں کر رہے تھے۔ افضل نے کہا "فجّو بھئی! تم ان کے ساتھ جاؤ اور واپس آ کر ہمیں اطلاع دو!"

رحمت علی نے آبدیدہ ہو کر کہا "مجھے ضرور جانے دو!"

افضل نے جواب دیا "نہیں، آپ گھر چلیں۔ ہمیں اب صرف آپ کی دعاؤں کی ضرورت ہے۔ سیٹھ رام چند کے گاؤں میں سکھ جمع ہو رہے ہیں۔ ہمارے گاؤں سے بھی چند سکھ وہاں چلے گئے ہیں۔ شیر سنگھ میرے ساتھ وعدہ کر کے گیا تھا کہ اگر انھوں نے کسی شرارت کا ارادہ کیا تو وہ ہمیں فوراً اطلاع دے گا لیکن وہ ابھی تک نہیں آیا۔"

مہندر سنگھ کے گاؤں کے اسی باغ میں جہاں چند ہفتے قبل علاقے کے سرکردہ لوگوں نے تقریریں کی تھیں، پھر ایک جلسہ ہو رہا تھا۔ کرپانوں اور برچھیوں سے مسلح ایک ہزار کے قریب سکھ درختوں کی چھاؤں میں بیٹھے سیٹھ رام چند کی تقریر سن رہے تھے۔ آٹھ دس آدمیوں کے ہاتھ میں بندوقیں اور رائفلیں بھی تھیں۔ مہندر سنگھ آم کے درخت کے ساتھ ٹیک لگائے ایک طرف کھڑا تھا۔
سیٹھ رام چند تقریر کر رہا تھا:

"میرے سکھ بھائیو! تم پنجاب کے شیر ہو۔ گرو گوبند سنگھ کے نام کو دھبہ نہ لگانا۔ تمھیں اس بات پر خوش نہیں ہونا چاہیے کہ پنجاب کے چند ضلعے

تم کو مل گئے ہیں۔ میرے بھائیو! مسلمانوں کا پاکستان بن گیا ہے لیکن تمہارا خالصتان ابھی تک نہیں بنا۔ کانگرس نے اس صوبے کے چند ضلعے تم کو لے دیے ہیں۔ اب اس علاقے کو خالصتان بنانا تمہارا کام ہے اور اسے تمہاری کرپانیں ہی خالصتان بنا سکتی ہیں۔ تم جس وقت کا انتظار کر رہے تھے، وہ آ گیا ہے۔ تمہیں اٹک تک پہنچنا ہے اور اٹک تک پہنچنے سے پہلے تمہیں مشرقی پنجاب کو ان لوگوں سے صاف کرنا ہے جو خطرے کے وقت تمہاری پیٹھ میں چھرا گھونپیں گے اورنگ زیب سے لے کر اب تک مسلمان تمہارا دشمن چلا آتا ہے، اگر مسلمان مشرقی پنجاب میں ٹک گیا تو یاد رکھو سارا پنجاب تو کیا تم اس حصّے کو بھی خالصتان نہیں بنا سکو گے جو تمہیں مل گیا ہے۔ تمہارے لیڈر ماسٹر تارا سنگھ نے کہا ہے کہ سکھ خیبر پر اپنا جھنڈا گاڑ کر دم لیں گے۔ جس قوم کا لیڈر بہادر ہو، وہ قوم بزدل نہیں ہو سکتی۔

مسلمانوں نے پاکستان مانگا تھا، ان کا پاکستان بن گیا ہے اس لیے انھیں وہاں بھیج دو۔ جب مشرقی پنجاب سے ساٹھ ستر لاکھ مسلمان وہاں پہنچیں گے تو پاکستان کو ہوش آ جائے گا۔ بہادرو! ہمت کرو۔ اب پولیس تمہاری ہے، فوج تمہاری ہے، حکومت تمہاری ہے لیکن جو کام تمہارے ذمّے ہے، وہ تم ہی کو کرنا ہو گا۔ اگر تم نے حملہ نہ کیا تو کوئی اور جتھہ رحمت علی کے گھر سے ڈولیاں لے جائے گا اور تم منہ دیکھتے رہ جاؤ گے!"

اس کے بعد چرن سنگھ نے تقریر کی:۔

"گرو کے سکھو! جتھیدار نے وعدہ کیا تھا کہ وہ دس بجے سے پہلے یہاں پہنچ جائے گا اور اب گیارہ بجنے والے ہیں۔ ہمارا خیال تھا کہ ہمیں پٹیالہ کے جوانوں ضرورت پڑے گی لیکن اب یہاں اتنے آدمی جمع ہو گئے ہیں کہ رحمت علی

کے گاؤں کے مسلمانوں کی ایک ایک بوٹی بھی بمشکل ہمارے حصّے آئے گی —— ہمارے پاس بندوقیں بھی کافی ہو گئی ہیں۔ ان کی بندوقیں ہم نے دو دن پہلے ضبط کرا دی تھیں۔ ہمیں اس سے بہتر موقع نہیں ملے گا۔ رحمت علی اور اس کے بھائیوں اور لڑکوں کا اس علاقے کے مسلمانوں پر بہت اثر ہے اگر انہیں ہمارے ارادوں کا پتہ چل گیا تو وہ چند گھنٹوں میں ہزاروں مسلمانوں کو اکٹھا کر لیں گے لیکن اگر ہم مسلمانوں کے ہوشیار ہونے سے پہلے یہ گاؤں فتح کر لیں تو اس علاقے کے مسلمانوں کی کمر ٹوٹ جائے گی۔ میرے خیال میں ہمیں جتھیدار کا انتظار نہیں کرنا چاہیے ممکن ہے کہ وہ دوسرے گاؤں پر حملہ کر چکے ہوں۔"

ایک سکھ نے کہا۔"اس گاؤں میں بھی مسلمانوں کے آٹھ دس گھر ہیں، پہلے انھیں صاف کیوں نہ کر لیا جائے۔"

رام چند نے اُٹھ کر جواب دیا۔"سردار جی! یہ تو ہمارے گھڑے کی مچھلیاں ہیں۔ یہ کہاں جائیں گے؟ لیکن پہلے آپ کو رحمت علی کے گاؤں پر حملہ کرنا چاہیے ورنہ وہ خبردار ہو جائیں گے!"

ایک اور سکھ نے کہا۔"دیکھو بھئی! ہم مسلمانوں کے ساتھ لڑنے کے لیے تیار ہیں لیکن اپنے سکھ بھائیوں کے ساتھ نہیں لڑیں گے۔ رحمت علی کے گاؤں کے کئی سکھ مسلمانوں کے طرفدار ہیں۔ ہمیں حملہ کرنے سے پہلے ان کا ارادہ معلوم کر لینا چاہیے۔"

ہری سنگھ لوہار نے اُٹھ کر کہا۔"ہمارے گاؤں کے بیس سکھ یہاں موجود ہیں اور جب آپ حملہ کریں گے تو ہمارے گاؤں کے باقی سکھ بھی آپ کا ساتھ دیں گے۔ ہمیں صرف اندر سنگھ اور اس کے گھر کے دوسرے آدمیوں سے خطرہ تھا سو اس کا علاج بھی ہم نے کر لیا ہے۔ اندر سنگھ کے دو لڑکے ہمارے ساتھ

www.allurdu.com

ہیں۔ شیر سنگھ کو ہم نے شراب کی دو بوتلیں پلا دی ہیں اور وہ اس وقت رام چند کی بیٹھک کے پاس درخت کے نیچے بے سدھ پڑا ہوا ہے۔ اندر سنگھ اب لاٹھی کے سہارے کے بغیر چل بھی نہیں سکتا۔ اب رہ گیا شیر سنگھ کا لڑکا۔ اوّل تو وہ اپنے چچوں کے خلاف مسلمانوں کا ساتھ نہیں دے گا اور اگر وہ باز نہ آیا، تو ہم یہ سمجھیں گے کہ مسلمانوں کی طرح وہ بھی پنتھ کا دشمن ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ وقت پر ہمارا ساتھ دے گا۔ ہمارے گاؤں کے مسلمانوں پر دھاوا بولنے کے لیے آپ کو اس سے بہتر موقع نہیں ملے گا۔ وہ کل سے یہ خبر سُن کر رو رہے ہیں کہ گورداسپور ہندوستان میں چلا گیا ہے۔ آج انھیں اپنا ہوش نہیں لیکن کل تک شاید دوسرے گاؤں کے مسلمان وہاں آجائیں۔ تم نے یہ تو سُن لیا کہ علی اکبر بُری طرح زخمی ہوا ہے!"

رام چند نے اُٹھ کر کہا "سردارو! میں یہ چاہتا ہوں کہ جو کچھ وہاں سے ملے وہ سب آپ کے حصّے میں آئے۔ اب جلدی کرو ورنہ کل تک دوسرے جتھے پہنچ گئے تو وہ آپ سے حصّہ مانگیں گے۔ رحمت علی کے گھر میں صرف دولت ہی نہیں اور بھی بہت کچھ ہے۔ ہمارے علاقے کی چیزیں ہمارے علاقے میں ہی رہنی چاہییں!"

مہندر سنگھ اچانک آگے بڑھا اور لوگوں کے درمیان کھڑا ہو کر چلّایا:

"میرے بزرگو اور بھائیو! آج تم بہت بڑا فیصلہ کر رہے ہو۔ میں تم سے یہ نہیں کہوں گا کہ یہ کرو اور وہ نہ کرو۔ اگر تم حملے کا ارادہ کر چکے ہو تو میں تمہارا راستہ نہیں روکوں گا لیکن میری بات ضرور سنو!"

رام چند نے چرن سنگھ کو آنکھ کا اشارہ کیا اور بولا "نہیں، اب باتوں کا وقت نہیں ہمیں بہت دیر ہو گئی ہے۔ ہم واپس آکر تمہاری باتیں سن لیں گے۔

بولو ست سری اکال!"

فضا تھوڑی دیر کے لیے "ست سری اکال" کے نعروں سے گونج اُٹھی۔

مہندر سنگھ نے ہاتھ بلند کرتے ہوئے کہا "بھائیو! تمہیں گرو گرنتھ کی قسم، میری بات سن کر جاؤ۔ اگر میں کوئی غلط بات کہوں تو جو جی چاہے مجھے سزا دینا۔ میں نے تین مہینے تمہارے گھروں پر مسلمانوں سے پہرہ دلوایا ہے، میں تمہارا دشمن نہیں اور اگر میں تمہارا دشمن ہوں تو سیٹھ رام چند تمہارا دوست نہیں ہو سکتا۔ بھائیو! میری بات سن لو۔ اس کے بعد اگر تمہارا یہی فیصلہ ہوا تو مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے میں سب سے آگے جاؤں گا!"

جو لوگ اُٹھ کر کھڑے ہو گئے تھے، وہ بیٹھ گئے اور جو شور مچا رہے تھے، وہ آہستہ آہستہ خاموش ہو گئے اور مہندر سنگھ اطمینان سے تقریر کرنے لگا:

"گرو کے سکھو! آج تک تم نے یہ نہیں سوچا کہ مسلمانوں کو پاکستان مل گیا ہے اور ہندوؤں کو ہندوستان مل گیا ہے لیکن تمہیں کیا ملا ہے؟ تم نے میری بات کبھی نہیں سُنی لیکن وہ دن دور نہیں جب تم سب میری طرح سوچو گے۔ ہندوؤں نے ہم سے وعدہ کیا تھا کہ وہ ہندوستان کو تقسیم نہیں ہونے دیں گے لیکن انھوں نے تقسیم منظور کر لی۔ نہ صرف ہندوستان کی تقسیم بلکہ انھوں نے پنجاب کو دو حصّوں میں تقسیم کروا لیا۔ ایک حصّہ مسلمان کے پاس چلا گیا ہے اور دوسرا حصّہ ہندو کے پاس۔ مجھے بتاؤ ہمیں کیا ملا ہے ـــــ؟ اگر ہندوستان ایک رہتا تو بھی اس میں ہندو ہی کا فائدہ تھا۔ اس صورت میں سکھ اور مسلمان دونوں ہندو کے غلام ہو جاتے۔ مسلمان ہوشیار تھے، انھوں نے اپنا حصّہ لے لیا۔

واہگورو کے لیے سوچو! پنجاب میں جو مسلمانوں کا حصّہ تھا، وہ مسلمان لے گئے ہیں لیکن جو تمہارا حصّہ تھا، وہ کہاں گیا؟ مجھے جواب دو! خاموش کیوں ہو گئے! تمہارے

www.allurdu.com

پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں سیٹھ رام چند کو اس سوال کا جواب معلوم ہے لیکن وہ تمہیں بتائے گا نہیں۔ کوئی ہندو تمہیں اس بات کا جواب نہیں دے گا، کیونکہ پنجاب میں جو تمہارا حصّہ تھا، وہ ہندوستان کا ہندو وصول کر چکا ہے۔ اب وہ نہیں چاہتا کہ تم اس سے اپنا حصّہ مانگو، اس لیے سیٹھ رام چند چاہتا ہے کہ تمہیں اس طرف توجہ ہی نہ کرنے دی جائے۔ وہ تمہیں مشورہ دیتا ہے کہ تم پہلے مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کو قتل کرو پھر پاکستان پر حملہ کرکے اٹک کا رُخ کرو، پھر تمہیں خالصتان مل جائے گا لیکن میں پوچھتا ہوں کہ پنجاب کی تقسیم کے بعد جو ضلعے پاکستان سے علیحدہ ہوئے ہیں وہ ہمارے ہیں یا ہندوؤں کے؟"

"ہمارے ہیں!" چند سکھوں نے یک زبان ہو کر کہا۔

"بھائیو! تم ٹھیک کہتے ہو۔ یہ ہمارے ضلعے ہیں' یہ ہمارا خالصتان ہے، اس میں جو لوگ بستے ہیں' وہ ہماری رعایا ہے۔ ہم اپنی رعایا کے ساتھ جو سلوک مناسب سمجھیں گے کریں گے لیکن ہندو ہمیں یہ مشورہ کیوں دیتا ہے کہ ہم مسلمانوں کو قتل کریں یہ اس لیے کہ ہم مسلمانوں کے ساتھ لڑائی شروع کر دیں تو ہندو آرام سے مشرقی پنجاب ہضم کر جائے گا۔ بھائیو! اگر تم مسلمانوں کے ساتھ لڑنا چاہتے ہو تو میں تمہیں نہیں روکتا لیکن پہلے ہندو سے یہ تسلیم کروا لو کہ پنجاب کا یہ حصّہ تمہارا خالصتان ہے اور ہندو کو اس پر حکومت کرنے کا کوئی حق نہیں۔ کانگرس کے لیڈروں سے کہو کہ پہلے وہ خالصتان کا اعلان کر دیں، پھر ہم مسلمانوں سے نپٹ لیں گے۔ اگر مسلمان سکھوں کو پاکستان سے مار کر نکالے گا تو ہم انھیں خالصتان سے مار کر نکال دیں گے۔ اگر وہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرے گا تو ہم بھی خالصتان میں مسلمانوں کے ساتھ اچھا سلوک کریں گے!"

جرن سنگھ نے کہا "بھائیو! یہ مسلمانوں کا طرفدار ہے۔ اس کی باتیں مت سنو۔"

مہندر نے کہا "سردار جی! میں مسلمانوں کا طرفدار نہیں لیکن میں ہندوؤں کے ہاتھ میں کھلونا نہیں بننا چاہتا۔ ہندو کو شروع سے خیال تھا کہ کہیں ہم پاکستان کی طرح خالصتان نہ بنا لیں۔ اس لیے اس نے بڑی ہوشیاری سے ہمیں مسلمانوں کے ساتھ لڑا دیا اور ہماری توجہ خالصتان سے ہٹا دی۔ ہمارے لیڈروں نے خالصتان کا نعرہ لگایا لیکن جب وقت آیا تو ہندوستان کی تقسیم کی مخالفت کرنے والوں کے ساتھ مل گئے اور خالصتان کے لیے کوشش کرنے کی بجائے ہم نے ان لوگوں کا ساتھ دیا جو سارے ہندوستان کو اپنی جاگیر سمجھتے تھے۔

بھائیو! آج ہندو تمہیں مشرقی پنجاب کے مسلمانوں سے لڑائے گا، کل تمہاری پیٹھ ٹھونک کر کہے گا کہ آگے بڑھو اور پاکستان پر ہلّہ بول دو۔ اگر ہم پاکستان سے کچھ علاقہ لے بھی لیں، تو بھی وہ مشرقی پنجاب کی طرح اسے ہندوستان میں شامل کر لے گا اور اگر ہم مارے جائیں تو بھی وہ خوش ہوگا کہ خالصتان سے جان چھوٹی۔

وہ چاہتا ہے کہ پاکستان پھر ہندوستان میں شامل ہو جائے لیکن وہ خود لڑنے کی بجائے تمہیں قربانی کے بکرے بنانا چاہتا ہے۔ آج بھی یہ حال ہے کہ مہاتما گاندھی اور کانگرس کے دوسرے لیڈر پاکستان اور باقی دنیا کے سامنے سچّا ہونے کے لیے مسلمانوں کی دوستی کا دم بھرتے ہیں اور سکھوں کو درپردہ مسلمانوں کے ساتھ لڑایا جا رہا ہے۔

میں مانتا ہوں کہ تم مشرقی پنجاب سے مسلمانوں کو نکال دو گے۔ تم اپنے ان پڑوسیوں کے گھر جلا دو گے جن کو تم نے گرنتھ اور گائے پر ہاتھ رکھ کر دوستی کا یقین دلایا تھا۔ جو بندوق ہندو خود نہیں چلا سکتا وہ اس نے تمہارے کندھے پر رکھ دی ہے لیکن تم نے ان سکھوں کے متعلق بھی سوچا ہے جو پاکستان میں آباد ہیں؟ کیا یہ مسلمان جن کو تم یہاں سے نکالو گے، پاکستان پہنچ کر سکھوں کو نہ نکالیں گے؟"

www.allurdu.com

ایک سکھ نے اُٹھ کر کہا: "ہم کسی مسلمان کو بچ کر نہیں جانے دیں گے اور اس کے بعد پاکستان کے سکھوں کی حفاظت کے لیے ہم وہاں پہنچیں گے!"

سکھ شور مچانے لگے: "ہم وہاں پہنچیں گے ــــ ہم وہاں پہنچیں گے ــــ ست سری اکال، واہگورو جی کا خالصہ ــــ واہگورو جی کی فتح۔"

مہندر چلایا: "بھائیو! میں تمہارا راستہ نہیں روکتا۔ لیکن میری بات تو سن لو۔ ہم آپس میں بیٹھے ہیں۔ یہاں کوئی مسلمان نہیں۔ سُنو! جب ماسٹر تارا سنگھ نے امرتسر میں فساد کروایا تھا تو ہم نے پوری تیاری کے ساتھ مسلمانوں پر حملہ کیا تھا۔ امرتسر میں ہم خوب تیار تھے، ماسٹر تارا سنگھ کا خیال تھا کہ وہ اسے ایک دن میں فتح کر کے لاہور پہنچ جائیں لیکن اس کا نتیجہ کیا نکلا؟ پنجاب میں جو ہمارا دبدبہ تھا وہ بھی جاتا رہا۔ اب ہندو ہمیں یہ تسلی دے رہے ہیں کہ پولیس، فوج اور ریاستوں کے سپاہی مدد کریں گے لیکن یہ سوچنے کی بات ہے کہ اگر ہم مشرقی پنجاب میں بھی فوج اور پولیس کی مدد کے بغیر نہتے مسلمانوں کو قتل نہیں کر سکتے تو ہم پاکستان پر کیسے حملہ کر سکیں گے؟ اور اگر پاکستان پر حملہ کرنے کے لیے ہندوستان کی فوج ہمارا ساتھ دے گی تو یہ ایک باقاعدہ جنگ ہوگی۔ ہندوستان اور پاکستان کی جنگ۔ ہندو اگر کامیاب ہوگا تو وہ اپنا اکھنڈ ہندوستان بنائے گا لیکن اس جنگ میں سکھوں کی ساری طاقت صرف ہو جائے گی اور تم میں ہندو سے خالصتان کا مطالبہ کرنے کی ہمت نہ ہوگی۔ وہ خالصتان کو اکھنڈ بھارت کے راستے میں آخری کانٹا سمجھ کر مسل ڈالے گا اور اگر ہندو نے یہ دیکھا کہ اس نے پاکستان کے ساتھ جنگ کرنے میں غلطی کی ہے تو وہ فوراً صلح کے لیے ہاتھ آگے بڑھائے گا اور جنگ کی تمام ذمہ داری سکھوں پر تھوپ دے گا۔

بھائیو! کبھی تم میری بات یاد کرو گے۔ اگر مسلمان کی فتح ہوئی تو بھی ہم مارے

جائیں گے۔ وہ ہم سے مشرقی پنجاب کے ایک ایک بچے کا انتقام لے گا اور اگر ہندو کی فتح ہوئی تو بھی وہ تمہارا خالصتان کبھی نہیں بننے دے گا۔ آج اس کی فوج اور پولیس مسلمانوں کو قتل کرنے کے لیے تمہیں اپنی رائفلیں دے رہی ہے، کل جب تم خالصتان کا نام لو گے تو یہی فوج اور پولیس تمہارے لیے ہتھکڑیاں لے کر آئے گی۔ آج ہندو اپنے مطلب کے لیے ماسٹر تارا سنگھ کے گلے میں پھولوں کے ہار ڈال رہا ہے، کل تم دیکھو گے کہ یہی ہندو اسے جیل کی کوٹھڑی میں ٹھونس دے گا۔ اس وقت تم میں بغاوت کی ہمت نہ ہوگی۔ تم صرف مسلمانوں کے ساتھ مل کر خالصتان بنا سکتے تھے لیکن یہ ہندو کی کامیابی ہے کہ اس نے ایک طرف تمہارے خالصتان پر قبضہ کر لیا ہے اور دوسری طرف تمہیں مسلمانوں کے ساتھ لڑا بھی دیا ہے۔

" بھائیو! بہادر کسی کے احسان کا بدلہ اس طرح نہیں دیا کرتے۔ آج تم جن لوگوں پر حملہ کرنا چاہتے ہو، انھوں نے دن رات ہمارے گھروں پر پہرہ دیا ہے۔ انھوں نے ہماری ماؤں اور بہنوں کو اپنی مائیں اور بہنیں سمجھا ہے، چوہدری رحمت علی کے خاندان نے کسی مسلمان کو اس علاقے میں شرارت نہیں کرنے دی۔ جس دن یہ اعلان ہوا تھا کہ گورداسپور پاکستان کو دے دیا گیا ہے۔ ہمیں ڈر تھا کہ مسلمان اپنے وعدوں سے پھر جائیں گے لیکن وہ اپنے وعدے پر قائم رہے۔ آج یہ ضلع ہمیں مل گیا ہے، آج ہمیں یہ ثابت کرنا ہے کہ سکھ نیکی کا بدلہ بُرائی سے نہیں دیتے۔ اگر تم یہ نہیں چاہتے کہ وہ یہاں رہیں تو انھیں یہاں سے نکل جانے کا موقع دو۔ یہ وہی باغ ہے جہاں امن کمیٹی کا جلسہ ہوا کرتا تھا۔ جہاں سردار جیون سنگھ نے گرنتھ اور سیٹھ رام چند نے گائے پر ہاتھ رکھ کر حلف اٹھائے تھے۔ اپنے وعدوں کو یاد کرو اور تم ان پر حملہ کرنا چاہتے ہو، تو چند دن ٹھہر جاؤ اور یہ معلوم کرو کہ پاکستان کے مسلمان مغربی پنجاب میں ہمارے سکھ بھائیوں سے کیا سلوک کرتے ہیں۔"

چرن سنگھ نے کہا۔ ”ہم ایک آدمی کی وجہ سے پنتھ کا فیصلہ رد نہیں کر سکتے۔ آج سارے پنجاب میں لڑائی شروع ہو چکی ہے، اگر ہم بیٹھے رہے تو پنتھ کے سامنے کیا منہ لے کر جائیں گے۔ اگر ہم نے دشمنوں کو موقع دیا تو وہ اپنا روپیہ پیسہ اور سب کچھ نکال کر لے جائیں گے۔ آج تک رحمت علی کے خاندان نے کسی شرابی کو اپنے گاؤں کی زمین سے گزرنے نہیں دیا لیکن آج ہم اس کی بہو بیٹیوں کے ہاتھ سے شراب پئیں گے!“

مہندر چلّایا۔ ”اس کی بہو بیٹیوں کا نام نہ لو۔ انھوں نے ہماری ماؤں اور بہنوں کو ہمیشہ اپنی مائیں اور بہنیں سمجھا ہے۔ جو آگ ایک گھر کو جلاتی ہے وہ دوسروں کو جلائے گی۔ کسی کی بہو بیٹی کی طرف وہی دیکھتا ہے، جس کو اپنی بہو بیٹی کی عزّت کا خیال نہیں ہوتا!“

چرن سنگھ نے غصّے سے کانپتے ہوئے اپنا پستول نکال کر مہندر کی طرف سیدھا کر دیا۔ ”ہم اس گاؤں میں اپنی بے عزتی کروانے نہیں آئے۔ اگر اس گاؤں کے سکھ مسلمان ہو چکے ہیں تو ہمیں ان کی مدد کی ضرورت نہیں، ہم جانتے ہیں۔ جس میں ہمت ہے، وہ ہمارا راستہ روک کر دکھائے۔ سکھو! بتاؤ تم پنتھ کے ساتھ ہو یا مسلمانوں کے ساتھ؟“

مہندر کے گاؤں کے ایک سکھ نے اُٹھ کر بلند آواز میں کہا۔ ”سردار چرن سنگھ کیا دیکھ رہے ہو، مارو گولی! ہم سب تمہارے ساتھ ہیں، اس گاؤں کا کوئی سکھ پنتھ سے باہر نہیں!“

”ہاں! مجھے گولی مار دیں تمہاری تباہی نہیں دیکھ سکتا۔“ مہندر سنگھ یہ کہتے ہوئے آگے بڑھا۔ ”تم جو گڑھا دوسروں کے لیے کھود رہے ہو، اس میں کسی دن خود گرو گے۔ میں اس دن کے لیے زندہ نہیں رہنا چاہتا۔“

چرن سنگھ کا پستول مہندر کے سینے کو چھو رہا تھا اور تماشائی چلّا رہے تھے۔

”گولی چلا دو سردار جی! یہ بزدل ہے، یہ غدّار ہے، یہ پنتھ کا دشمن ہے۔“

مہندر نے کہا۔ ”ہاں جلدی کرو! تمہارا ہاتھ کیوں کانپ رہا ہے!“

گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سنائی دی اور لوگ اُٹھ اُٹھ کر شہر سے آنے والی پگڈنڈی کی طرف دیکھنے لگے۔ بندوقوں، رائفلوں اور پستولوں سے مسلح آٹھ سوار باغ کے قریب پہنچ کر رُکے۔ چرن سنگھ نے بلونت سنگھ اور تھانیدار کو دیکھ کر مہندر کے سینے سے اپنا پستول ہٹا لیا۔ تھانیدار اس علاقے میں سکھوں کا جتھیدار تھا۔ اس نے گھوڑا آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”تم ابھی تک یہاں کیا کر رہے ہو؟ ہم دو گاؤں صاف کر آئے ہیں اور تم آرام سے بیٹھے ہوئے ہو؟“

چرن سنگھ نے کہا۔ ”سردار جی! کیپٹن بلونت سنگھ کا بھائی ہم میں پھوٹ ڈال رہا ہے، یہ کہتا ہے کہ اگر ہم نے رحمت علی کے گاؤں پر حملہ کیا تو یہ مسلمانوں کی طرف سے ہمارا مقابلہ کرے گا!“

تھانیدار نے بلونت سنگھ کی طرف دیکھا اور بلونت سنگھ نے گھوڑے سے کود کر آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ ”اس کی رگوں میں میرے باپ کا خون نہیں۔ ایسا بے غیرت میرا بھائی نہیں ہو سکتا۔ یہ شروع سے مسلمانوں کے ساتھ تھا۔“

مہندر نے جواب دیا۔ ”میں اس لیے مسلمانوں کے ساتھ تھا کہ مجھے تمہارا گھر بچانے کی فکر تھی!“

”بدمعاش! مجھ سے بحث نہ کرو۔ تم باپو کے نام کو رسوا کر رہے ہو۔ تم پنتھ کے خلاف بغاوت کر رہے ہو۔“

”اگر پنتھ بے گناہوں کے قتل کی اجازت دیتا ہے تو میں اس کا باغی ہوں!“

”خاموش!“ بلونت سنگھ نے آگے بڑھ کر اس کے منہ پر پوری طاقت سے مُکّا رسید کرتے ہوئے کہا۔ مہندر گرتے گرتے سنبھل کر کھڑا ہو گیا۔

www.allurdu.com

اچانک ایک نوجوان لڑکی آگے بڑھی اور چیختی چلاتی بلونت سے لپٹ گئی۔ یہ اس کی بہن بسنت تھی۔ "بھائی تمھیں کیا ہو گیا۔ مہندر نے کیا قصور کیا ہے؟ اسے کیوں مارتے ہو؟" وہ چلا رہی تھی۔

"حرامزادی تو یہاں کیوں آ گئی؟ چلی جا یہاں سے!" یہ کہتے ہوئے بلونت نے اسے گردن سے پکڑ کر دھکا دیا اور وہ چند قدم دُور جا گری۔

مہندر اُٹھنے کی کوشش کر رہا تھا، بلونت نے اس کی کمر میں ٹھڈا مارا اور وہ پھر منہ کے بل لیٹ گیا۔ بسنت اٹھ کر پھر بلونت سے لپٹ گئی اور چلانے لگی۔ "لوگو مہندر کو بچاؤ۔ میرے بھائی نے آج بہت پی لی ہے۔ اسے ہوش نہیں۔ اسے ہوش نہیں۔ اسے معلوم نہیں یہ کیا کر رہا ہے۔ یہ شراب سے اندھا ہو چکا ہے۔"

بلونت سنگھ اسے بالوں سے پکڑ کر کھینچتا ہوا گھر کی طرف چل دیا۔ راستے میں وہ کہہ رہا تھا۔ "حرامزادی! مجھے معلوم ہے وہ ٹامی گن تم نے چھپائی ہے۔ میں تمھاری کھال ادھیڑ دوں گا۔ بتاؤ میری ٹامی گن کہاں ہے؟ میں تمھیں جان سے

پوچھنے لگے۔ مجید جواب دینے سے زیادہ انھیں ٹالنے کی کوشش کرتا ہوا آگے بڑھا اور فجو کے پاس جا کر بولا۔ "فجو تم جاؤ، ان سے کہو کوئی نہ آئے، ہم انھیں لے آئیں گے۔ چچا افضل کو الگ کر کے سمجھا دینا کہ ڈاکٹر نے جواب دے دیا ہے، وہ چند گھڑیوں کے مہمان ہیں۔ چچا افضل کو یہ بھی بتا دینا کہ وہ ہوشیار رہیں۔ راستے میں رام چند کے گاؤں کے قریب سے گزرتے ہوئے ہم نے سکھوں کے نعرے سُنے ہیں۔ صبح سے اب تک اس علاقے میں کئی جگہوں پر سکھوں کے حملے ہو چکے ہیں۔ گھر کے کسی آدمی کو یہاں نہ آنے دینا۔ یہاں اگر کسی کے ٹھہرنے کی ضرورت ہوئی تو میں سلیم کو چھوڑ کر تھوڑی دیر میں گاؤں پہنچ جاؤں گا۔ تم جاؤ!"

کمرے میں سلیم اپنے باپ کے بستر کے قریب کھڑا تھا۔ ڈاکٹر نے دوسرا انجکشن دینے کے بعد کہا۔ "مسٹر سلیم! شاید انھیں تھوڑی دیر کے لیے پھر ہوش آ جائے۔ ممکن ہے کہ آپ کوئی بات کر سکیں۔ میں دوسرے زخمیوں کو دیکھ آؤں۔"

ڈاکٹر نے کہا۔ "میں یہ نہیں کہوں گا کہ کوئی امید نہیں۔ کبھی کبھی قدرت معجزے

بھی کر دیتی ہے۔ آپ دُعا کریں، میں اپنی طرف سے پوری کوشش کر چکا ہوں۔"

ڈاکٹر چلا گیا، تھوڑی دیر بعد مجید کمرے میں داخل ہوا اور چپ چاپ سلیم کے قریب کھڑا ہو گیا۔

کوئی دس منٹ کے بعد علی اکبر نے ہوش میں آکر آنکھیں کھول دیں اور سلیم اور مجید کو دیکھنے کے بعد اس کے ہونٹوں سے نحیف آواز نکلی "بیٹا! گھر جاؤ، وہ حملہ کریں گے ــــ وہ ضرور حملہ کریں گے ــــ سلیم بیٹا! تمہاری ماں نے مجھے تمہاری شادی کے لیے ایک انگوٹھی لانے کو کہا تھا ــــ وہ میرے بٹوے میں ہے ڈاکٹر شوکت کا گھر بھی ہندوستان میں چلا گیا ہے ــــ اب وہ تمہیں یہاں نہیں رہنے دیں گے لیکن سکھوں کو جاتے جاتے یہ ضرور بتا جانا کہ تم مسلمانوں کی اولاد ہو۔ مجید خاندان کی عزت بچانا۔ اب تم جاؤ، خدا کے لیے جاؤ، میری فکر نہ کرو، آندھی آنے سے پہلے گھر پہنچ جاؤ۔ سکھوں اور ہندوؤں کی دوستی پر بھروسہ نہ کرنا وہ اس وقت تک تمہارے دوست تھے، جب تک انھیں تمہارا ڈر تھا۔ اب پاکستان کے سوا مسلمانوں کا کوئی ٹھکانا نہیں۔ جانتے ہو سب سے پہلے میرے سینے پر گولی کس نے ماری تھی؟ وہ میرا ہم جماعت تھا ــــ لیکن وہ ایک سکھ تھا۔ سکھ اسی طرح دوستی کا حق ادا کرتے ہیں لیکن ہمیں پاکستان مل گیا ہے ــــ اب ہمیں کوئی نہیں مٹا سکتا ــــ"

علی اکبر کوئی پندرہ منٹ سلیم اور مجید سے باتیں کرتا رہا۔ سلیم یہ محسوس کر رہا تھا کہ قدرت کوئی معجزہ کر چکی ہے۔ اس نے نرس کی طرف دیکھ کر کہا "نرس! ڈاکٹر کو بلاؤ، اب طبیعت ٹھیک معلوم ہوتی ہے، شاید وہ اپریشن کر کے گولی نکال سکیں!"

نرس کو زخمی کے متعلق کوئی غلط فہمی نہ تھی۔ اس کے خیال میں یہ بجھتے ہوئے

چراغ کی آخری لَو تھی۔ تاہم سلیم کے اصرار پر وہ ڈاکٹر کو بلانے کے لیے چلی گئی۔

ڈاکٹر آیا تو سلیم نے بھرّائی ہوئی آواز میں کہا "ڈاکٹر صاحب! ابّا جان ابھی ہم سے باتیں کر رہے تھے۔ ان کی طبیعت بالکل ٹھیک تھی لیکن یہ اچانک خاموش ہو گئے ہیں۔" ڈاکٹر نے دل کی حرکت کا معائنہ کرنے کے بعد علی اکبر کی ایک آنکھ کھول کر دیکھی اور مغموم لہجے میں کہا "ان کا باتیں کرنا ایک معجزہ تھا۔ انجکشن دینے کے بعد بھی مجھے یہ تسلّی نہ تھی کہ یہ ہوش میں آکر آپ سے باتیں کر سکیں گے۔ مجھے افسوس ہے۔"

سلیم پتّھر کی مورتی کی طرح بے حس و حرکت کھڑا اپنے باپ کی لاش کی طرف دیکھ رہا تھا۔ چند منٹ پہلے اسے یقین نہیں آتا تھا کہ وہ باتیں کرتے کرتے اچانک خاموش ہو جائیں گے اور وہ بھی ہمیشہ کے لیے۔ مجید نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ سلیم نے اس کی طرف دیکھا اور کچھ کہنے کی بجائے اپنے ہونٹ بھینچ لیے۔ مجید کی آنکھوں سے آنسو اُبل رہے تھے لیکن سلیم کی آنکھیں خشک تھیں۔

شہر کے چند آدمی لاش کو چارپائی پر ڈال کر سلیم کے گاؤں پہنچانے کے لیے تیار ہو گئے۔ وہ ابھی ہسپتال کے احاطے سے باہر نکلے تھے کہ فتّو سرپٹ گھوڑا دوڑاتا ہوا آیا اور اس نے چند قدم دور گھوڑا روکتے ہوئے بلند آواز میں کہا "سکھوں نے گاؤں پر دھاوا بول دیا ہے۔"

مجید نے چارپائی ایک درخت کے نیچے رکھوا کر ایک نوجوان کے ہاتھ سے اپنے گھوڑے کی باگ پکڑ لی اور کہا "سلیم! تم یہیں رہو۔ میں جاتا ہوں۔"

سلیم نے دوسرے آدمی کے ہاتھ سے اپنے گھوڑے کی باگ چھینتے ہوئے کہا "میں بھی تمہارے ساتھ جاؤں گا!"

"لیکن تم نہتے ہو!"

www.allurdu.com

"ہم دونوں نہتے ہیں۔" سلیم نے گھوڑے کی رکاب میں پاؤں رکھتے ہوئے کہا۔

مجید نے ایک عمر رسیدہ آدمی کی طرف متوجّہ ہو کر کہا۔ "حاجی صاحب! یہ لاش آپ کے پاس امانت ہے۔ اگر شام تک ہماری طرف سے کوئی اطلاع نہ آئے تو اسے دفن کرا دیں۔"

بوڑھے حاجی نے آبدیدہ ہو کر کہا۔ "بہت اچھا بیٹا! تم جاؤ!"

مجید گھوڑے پر سوار ہو گیا تو ایک نوجوان نے بھاگ کر اس کی باگ پکڑتے ہوئے کہا۔ "آپ کے پاس کچھ نہیں، یہ لیجیے!"

مجید نے اس کے ہاتھ سے ایک چھوٹا سا خنجر لے لیا۔ ایک اور نوجوان نے آگے بڑھ کر کہا۔ "میاں سلیم ٹھہریے! ایک چیز میرے پاس بھی ہے!"

نوجوان نے آگے بڑھ کر اپنی شلوار کا پائینچہ اوپر اٹھایا اور ران کے ساتھ رومال سے بندھا ہوا ایک چھوٹا سا ریوالور نکال کر سلیم کو پیش کیا۔ یہ وہی نوجوان تھا جو چند مہینے قبل سلیم کے ساتھ لاہور سے سائیکلو اسٹائل مشین لینے کے لیے گیا تھا۔

"یہ بھرا ہوا ہے، میں آپ کو اور گولیاں بھی دیتا ہوں۔" نوجوان نے اپنی شلوار کے نیفے کے نیچے ہاتھ ڈال کر کپڑے کی ایک چھوٹی سی تھیلی نکال کر سلیم کو دیتے ہوئے کہا۔ "اس میں چالیس گولیاں ہیں۔ آپ میرا خیال نہ کریں۔ میرے پاس ایک ریوالور فالتو تھا۔"

سلیم نے احسان مندانہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا اور گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ تھوڑی دور جا کر اس نے کہا۔ "مجید ریوالور تم لے لو مجھے وہ چھرا دے دو ــــ!"

"ابھی چلو! آگے چل کر دیکھا جائے گا!"

مجید، سلیم اور فجّو نے گھوڑے سرپٹ چھوڑ دیے۔

گاؤں کے ان چند مسلمانوں کے سوا جنھوں نے اپنے سکھ پڑوسیوں پر اعتماد کرنے کی غلطی کی تھی، باقی تمام اپنے بچوں سمیت رحمت علی کی حویلی میں جمع ہو چکے تھے۔ حملہ آور "ست سری اکال" کے نعرے لگاتے ہوئے رہائشی مکانات کے پچھواڑے سے کوئی سو گز کے فاصلے پر رُک گئے۔

جتھیدار نے بلونت سنگھ سے کہا۔ "اب اس فوج کے سردار آپ ہیں۔ مجھے آج شام تک تمام علاقے کا چکر لگانا ہے۔ زیادہ بارود ضائع نہ کریں۔ شام تک مجھے آپ کی رپورٹ پہنچ جانی چاہیے!"

بلونت سنگھ نے کہا۔ "شام تک آپ کو بہت اچھی رپورٹ ملے گی!"

"ہاں بھئی! اس گھر کے مال میں ہمارا بھی حصّہ ہے۔"

"آپ فکر نہ کریں، ہم سب کچھ آپ کے پاس لے آئیں گے۔ آپ جس طرح چاہیں تقسیم کریں!"

"میرا مطلب خوبصورت مال سے ہے!"

"سردار جی! مجھے صرف ایک چاہیے، باقی سب آپ کی ہیں!"

جتھیدار نے اپنے مسلح ساتھیوں میں سے چار کو اپنے ساتھ چلنے کا حکم دے کر گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔

بلونت سنگھ نے جتھے کو مختلف ٹولیوں میں تقسیم کرنے کے بعد ہدایات دیں۔ رہائشی مکانات کی بلند دیواروں کے باعث اس طرف سے حملہ کرنا مشکل تھا۔ بائیں طرف کی دیوار کے ساتھ رہائشی مکان کے دو وسیع دالان اور اس کے بعد باہر کی حویلی کے گودام اور مویشی خانے تھے۔ اس دیوار کے ساتھ ساتھ ایک تنگ

www.allurdu.com

گلی مولشیوں کی حویلی کے پھاٹک تک پہنچتی تھی۔ بلونت سنگھ نے ایک ٹولی کو گلی کے راستے اور دوسری ٹولی کو جوہڑ کے اُوپر سے چکّر لگا کر سکھّوں کے محلے سے پھاٹک کی طرف سے حملہ کرنے کا حکم دیا۔

پہلی ٹولی ابھی بالا خانے والے کونے سے چند قدم دور تھی کہ گلاب سنگھ برچھی لیے گلی سے نمودار ہوا اور اُن کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔ "میں تمہیں آگے نہیں جانے دوں گا!" اس نے بلند آواز میں کہا۔

"ہٹ جاؤ!" ایک سکھ نے یہ کہہ کر اس کی طرف اپنی رائفل سیدھی کر دی۔

"تمہیں آگے بڑھنے کے لیے میری لاش کے اوپر سے گزرنا پڑے گا!"

"یہ کون ہے؟" بلونت سنگھ نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ "اوہو گلاب سنگھ! آخر اپنے باپ کے بیٹے نکلے نا؟"

گلاب سنگھ نے اسے جواب دینے کی بجائے اپنی برچھی اس کی طرف سیدھی کر دی۔ بلونت نے دو تین قدم پیچھے ہٹ کر اپنی رائفل سیدھی کرتے ہوئے کہا۔

"تمہاری یہ جرأت!"

موہن سنگھ بھی اپنا پستول اس کی طرف سیدھا کر چکا تھا لیکن گاؤں کے چند سکھ بیچ میں آپڑے اور انھوں نے بلونت سنگھ کو سمجھایا کہ اگر اس نے اندر سنگھ کے پوتے پر ہاتھ اُٹھایا تو گاؤں کے بہت سے سکھ بگڑ جائیں گے۔ ابھی تکرار ہو رہی تھی کہ اندر سنگھ لاٹھی ٹیکتا ہوا گلی سے نمودار ہوا۔ اس کے پیچھے گلاب سنگھ کے چچا اور گاؤں کے چند سکھ تھے۔ یہ سب برچھیوں اور کرپانوں سے مسلح تھے۔ اندر سنگھ نے قریب پہنچ کر کہا۔ "گلاب سنگھ ہٹ جاؤ، ان کا راستہ مت روکو۔"

گلاب سنگھ کو اپنے کانوں پر اعتبار نہ آیا۔ اس کے گاؤں کے بعض سکھ بھی جو جتھے کے ساتھ آئے تھے۔ حیران ہو کر ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔

گلاب سنگھ نے اپنے دادا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "بابا جی! یہ ہمارے گاؤں پر حملہ کرنے آئے ہیں۔"

اندر سنگھ نے کہا۔ "یہ سکھوں اور مسلمانوں کی لڑائی ہے۔ آج تک مجھے یہ طعنہ دیا جاتا تھا کہ میں رحمت علی سے ڈرتا ہوں لیکن آج کے بعد مجھے یہ طعنہ کوئی نہ دے سکے گا!"

"بابا ہم نے گرنتھ پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائی ہے اور آپ نے بابا رحمت علی کو اپنا بھائی بنایا تھا۔"

"آج وہ بھائی چارہ ٹوٹ چکا ہے۔ آج میں ایک سکھ ہوں۔" یہ کہتے ہوئے اس نے مکان کی چھت کی طرف دیکھا اور بلند آواز میں پکارا۔ "رحمت علی! تمہارے گھر میں بارات آئی ہے، چھپ کیوں گئے، باہر آؤ!"

چودھری رحمت علی چند آدمیوں کے ساتھ چھت کی منڈیر کی آڑ میں بیٹھا ہوا تھا۔ وہ اندر سنگھ کی آواز سن کر فوراً اُٹھا اور منڈیر کے پاس جا کھڑا ہوا۔ بالا خانے کی چھت سے افضل نے آواز دی "ابّا جان بیٹھ جاؤ! پیچھے ہٹ جاؤ، ان کے پاس بندوقیں ہیں!"

اس نے بے پروائی سے جواب دیا "مجھے کوئی نہیں مارے گا۔ میں نے کسی سے بُرائی نہیں کی۔ مجھے بات کرنے دو!"

منڈیر چھت سے ایک گز اونچی تھی۔ رحمت علی کا چھوٹا بھائی سر جھکا کر چلتا ہوا آگے بڑھا اور منڈیر کے قریب گھٹنوں کے بل ہو کر رحمت علی کا ہاتھ کھینچتے ہوئے کہا "بیٹھ جاؤ بھائی جان!"

رحمت علی نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا اور نیچے جمع ہونے والے سکھوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "تم کیا چاہتے ہو۔ ہم نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟ ہم

www.allurdu.com

نے تمہارے گھروں پر پہرہ دیا ہے۔ تم نے گرنتھ پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائی ہے — ہم نے تمہارے ساتھ کبھی دھوکا نہیں کیا۔ ہم نے تمہاری بہو بیٹیوں کو ——"

وہ اپنا فقرہ پورا نہ کر سکا۔ ایک سکھ نے نیچے سے بندوق چلادی۔ گولی رحمت علی کے سر میں لگی اور وہ منڈیر پر گر پڑا۔ اس کا سینہ منڈیر پر اور بازو باہر کی طرف لٹکے ہوئے تھے۔ اس کے بھائی نے اُسے اُٹھانے کی کوشش کی۔ بلونت سنگھ نے رائفل کے ساتھ یکے بعد دیگرے دو فائر کئے اور وہ زخمی ہو کر پیچھے گر پڑا۔ نیچے گلاب سنگھ نے برچھی کے ساتھ بلونت سنگھ پر حملہ کیا۔ لیکن موہن سنگھ نے اچانک پستول چلادیا اور وہ سینے پر گولی کھا کر گر پڑا۔ اندر سنگھ کے ہاتھ سے لاٹھی چھوٹ گئی اور وہ ایک چیخ مار کر پوتے کی لاش پر گر پڑا۔ بالاخانے سے افضل نے یکے بعد دیگرے کئی فائر کئے اور تین سکھ زخمی ہو کر گر پڑے۔ سکھ بدحواس ہو کر پیچھے ہٹنے لگے اور افضل نے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ نیچے حویلی کی دوسری طرف جمع ہونے والے مسلمانوں نے بلند آواز میں اللہ اکبر کہا۔

سکھ پستول کی گولیوں کی زد سے دور ہٹ کر اندھا دھند بالاخانے اور چھت پر گولیاں برسا رہے تھے۔ رحمت علی کا آدھا دھڑ جو منڈیر سے باہر لٹک رہا تھا، گولیوں سے چھلنی ہو رہا تھا۔ اس کی بیوی نے سیڑھیوں پر چڑھ کر اپنے شوہر کی طرف دیکھا اور بے اختیار دوڑتی ہوئی آگے بڑھی۔ منڈیر کے قریب پہنچ کر ایک گولی اس کے سینے اور دوسری سر میں لگی اور وہ گرتے گرتے اپنے شوہر کی لاش کے ساتھ لپٹ گئی۔ وہ آدمی جو مکان کے اس حصے کی حفاظت پر متعین تھے، اس کی آمد سے اس وقت باخبر ہوئے جب وہ اپنے شوہر کے قریب پہنچ کر گولیوں سے زخمی ہو چکی تھی۔

سلیم کی بہن زبیدہ چھت پر چڑھی لیکن اچانک بالاخانے سے افضل نے اسے دیکھ لیا اور وہ پوری طاقت سے چلایا۔ "زبیدہ آگے مت جاؤ، ہٹ جاؤ ——" زبیدہ تذبذب کی حالت میں کھڑی تھی کہ اس کی ماں نے آگے بڑھ کر اس کا بازو پکڑ لیا۔ افضل نے پھر کہا "بھابی کسی کو اوپر مت آنے دو۔ عورتوں اور بچوں کو دالان میں بٹھا کر دروازہ بند کر لو۔"

ایک نوجوان نے گھٹنوں کے بل آگے بڑھ کر رحمت علی اور اس کی بیوی کی لاشیں منڈیر سے اُتار کر نیچے لٹا دیں۔

بلونت سنگھ کی تجویز کے مطابق سکھ دو حصوں میں تقسیم ہو کر آگے بڑھے۔ ایک گروہ جو گنوں کے کھیتوں کو عبور کرتا ہوا آگے بڑھا تھا، کسی دقت کا سامنا کیے بغیر حویلی کے پھاٹک کی طرف جا نکلا لیکن دوسری ٹولی گلی میں داخل ہوئی تو چھت سے اینٹوں کی بارش ہونے لگی اور اس کے ساتھ ہی افضل نے بالاخانے سے گولیاں چلانی شروع کر دیں۔ چار آدمی پستولوں کی گولیوں اور پندرہ بیس اینٹوں سے زخمی ہو کر گر پڑے اور باقی اُلٹے پاؤں بھاگ نکلے۔

بلونت سنگھ نے انھیں بھی گنوں کے کھیت سے گزر کر جوہڑ کے کنارے کنارے دوسری طرف پہنچنے کا حکم دیا۔

* * *

گاؤں کے جنوب میں گنوں کے آٹھ دس کھیت ایک دوسرے کے ساتھ ملے ہوئے تھے۔ مجید نے سیدھا گاؤں کا رُخ کرنے کی بجائے ان کھیتوں کے درمیان سے گزرنے والی کھائی میں اپنا گھوڑا ڈال دیا۔

ایک کھیت کے کونے میں پہنچ کر مجید گھوڑے سے اتر پڑا اور باگ پکڑ کر بھاگتا ہوا کھیت کے اندر داخل ہو گیا۔ سلیم اور فجو نے اس کی تقلید کی۔ تھوڑی دیر میں

www.allurdu.com

وہ کھیت کے درمیان بیری کے ایک درخت کے نیچے پہنچ چکے۔ گھوڑوں کو درخت کے ساتھ باندھ کر انھوں نے گاؤں کا رُخ کیا۔ گاؤں سے بندوقوں اور رائفلوں کی آوازوں کے ساتھ اللہ اکبر اور ست سری اکال کے نعرے سُنائی دے رہے تھے۔ کھیت کے دوسرے کنارے پہنچ کر وہ ایک تنگ پگڈنڈی پر بھاگنے لگے۔ گاؤں کے قریب انھوں نے پگڈنڈی چھوڑ دی اور گنّوں کے دو کھیتوں کے درمیان منڈیر پر ہو لیے۔ کوئی چالیس قدم چلنے کے بعد مجید نے مُڑ کر اپنے ساتھیوں کی طرف اشارہ کیا اور دبے پاؤں آگے بڑھنے لگا۔ دس پندرہ قدم اور چلنے کے بعد رُک گیا اور اس کے ساتھی بھی اس کے قریب کھڑے ہو گئے۔ یہاں سے کھیت کے سرے پر شیشم اور کیکر کے درختوں کی قطار دکھائی دے رہی تھی۔ مجید نے آہستہ سے کہا ”تم یہیں ٹھہرو!“

مجید نے ابھی پانچ چھ قدم ہی اٹھائے تھے کہ کسی کی آواز سنائی دی ”سیٹھ رام چند! میرا بارود بلونت سنگھ نے لے لیا ہے!“

”بلونت سنگھ کا اپنا تھیلا بھرا ہوا تھا، وہ ختم ہو گیا؟“

”وہ چند آدمیوں کو لے کر مسجد کے اوپر چڑھا ہے۔ وہاں سے خوب نشانے لگیں گے۔ ابھی تھوڑی دیر میں فیصلہ ہو جائے گا۔ ارے کندن لال! تم یہاں کیوں کھڑے ہو، جاؤ۔ اس طرف کون آئے گا؟“

”خطرہ تو ہے نا سردار جی!“

”یہاں کون آئے گا؟ چلو اس طرف تماشا دیکھو!“

سیٹھ رام چند نے کہا ”نہیں سردار جی، ادھر آنا آپ جیسے سُورماؤں کا کام ہے۔ ہم پکوڑیاں کھانے والے ہیں۔ ہم ادھر سے کبھی کبھی فائر کر دیتے ہیں۔ نشانہ لگے یا نہ لگے، کم از کم اتنا فائدہ تو ضرور ہے کہ ان کے کچھ آدمی اِدھر بٹے

ہوئے ہیں۔ بلونت سنگھ نے بھی ہمیں کہا تھا کہ تم یہیں رہو۔ آپ بھی بیٹھ جائیں سردار جی! یہ مٹھی بھر مسلمان کب تک لڑیں گے۔ بھگوان کی کرپا سے بیس پچیس مُسلوں کے لیے تو آپ کا لڑکا ہی کافی ہے!“

مجید نے مُڑ کر اپنے ساتھیوں کو پیچھے آنے کا اشارہ کیا اور پھر زمین پر لیٹ کر گھٹنوں کے بل رینگتا ہوا آگے بڑھا۔ کھیت کی منڈیر پر درختوں کے درمیان جنگلی بوٹیاں اور بیلیں اُگی ہوئی تھیں اور منڈیر سے آٹھ دس قدم کے فاصلے پر شیشم کے درخت کے سائے میں سیٹھ رام چند، کندن لال اور چرن سنگھ کھڑے تھے۔ تینوں کے ہاتھ میں رائفلیں تھیں۔ رام چند اپنے تھیلے سے کارتوس نکال کر چرن سنگھ کو دے رہا تھا۔ مسجد کی طرف سے یکے بعد دیگرے آٹھ دس فائر ہوئے اور چرن سنگھ نے کہا ”دیکھا بلونت سنگھ نے فائرنگ شروع کر دی۔“

رام چند نے کہا ”یار! اس کا بھائی بڑا بودا نکلا۔“

”یار! بہادر تو یہ بھی نہیں۔ نرا دکھاوا ہی ہے۔ اصل میں اس کی آنکھ رحمت علی کی پوتی پر ہے!“

رام چند نے چونک کر کہا ”کس پر، سلیم کی بہن پر؟ ارے یار وہ تو تمہارے موہن کو ملنی چاہیے۔ میری کوشلیا اس کی بڑی تعریف کیا کرتی ہے۔“

چرن سنگھ نے کہا ”اچھا دیکھا جائے گا، میں جاتا ہوں لیکن بھائی تمہارے پاس دو رائفلیں اور ایک پستول بے کار پڑا ہے، ایک رائفل مجھے دے دو۔ میں کسی اور کو دے دوں گا!“

”دیکھو سردار جی! میں نے آپ کو تین رائفلیں لا کر دی ہیں۔ مجھ سے یہ نہ لو، شاید مجھے بھی کوئی نشانہ لگانے کا موقع مل جائے!“

مجید نے پستول نکال کر منڈیر پر سے کودتے ہوئے کہا ”ہتھیار پھینک دو!“

www.allurdu.com

ہاتھ اُٹھالو، ہلو مت!" اور اس کے ساتھ ہی اس نے چرن سنگھ پر پستول کا فائر کر دیا۔ چرن سنگھ کے سر میں گولی لگی اور گرتے وقت اس کے منہ سے آواز تک نہ نکل سکی۔ رام چند اور کندن لال کے ہاتھوں سے رائفلیں گر پڑیں۔ سلیم اور فجو پہلوان نے دوڑ کر تینوں رائفلیں اٹھالیں۔ مجید نے اُلٹے پاؤں پیچھے ہٹتے ہوئے کہا "تم دونوں ادھر آؤ، جلدی کرو!"

رام چند اور اس کا بیٹا مجید کے پستول کے اشارے پر منڈیر عبور کر کے گنوں کے کھیت میں پہنچ گئے۔ سلیم نے رام چند کا پستول اور بارود کا تھیلا اتار لیا اور فجو نے کندن لال کے گلے سے تھیلا اتار لیا۔

رام چند نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا "صوبیدار جی! بھگوان کی قسم ہم نے انھیں منع کیا تھا لیکن ہماری کون سنتا ہے۔"

مجید نے کہا "ذرا آگے چلو اور بکواس مت کرو!"

"ہم پر دیا کرو، مہاراج! ہم نے کچھ نہیں کیا۔"

مجید نے کہا "ہم تمہیں ایک شرط پر چھوڑنے کے لیے تیار ہیں!"

رام چند نے گھگھیا کر کہا "مہاراج! مجھے جو کہیں میں کرنے کے لیے تیار ہوں۔"

مجید نے کہا "ہمیں آدھ گھنٹے کے اندر تین اور رائفلوں کی ضرورت ہے۔ ہمیں ہر رائفل کے ساتھ پانچ سو گولیاں بھی چاہئیں۔ تمہارا لڑکا ہمارے پاس رہے گا۔ اگر یہ سامان ہمیں آدھ گھنٹے تک نہ پہنچا تو کندن لال کو گولی مار دی جائے گی!"

"مہاراج! میرے پاس دو رائفلیں اور ہیں لیکن وہ گھر میں ہیں۔ کارتوس میں آپ کو زیادہ بھی دے سکتا ہوں لیکن اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ آپ میرے بیٹے کو گولی نہیں ماریں گے؟"

تمہاری مرضی ہے تو ہم پر یقین کرو، ورنہ ہم تمہارے سامنے اسے گولی مارتے ہیں۔" یہ کہتے ہوئے مجید نے کندن لال کی طرف پستول سیدھا کر دیا۔

رام چند نے کہا "مہاراج! مجھے تم پر یقین ہے۔ چودھری رحمت علی کا پوتا جھوٹا وعدہ نہیں کر سکتا لیکن میں آدھ گھنٹے میں اتنا سامان لے کر کیسے پہنچ سکتا ہوں؟ مجھے زیادہ وقت دیجیے۔ میں گھوڑے پر واپس آجاؤں گا لیکن آدھ گھنٹہ صرف مجھے وہاں پہنچنے کے لیے چاہیے!"

مجید نے کہا "بہت اچھا! میں تمہیں پنتالیس منٹ دیتا ہوں۔ تم گھوڑے پر سامان لاد کر لاؤ اور اس کھیت کی دوسری طرف شیشم کے درخت کے نیچے پہنچ کر گھوڑا ہمارے آدمی کے حوالے کر دو۔ اگر تم نے کوئی شرارت کی تو یقین رکھو کہ تمہارا بیٹا تمہیں نہیں ملے گا!"

"مہاراج! جب سامان سے لدا ہوا گھوڑا آپ کو مل جائے گا، تو آپ کندن لال کو چھوڑ دیں گے؟"

مجید نے جھلا کر کہا "بدمعاش میرا وقت ضائع نہ کرو۔ کندن لال کو ہم اس وقت چھوڑیں گے جب ہمیں یقین ہو جائے گا کہ تم نے کوئی شرارت نہیں کی۔ ابھی بھاگو، اگر کوئی اور بات کی تو تم دونوں کو گولی مار دوں گا!"

رام چند کماد سے نکل کر بھاگا لیکن منڈیر عبور کر کے اس نے پھر ایک بار مڑ کر دیکھتے ہوئے کہا "مہاراج! اپنی گھڑی پر وقت دیکھ لیں!"

"بے ایمان جلدی کرو!"

سیٹھ رام چند زندگی میں پہلی بار اپنی پوری طاقت سے بھاگ رہا تھا اور ہر قدم پر اس کے منہ سے یہ آوازیں نکل رہی تھیں ——— "ہائے بھگوان! یہ کیا ہوا۔ مجھے اکھنڈ ہندوستان کی ضرورت نہیں ——— مجھے رام راج نہیں چاہیے ———

مجھے صرف اپنا بیٹا چاہیے ——— پنتالیس منٹ ——— دو ہزار سات سو سیکنڈ ——— ایک' دو، تین، چار ..... وہ گنتا جا رہا تھا۔

سلیم، فجو پہلوان کی پگڑی کے ساتھ کندن لال کے ہاتھ باندھ چکا تھا۔ مجید نے فجو کو ایک طرف لے جا کر کہا۔" چچا فجو! تم اسے بیری کے پیچھے لے جاؤ۔ اگر یہ ہلے یا بولے تو تم بڑی آسانی کے ساتھ اس کی گردن مڑوڑ سکو گے۔ وہاں جا کر اسے درخت کے ساتھ اچھی طرح باندھ دینا۔ اس کی قمیص کا ٹکڑا پھاڑ کر اس کے منہ میں ٹھونس کر اوپر سے باندھ دینا تاکہ یہ شور نہ مچا سکے۔"

"آپ فکر نہ کریں، میں اسے اس طرح باندھوں گا کہ نانی یاد آجائے گی!"

"شاباش! پھر کوئی پونے گھنٹے کے بعد تم اس شیشم کے درخت کے پاس چھپ کر اس کے باپ کا انتظار کرو، اس بات کی تسلی کر لینا کہ اس کے ساتھ کوئی نہ ہو۔ پھر گھوڑے سے سامان اتار کر شیشم کے درخت کے دائیں طرف پانچ قدم دور کماد میں چھپا کر رکھ دو۔ یاد رکھو شیشم کے درخت کے دائیں طرف پانچ قدم دور ——— اس کے بعد رام چند کو اس کے بیٹے کے پاس لے جانا۔ ہاں اس کی تلاشی ضرور لے لینا۔ پھر اسے بھی باندھ کر تم وہیں بیٹھے رہو۔ بس اب تم اسے لے جاؤ۔ سلیم سے خنجر لے لو، شاید تمہیں ضرورت پڑے اور گھوڑوں کی زینیں اور لگامیں اتار کر انھیں کھلا چھوڑ دو!"

سلیم نے کہا۔" مجید وقت جا رہا ہے!"

مجید بولا۔" یہ لڑائی نہیں، ایک طویل جنگ ہے۔ سلیم، خدا معلوم فیصلہ کب ہو گا اور کہاں ہوگا؟ ابھی ابتدا ہوئی ہے۔ ہمیں جوش سے زیادہ ہوش کی ضرورت ہے۔"

سلیم نے کہا۔" ہمارا رائفلیں لے کر اندر پہنچنا ضروری ہے!"

"میں دیکھتا ہوں، اگر اس طرف چھت پر کوئی نظر آگیا تو کم از کم رائفلیں تو پہنچا سکیں گے۔" مجید یہ کہہ کر کماد کے کھیت کی منڈیر کے پاس جامن کے ایک درخت پر چڑھ گیا۔ اچانک وہ یہ کہتا ہوا تیزی کے ساتھ نیچے اترنے لگا۔" سلیم! وہ باہر کی حویلی میں داخل ہو چکے ہیں۔ اس طرف ہمارا کوئی آدمی نہیں!"

بندوقوں اور رائفلوں کی تڑتڑ اور سکھوں اور مسلمانوں کے نعروں کے ساتھ عورتوں اور بچوں کی چیخیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔

سلیم ایک رائفل اور کارتوسوں کا تھیلا اٹھا کر بھاگنے کو تھا کہ مجید نے "ٹھہرو! ٹھہرو!" کہتے ہوئے اوپر سے چھلانگ لگا دی اور اس کا بازو پکڑ کر کہا۔" اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ تم ایک ہزار آدمیوں میں گھس کر انھیں ہانک دو گے تو تم پاگل ہو۔ ہمارے لیے ایک ہی راستہ ہے، میرے ساتھ آؤ!"

مجید اور سلیم رائفلیں اور تھیلے اٹھا کر کھیت کے کنارے اور درختوں کی آڑ میں بھاگتے ہوئے دوسرے کونے میں آم کے درخت کے قریب پہنچے۔ مجید نے دو رائفلیں ایک گھنی جھاڑی کے نیچے چھپاتے ہوئے کہا۔" سلیم! تم آم پر چڑھ جاؤ، میں مسجد کی چھت پر پہنچنے کی کوشش کرتا ہوں، مسجد کی پچھلی طرف سیڑھی لگی ہوئی ہے، اگر کوئی مجھے دیکھ کر سیڑھی کی طرف بڑھا تو فائر کر دینا، ورنہ اس وقت تک فائر نہ کرو۔ جب تک کہ میں ہاتھ سے اشارہ نہ کروں۔"

جب تک مسجد کی چھت سے فائر شروع نہیں ہوئے تھے، حویلی میں پناہ لینے والے مٹھی بھر مسلمانوں کی لاٹھیاں اور برچھیاں کئی بار بیرونی دیوار پھاندنے

اور پھاٹک توڑنے والے حملہ آوروں کے دانت کھٹے کر چکی تھیں۔ ایک ٹولی نے گلی کی طرف سیڑھی لگا کر اوپر چڑھنے کی کوشش کی تھی لیکن افضل نے بالاخانے سے فائر کر کے انھیں بھگا دیا۔ سکھوں نے پہلی بار پھاٹک توڑنے کی کوشش کی تو اندر سے اینٹوں کی بارش میں انھیں پیچھے ہٹنا پڑا۔ اس کے بعد دیوار پھاندنے کی کوشش کرنے والوں کو لاٹھیوں اور برچھیوں سے روکا گیا تو حملہ آوروں نے پیچھے ہٹ کر رائفلوں کے ساتھ پھاٹک پر گولیوں کی بارش شروع کر دی۔ کئی آدمی جو اندر سے پھاٹک کو بند رکھنے کے لیے زور لگا رہے تھے، زخمی ہو کر ایک طرف ہٹ گئے۔ حملہ آوروں کی ایک ٹولی نے آگے بڑھ کر دروازے کو دھکا دیا اور لوہے کی مضبوط کنڈی ٹوٹ جانے سے پھاٹک کھل گیا۔ اب دست بدست لڑائی شروع ہوئی۔

افضل اپنے پستول کی آخری گولی چلانے کے بعد تلوار اُٹھا کر باہر کی حویلی میں پہنچ چکا تھا۔ آس پاس کی چھتوں پر پہرہ دینے والے باقی نوجوانوں نے بھی نیچے کود کر حملہ کر دیا۔ چھُروں، چاقوؤں، برچھیوں اور لاٹھیوں کی لڑائی میں سکھ زیادہ دیر نہ ٹھہر سکے اور کوئی دس منٹ کی لڑائی میں تیس لاشیں چھوڑ کر اُلٹے پاؤں باہر نکل گئے۔ اس نقصان کے بعد کسی کو پھاٹک یا دیوار کے قریب جانا پسند نہ تھا۔ مسلمانوں نے پھاٹک دوبارہ بند کر لیا اور ایک چھکڑا دھکیل کر ساتھ کھڑا کر دیا۔ افضل نے سکھوں کی دو لاشیں گھسیٹ کر پہیّوں کے آگے رکھ دیں اور اس کے اشارے پر دوسروں نے باقی زخمی اور مُردہ سکھوں کو اٹھا کر چھکڑے کے نیچے اور اوپر ڈال دیا۔ مسلمان اب دیوار کے ساتھ کھڑے دوسرے حملے کا انتظار کر رہے تھے لیکن سکھ اب پیچھے ہٹ کر صرف نشانہ بازی کر رہے تھے۔

چند نوجوانوں نے زخمیوں کو اٹھا کر گھر کے دالان میں عورتوں اور بچّوں کے ـس پہنچا دیا۔

بندوقوں اور رائفلوں کی ٹھکا ٹھک اچانک بند ہو گئی اور سکھوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ افضل نے کہا "اسماعیل تم بالاخانے پر جاؤ۔ اگر ادھر سے کوئی حملہ ہو تو اطلاع دو!"

اسماعیل بھاگا۔ گھر کے مکان کا صحن عبور کرنے کے بعد وہ مکان کی نچلی چھت سے ہوتا ہوا بالاخانے کی سیڑھی پر چڑھا۔ ابھی وہ سیڑھی کے درمیان میں تھا کہ یک دقت رائفلوں اور بندوقوں کے تین چار فائر ہوئے، ایک گولی اس کی کمر، دوسری بازو اور تیسری ٹانگ میں لگی لیکن وہ گرتا، سنبھلتا اور لڑھکتا ہوا اوپر چڑھ گیا اور بالاخانے کی آخری سیڑھی پر منہ کے بل گر پڑا۔ چند سیکنڈ کے بعد وہ پیٹ کے بل رینگتا ہوا چھت پر پہنچ گیا۔ چھت کے ایک کونے میں پاکستان کا وہ جھنڈا ابھی تک لہرا رہا تھا جو ۱۴ اگست کو نصب کیا گیا تھا۔

بالاخانے کی منڈیر پر گولیوں کی بارش ہو رہی تھی۔ چند گولیاں جھنڈے کے بانس میں لگیں اور وہ درمیان سے ٹوٹ کر اسماعیل کے اوپر گر پڑا۔ اسماعیل ٹوٹا ہوا جھنڈا پکڑ کر پیٹ کے بل رینگتا ہوا آگے بڑھا۔ منڈیر کے قریب پہنچ کر وہ گھٹنوں کے بل اٹھا اور پھر ایک ہاتھ سے منڈیر کا سہارا لے کر کھڑا ہو گیا اور دوسرے ہاتھ سے جھنڈے کو اپنے سینے کے ساتھ لگاتے ہوئے پکارا "پاکستان زندہ باد! پاکستان زندہ باد! پاکستان ...." ایک گولی اس کے سینے میں لگی اور وہ جھنڈے سمیت منہ کے بل گر پڑا۔ سبز جھنڈے پر سفید چاند اور ستارے کا نشان اس کے خون سے سرخ ہو رہا تھا۔

---

www.allurdu.com

رائفلوں اور بندوقوں سے مسلح ٹولی کے مسجد کی چھت پر پہنچ جانے سے مویشیوں کی حویلی کا صحن اور گھر کے مکانات کی چھتیں گولیوں کی زد میں آچکی تھیں۔ اسماعیل کے گرتے ہی بلونت سنگھ اور اس کے ساتھیوں نے حویلی کے صحن میں جمع ہونے والوں پر گولیاں برسانی شروع کر دیں۔ دو منٹ کے اندر اندر پندرہ آدمی زخمی ہوکر گر پڑے۔ چند آدمی بدحواس ہو کر مویشیوں کے کمرے میں گھس گئے اور باقی افضل کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے دیوار کے ساتھ لگ کر بیٹھ گئے۔ بلونت سنگھ نے نیچے جمع ہونے والوں کو ہاتھ سے اشارہ کیا اور انھوں نے دوبارہ حملہ کر دیا۔ یہ حملہ دوسرے حملوں کی نسبت کہیں زیادہ منظم اور شدید تھا۔ بیس پچیس آدمیوں نے ایک ساتھ آگے بڑھ کر پھاٹک کو دھکا دیا۔ پیشتر اس کے کہ لوگ مزاحمت کے لیے آگے بڑھتے، چھکڑا لاشوں کے ڈھیر سمیت اپنی جگہ سے ہٹ گیا۔ کواڑ کھل گئے اور حملہ آوروں کا ایک گروہ نعرے لگاتا ہوا داخل ہو گیا۔ دوسرا گروہ جسے گاؤں کے سکھوں نے سیڑھیاں مہیّا کی تھیں، گلی کی طرف سے مکانوں کی چھتوں پر چڑھ گیا۔ اس گروہ کے ساتھ تین آدمی بارہ بور کی بندوقیں لیے ہوئے تھے۔

مسلمان اب زندگی کی نسبت موت کو زیادہ قریب سمجھ کر لڑ رہے تھے۔ ایک طرف صحن میں کرپانوں اور برچھیوں کے ساتھ حملہ کرنے والوں سے ان کی دست بدست لڑائی تھی اور دوسری طرف مسجد اور مکانوں کی چھتوں سے بندوقوں والے ان پر تاک کر نشانے لگا رہے تھے۔ بارہ بور کے چھرّوں سے مسلمانوں کے ساتھ چند سکھ بھی زخمی ہو گئے۔ اس لیے انھوں نے فائر بند کر دیے لیکن

مسجد سے رائفلوں کے فائر بدستور ہوتے رہے۔

بلونت سنگھ مسجد کی چھت پر کھڑا نعرے لگا رہا تھا۔ "شاباش بہادرو! اب قلعہ فتح ہو چکا ہے، کسی کو مت چھوڑو! عورتوں کو نکال لو اور مکانوں کو آگ لگا دو۔ شاباش!" اچانک اس کی پیٹھ پر گولی لگی اور وہ ایک چیخ مار کر سر کے بل چھت سے پندرہ فٹ نیچے آ گرا۔ اس کے ساتھی جو بیٹھ کر فائر کر رہے تھے۔ اچانک کھڑے ہو گئے اور جھک کر نیچے دیکھنے لگے۔ وہ ایک دوسرے سے اپنے لیڈر کے گرنے کی وجہ پوچھ رہے تھے کہ پیچھے سے رائفل چلنے کی آواز آئی اور یکے بعد دیگرے دو اور آدمی زخمی ہو کر گر پڑے۔ باقی تین اچانک منہ کے بل لیٹ گئے۔

موہن سنگھ اپنے ساتھیوں سے پوچھ رہا تھا۔ "یہ گولیاں کہاں سے آئیں؟"

مجید منڈیر کے قریب سر نکال کر جھانکنے کے بعد اچانک چھت پر چڑھ گیا۔ اس کے دونوں ہاتھوں میں ریوالور تھے۔ اس نے کسی توقف کے بغیر دس گولیاں چلا دیں اور چھت پر لیٹنے والوں میں سے کسی کو اٹھنے کا موقع نہ دیا — اس کے بعد اس نے ایک رائفل اٹھا لی اور حویلی کی طرف حملہ کرنے والوں پر فائر شروع کر دیے۔ اس کی پہلی گولیاں اُن دو سکھوں کے سینوں پر لگیں جو مویشیوں کے کمرے کی چھت پر بندوقیں لیے کھڑے تھے۔ ایک رائفل کا میگزین خالی ہوا۔ تو اس نے دوسری اٹھا لی۔ اتنی دیر میں زخمیوں میں سے ایک سکھ اُٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مجید نے اچانک اس پر فائر کر دیا۔ ایک اور سکھ ہل رہا تھا، مجید نے اس کے سر میں بندوق کا کندا مارا اور وہ ٹھنڈا ہو گیا۔

اس کے بعد وہ ایک مشین کی سی پھرتی کے ساتھ حملہ آوروں پر فائر کر رہا تھا۔ اتنی دیر میں سلیم درخت سے اتر کر اس کے پاس پہنچ چکا تھا۔ اس نے چھت پر چڑھتے ہی بانس کی سیڑھی اوپر کھینچ لی اور مجید کے قریب بیٹھ کر

فائر شروع کر دیے۔ بارُود کی کمی نہ تھی۔ دو تھیلوں کے علاوہ جو انھوں نے کندن لال اور رام چند سے چھینے تھے، چھ سکھوں کے بھرے ہوئے تھیلے بھی ان کے قبضے میں آ چکے تھے۔ سکھوں میں افراتفری مچ گئی۔

مجید نے سلیم سے کہا۔ "سلیم! تم صرف دروازے سے باہر نکلنے والوں پر فائر کرو، حویلی میں تمہاری گولی کسی اپنے آدمی کو نہ لگ جائے۔" کوئی پندرہ منٹ میں حویلی کے پھاٹک سے اندر اور باہر ڈیڑھ سو سکھ ڈھیر ہو چکے تھے اور باقی بے تحاشا اِدھر اُدھر بھاگ رہے تھے۔

سکھوں کی ایک ٹولی جو گلی سے سیڑھیاں لگا کر رہائشی مکانوں کی چھتوں پر پہنچ چکی تھی، اب صحن میں داخل ہو کر اس دالان کے دروازے توڑنے کی کوشش کر رہی تھی۔ جہاں عورتوں اور بچّوں کے علاوہ زخمی پڑے ہوئے تھے۔

مولیشیوں کی حویلی سے بھی بعض سکھوں نے گولیوں کی بوچھاڑ میں پھاٹک کے راستے باہر آنے کی بجائے اندر کا رُخ کیا اور رہائشی حویلی کے صحن میں پہنچ گئے۔ وہ دو حویلیوں کے درمیان ڈیوڑھی کا دروازہ بند کرنا چاہتے تھے لیکن افضل کو بروقت اس نئے خطرے کا احساس ہوا اور اس نے بھاگ کر پوری قوت کے ساتھ ایک کواڑ اندر کی طرف دھکیل دیا۔ ایک سکھ جو اندر سے کنڈی لگانے کی کوشش کر رہا تھا۔ چند قدم دور پیٹھ کے بل جا گرا۔ افضل ڈیوڑھی میں داخل ہو کر سنبھلنے نہیں پایا تھا کہ سکھ اس پر ٹوٹ پڑے۔ ایک برچھی اس کی ران اور دوسری اس کے پیٹ میں لگی۔ دوسری برچھی کی نوک ریڑھ کی ہڈی کے قریب باہر نکل آئی۔ افضل نے بائیں ہاتھ سے برچھی کا دستہ پکڑتے ہوئے دائیں ہاتھ سے حملہ آور کے سینے میں اپنی برچھی مار دی۔ وہ پیٹھ کے بل گر پڑا اور افضل لڑکھڑاتا ہوا ایک طرف ہٹ کر دیوار کے ساتھ لگ گیا۔

سکھ "گھیر لو، پکڑ لو، مار ڈالو" کہتے ہوئے اس کے گرد جمع ہو گئے اور وہ انھیں ایک ہاتھ سے دُور رکھنے اور دوسرے ہاتھ سے پیٹ میں پھنسی ہوئی برچھی کو سہارا دینے کی کوشش کر رہا تھا۔ اتنی دیر میں باقی مسلمان وہاں پہنچ گئے۔ غلام حیدر نے یکے بعد اپنی تلوار سے دو سکھّوں کو مار گرایا۔ بشیر نے ایک کو اپنی کلہاڑی سے چت کر دیا۔ باقی سکھ ڈیوڑھی سے بھاگ کر صحن میں جمع ہونے والے جتھے سے جا ملے۔

سکھوں کی تعداد یہاں بھی بچے کھُچے مسلمانوں سے تین گنا زیادہ تھی۔ یہ صحن سلیم اور مجید کی گولیوں کی زد سے محفوظ تھا۔ لڑنے والے مسلمانوں میں سے اب بہت کم ایسے تھے جو زخمی نہ تھے۔ تاہم عورتوں اور بچّوں کی حفاظت کے لیے وہ جان توڑ کر لڑ رہے تھے، افضل نے آخری بار ہمّت کی اور ایک گرے ہوئے سکھ کی تلوار اُٹھا کر ڈیوڑھی سے نکلا اور صحن میں ایک دیوار کے ساتھ پیٹھ لگا کر کھڑا ہو گیا۔ دو سکھ پیچھے ہٹتے ہوئے اس کے قریب آ گئے اور اس نے یکے بعد دیگرے دونوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ اس کے بعد اس کی ہمّت جواب دے گئی اور وہ زمین پر بیٹھ گیا۔ شیر سنگھ کے بھائی نے آگے بڑھ کر اس کے سر میں کرپان مار دی اور چلّایا۔ "میں نے افضل کو ختم کر دیا ہے۔ میں نے افضل کو۔۔۔" بشیر نے آگے بڑھ کر اس کے سر پر کلہاڑی ماری اور وہ افضل کے پاس گر کر تڑپنے لگا۔

افضل کے گرنے سے سکھوں کے حوصلے بڑھ گئے اور وہ جم کر لڑنے لگے۔

اچانک مجید دونوں ہاتھوں میں پستول لیے ڈیوڑھی کے راستے بھاگتا ہوا صحن میں داخل ہوا۔ اس نے یکے بعد دیگرے دونوں پستولوں سے چند فائر کیے۔ ہری سنگھ دالان کے دروازے پر پٹرول چھڑک رہا تھا، ایک گولی اس کی پیٹھ پر لگی اور وہ گر پڑا۔ باقی سکھ "صوبیدار آ گیا" کہتے ہوئے اِدھر اُدھر بھاگنے لگے۔ مجید صحن سے گزر کر سیڑھی کے درمیان کھڑا ہو گیا اور سکھّوں پر تاک تاک کر نشانے لگانے لگا ———

www.allurdu.com

سکھ انتہائی بدحواسی کی حالت میں ایک دوسرے کو دھکیلتے، گراتے اور پاؤں تلے روندتے ہوئے ڈیوڑھی کے راستے مویشیوں کی حویلی میں آ گئے۔ یہاں سے باہر کا پھاٹک عبور کرتے وقت ان میں سے بعض سلیم کی گولیوں کا نشانہ بن گئے اور باقی سکھوں کے محلے کی طرف بھاگ گئے۔ چار سو کے قریب سکھ جنہوں نے مسجد کی چھت پر مجید اور سلیم کا قبضہ ہوتے ہی میدان چھوڑ دیا تھا، سکھوں کے مکانوں کی چھتوں پر چڑھ کر اپنے باقی ساتھیوں کا انتظار کر رہے تھے۔ گاؤں کی سکھ عورتیں بھی اپنے اپنے کوٹھوں پر کھڑی سینوں پر دوہتڑیں مار مار کر مسلمانوں کو گالیاں دے رہی تھیں۔

———— ✳ ————

اس عرصہ میں گاؤں کے دوسرے حصّوں میں بھی چند المناک واقعات پیش آ چکے تھے۔ بعض مسلمانوں نے حملے کے وقت اپنے سکھ پڑوسیوں کے ہاں پناہ لی تھی۔ حملہ آور پسپا ہو کر سکھوں کے محلے میں جمع ہوئے تو گاؤں کے بعض سکھ انھیں یہ کہہ کر اپنے گھروں میں لے گئے کہ انھوں نے شکار گھیر رکھا ہے۔ گھرے ہوئے شکار پر طاقت آزمائی ان کے لیے کوئی مشکل کام نہ تھا۔ پیرانڈتہ چوکیدار نے اپنے پڑوسی عطر سنگھ کے ہاں پناہ لی تھی۔ پیرانڈتہ کے تین لڑکوں کو قتل کر دیا گیا اور اسے جب تک زندہ رکھا گیا۔ جب تک اس کی لڑکی کی چیخیں اور سسکیاں اکھڑی اکھڑی سانسوں میں تبدیل نہ ہو گئیں۔ وہ بیری کے درخت کے ساتھ بندھا ہوا چلاّ رہا تھا۔ "مجھے مار ڈالو، خدا کے لیے مجھے مار ڈالو، میں یہ نہیں دیکھ سکتا، میری آنکھیں نکال دو، اسے چھوڑ دو، دیکھو! اب وہ مر چکی ہے۔"

مہردین جلاہا شہر کے کارخانے میں ایک مزدور تھا۔ حملے سے ایک دن قبل اسے اپنے ماموں کے فوت ہو جانے کی اطلاع ملی تھی اور وہ اس کی فاتحہ خوانی

کے لیے گیا ہوا تھا۔ اس کی غیر موجودگی میں بیلا سنگھ کی بیوی اس کے بال بچّوں کو اپنے گھر لے گئی تھی۔ سہ پہر کے وقت شکست خوردہ سکھ گاؤں کے مشرق کی طرف آموں کے باغوں میں جمع ہو رہے تھے۔ مہردین واپس آ گیا۔ اپنے گھر پہنچنے کے لیے اسے باغ میں سے گزرنا تھا لیکن سکھوں کا ہجوم دیکھ کر وہ سائیں اللہ رکھے کے تکیے کی طرف ہو لیا۔ اللہ رکھا کی لاش آم کے اس درخت کے ساتھ لٹک رہی تھی جس کی گٹھلی اس نے اپنے ہاتھوں سے لگائی تھی۔ اس کی کوٹھری کے دروازے کے سامنے دو اجنبی آدمیوں کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ مہردین اپنے راستے میں مسلمانوں کے ایک گاؤں کو جلتا ہوا دیکھ آیا تھا۔ اب باغ میں سکھوں کا ہجوم اور لاشیں دیکھنے کے بعد اس کے لیے یہ اندازہ کرنا مشکل نہ تھا کہ اس کے گاؤں پر بھی حملہ ہو چکا ہے۔ "میری بیوی ـــ میرے بچّے ـــ میری ماں۔" وہ چلاّنا چاہتا تھا لیکن اس کی آواز حلق سے باہر نہ آ سکی۔ وہ اپنے آپ کو تسلّی دے رہا تھا۔ "میں غریب ہوں، میں مزدور ہوں، میرا کوئی دشمن نہیں۔ میں نے کبھی کسی کو ناراض نہیں کیا۔ چچا بیلا سنگھ نے انھیں بتا دیا ہوگا کہ یہ مہردین کا گھر ہے، وہ اپنے ماموں کی فاتحہ خوانی کے لیے گیا ہوا ہے۔ اس کے بچّوں کو کچھ نہ کہو۔ جگت سنگھ کو اس نے پچھلے دنوں بیس روپے ادھار دیے تھے اور اب تک نہیں مانگے تھے۔ اس لیے اس نے بھی جتھے کو منع کیا ہوگا اور پھر چوہدری رحمت علی، اس کے بھائیوں، اس کے بیٹوں اور پوتوں کی موجودگی میں اس گاؤں پر حملہ نہیں ہو سکتا، وہ کئی مہینوں سے علاقے کے سکھوں کی حفاظت کر رہے تھے لیکن یہ سائیں اللہ رکھا اور یہ دو مسافر؟ ـــ انھیں سکھوں نے غلطی سے مار دیا ہوگا ـــ شراب کے نشے میں سکھوں سے غلطی بھی ہو جاتی ہے۔"

سکھوں کے کوٹھوں پر عورتیں چلاّ رہی تھیں۔ مہردین نے سوچا۔ وہ جتھے کو

بُرا بھلا کہہ رہی ہیں ـــــ وہ سکھوں کو کہہ رہی ہیں کہ گاؤں کی مسلمان عورتیں ہماری بہنیں ہیں۔ تم یہاں کیوں آئے ہو۔ پھر بھی اتنے بڑے جتھے کو گالیاں دینا ٹھیک نہیں۔ کبھی انسان کو غصّہ بھی آجاتا ہے اور خاص کر جب سکھ شراب پی کر جمع ہوتے ہیں، تو انھیں کسی نہ کسی پر غصّہ ضرور آجاتا ہے۔ سائیں اللہ رکھا اور ان دو مسافروں نے ضرور انھیں گالیاں دی ہوں گی، اب یہ کمبخت عورتیں انھیں چڑا رہی ہیں ـــــ یہ بہت بُری بات ہے گاؤں کے سکھوں کو انھیں سمجھانا چاہیے کہ بہنو! تم اطمینان سے گھروں میں بیٹھ جاؤ، جتھے والے ہمارے مسلمان پڑوسیوں کو کچھ نہیں کہیں گے ـــــ پھر عقل مند آدمیوں کو ان سکھوں کے پاس آ کر یہ کہنا چاہیے کہ سردارو! عورتیں بے وقوف ہوتی ہیں، ان کی باتوں کی پروا نہ کرو، ہم تم سے معافی مانگتے ہیں۔ اندر سنگھ، بیلا سنگھ، لچھمن سنگھ اور بابا رحمت علی بھی ان کے ساتھ چلا آئے تو کوئی ہرج نہیں۔ بابا رحمت علی نے کئی بار سکھوں اور مسلمانوں کو جمع کر کے تقریریں کی ہیں۔ اس کی بات میں بڑا اثر ہے۔ شراب پی کر غصّہ ضرور آجاتا ہے لیکن اگر کوئی سمجھانے والا ہو تو وہ سمجھ بھی جاتے ہیں۔ جب کارخانے میں ہڑتال ہوئی تھی تو سکھ مزدوروں نے مسلمانوں کا ساتھ دیا تھا۔ کارخانے کے مالکوں نے بہت کوشش کی تھی کہ سکھ اور مسلمان آپس میں لڑ پڑیں لیکن مزدوروں کا لیڈر جب اسٹیج پر آ کر یہ کہتا "مزدور ساتھیو! تم آپس میں بھائی بھائی ہو" تو معاملہ ٹھیک ہو جایا کرتا تھا ـــــ اس جتھے میں کئی مزدور ہوں گے لیکن کاش میں اس جتھے کے سامنے ایسی تقریر کر سکتا لیکن مجھے ضرور کچھ کرنا چاہیے۔ میں اپنی بیوی کو چھوڑ کر بھاگ نہیں سکتا ـــ سکھوں کو اگر خالصہ جی یا سردار جی کہہ کر سلام کیا جائے تو وہ بہت خوش ہو جاتے ہیں، میں انھیں سلام کروں گا۔ خالصہ جی سلام۔ سردار جی سلام۔" اب مہر دین کے لیے یہ فیصلہ کرنا مشکل تھا کہ وہ خالصہ جی کہلا کر زیادہ خوش ہوتے ہیں

یا سردار جی کہلانا زیادہ پسند کرتے ہیں۔ اچانک اسے خیال آیا کہ سکھ "واہگورو جی کا خالصہ، واہگورو جی کی فتح" اور "ست سری اکال" بھی کہا کرتے ہیں۔ وہ بیحد پریشان تھا۔ کاش اسے کوئی بتا سکتا کہ اس وقت سکھوں کو کون سا فقرہ زیادہ پسند آئے گا ـــــ وہ تکیے سے نکل کر باغ کا رُخ کر رہا تھا۔ اس کی ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔ اس کے دل کی دھڑکنیں کبھی تیز اور کبھی سُست ہو رہی تھیں، اسے معلوم نہ تھا کہ وہ کیا کہے گا ـــــ تاہم وہ بار بار یہ چاروں فقرے دُہرا رہا تھا ـــــ وہ چلتے چلتے رُک جاتا اور اس کے دل کی دھڑکنیں یہ کہنے لگتیں "مہر دین بھاگ جاؤ ـــ" لیکن مہر دین ایک سلام کے عوض اپنے بیوی، بچّوں اور ماں کی زندگی کا سودا کرنے جا رہا تھا۔ اس کی حالت اس شخص سے مختلف نہ تھی جو کسی اژدہا کے سامنے پھولوں کی بھینٹ لے کر جا رہا ہو ـــــ اس کا احساس و شعور ان مدارج تک جا چکا تھا۔ جہاں بُزدلی اور بہادری کے درمیان باریک سی حدِ فاصل غائب ہو جاتی ہے۔

ایک سوار کو باغ میں داخل ہوتے دیکھ کر وہ درخت کی آڑ میں کھڑا ہو گیا۔ سوار نے گھوڑا روکا اور بلند آواز میں کہا "جتھیدار سُورج ڈوبنے سے پہلے یہاں پہنچ جائے گا۔ وہ فوج کے ڈوگرہ سپاہیوں کو جیپوں پر لے کر آئے گا۔ اس نے کہا ہے کہ سڑک سے آگے اگر کوئی کھائی ہو تو اس میں مٹی ڈال کر موٹروں کے لیے راستہ بنا دو!"

ایک سکھ نے سوال کیا "کتنے سپاہی آئیں گے؟"

سوار نے جواب دیا "مجھے معلوم نہیں لیکن جتھیدار نے مجھے تسلّی دی ہے کہ وہ پانچ منٹ میں مسلمانوں کے گھروں کو جلا کر راکھ کر دے گا!"

ایک سکھ نے کہا "تم نے سیٹھ رام چند کا پتہ کیا؟"

www.allurdu.com

سوار نے جواب دیا "میں جاتے ہوئے اس کے گھر سے ہو کر گیا تھا، وہ گھر سے دو نئی رائفلیں اور بارود کا ایک بکس لے کر اس طرف آیا ہے۔ ابھی تک یہاں نہیں پہنچا!"

سکھ حیران ہو کر ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔

سوار نے کہا "عجیب بات ہے، وہ یہاں سے خالی ہاتھ گھر گیا ہے اور پھر بارود اور دو رائفلیں لے کر گھوڑے پر واپس آیا ہے۔"

ایک سکھ نے کہا "اس کا لڑکا بھی غائب ہے۔ وہ دونوں کہیں بھاگ گئے ہیں!"

مہر دین درخت کی آڑ میں کھڑا اپنے دل کو تسلّی دے رہا تھا "ابھی لڑائی نہیں ہوئی۔ ابھی لڑائی کو روکا جا سکتا ہے۔ جب وہ آکر گاؤں کو آگ لگا دیں گے تو اسے بجھانا مشکل ہو جائے گا۔ ابھی سکھّوں کو جوش نہیں آیا۔ ابھی شاید انھوں نے شراب نہیں پی۔ ابھی تک سیٹھ رام چند رائفلیں اور بارود دے کر نہیں آیا۔ ابھی منت و سماجت سے کام لیا جا سکتا ہے۔" وہ اچانک درخت کی آڑ سے نکل کر آگے بڑھا اور سہمی اور کانپتی ہوئی آواز میں بولا "واہگورو جی .... سردار جی کا خالصہ .... نہیں جی ..... اکال جی کی فتح ـــ جی نہیں، سردار جی سلام!"

اس کے جواب میں سکھ "پکڑ لو، مار ڈالو" کہتے ہوئے اُٹھے اور مہر دین کانپتا ہوا اُلٹے پاؤں پیچھے ہٹنے لگا ـــ وہ چلّا رہا تھا "میں بے قصور ہوں، میں نے کسی کو گالی نہیں دی۔ میں مزدور ہوں۔ میں نے کسی کا کچھ نہیں بگاڑا۔ مجھ پر رحم کرو۔ میں تو سلام کرنے آیا تھا!"

جب اسے سکھوں کی کرپانوں اور برچھیوں کے متعلق کوئی غلط فہمی نہ رہی تو اس نے بھاگ کر جوہڑ میں چھلانگ لگا دی۔ سکھ کناروں پر کھڑے اُسے

گالیاں دے رہے تھے اور وہ کمر کے برابر پانی میں کھڑا التجائیں کر رہا تھا جتھے میں اس کے مزدور ساتھی بھی تھے۔ وہ کہہ رہا تھا "کرتار سنگھ، منشا سنگھ، ہربنس سنگھ میں مہر دین ہوں، میں تمہاری طرح ایک مزدور ہوں، میں تمہاری طرح غریب ہوں۔ جب کارخانے میں ہڑتال ہوئی تھی تو ہم ایک دوسرے کے ساتھی تھے۔ میرا ماموں فوت ہو گیا تھا، میں سیدھا وہاں سے آ رہا ہوں۔ تمہیں دیکھ کر میں نے سوچا کہ سلام کر آؤں۔ دیکھو یار گالیاں نہ دو۔ مائیں بہنیں سب کی ایک جیسی ہوتی ہیں!"

"ارے یہ مہر دین" بیلا سنگھ نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

مہر دین کو تاریکی میں روشنی کی ایک جھلک دکھائی دی۔ وہ چلّایا "ہاں سردار جی! انھیں سمجھاؤ۔ میں نے کسی کا کچھ نہیں بگاڑا۔ میں تمہارا پڑوسی ہوں!"

بیلا سنگھ نے کہا "باہر نکلو سؤر کے بچّے!" بیلا سنگھ نے مٹی کا ایک ڈھیلا اٹھا کر زور سے اس کی طرف پھینکا۔ مہر دین چند قدم پیچھے ہٹ کر ذرا اور گہرے پانی میں چلا گیا۔ چند سکھ جوتے اتار کر جوہڑ میں کود پڑے ـــ مہر دین جوہڑ کے درمیان سینے کے برابر پانی میں کھڑا ہو کر چلّا رہا تھا "بیلا سنگھ، جگت سنگھ! تم میرے پڑوسی ہو۔ میں چھُٹّی کے دن تمہارے ہل چلایا کرتا تھا ـــ مجھے بچاؤ۔ انھیں روکو۔ میری ماں بوڑھی ہے۔ میں سات بچّوں کے لیے کما کر لاتا ہوں، وہ بھوکے مر جائیں گے۔ مجھے اپنی جوان لڑکیوں کی شادیاں کرنی ہیں۔ ان کی ماں بیمار رہتی ہے!"

جگت سنگھ نے جواب دیا "تمہاری ماں تمہارے باپ کے پاس چلی گئی ہے۔ تمہاری بیوی کو ہم نے دوسرے جہان پہنچا دیا ہے۔ اب تمہیں کسی کے لیے کما کر نہیں لانا پڑے گا ـــ ہم نے تمہاری لڑکیوں کی شادیاں بھی کر

www.allurdu.com

چودھری رمضان کو اپنے پڑوسی لچھمن سنگھ سے زیادہ کسی پر اعتماد نہ تھا۔ حملہ ہونے سے تھوڑی دیر پہلے اسماعیل اس کے گھر آکر کہہ گیا تھا کہ تم فوراً ہماری حویلی میں پہنچ جاؤ لیکن اس نے لچھمن سنگھ سے مشورہ کیا تو اس نے کہا "کس

چھوڑ دو، میرا جلال باہر ہے۔ میں اسے لے آتا ہوں۔ دیکھو، گولیاں چل رہی ہیں۔ اگر وہ مارا گیا تو میری زندگی کس کام کی۔ بھائی اگر تمہیں میری جان کا خطرہ ہے تو خود جا کر جلال کو لے آؤ!"

لچھمن سنگھ نے اسے دالان کے دروازے کے قریب لے جا کر زور سے اندر کی طرف دھکا دیا۔ رمضان کے پاؤں کو دہلیز کی ٹھوکر لگی اور وہ منہ کے بل

www.allurdu.com

اندر جا گھسا۔ اندر کرپانوں سے مسلح پانچ سکھ شراب پی رہے تھے اور رمضان کی بیوی اور بیٹی ایک دیوار کے ساتھ کھڑی خوف سے کانپ رہی تھیں۔ رمضان کی بہو ایک سال کے بچّے کو سینے سے چمٹائے رو رہی تھی۔ تاہم رمضان ابھی تک خوش فہمی میں مبتلا تھا، اس نے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے کہا "لچھمن سنگھ تمہارا دل بڑا سخت ہے۔ اگر جلال کی طرح تمہارا بیٹا باہر ہوتا اور کوئی تمہیں باہر جانے سے روکتا تو شاید تم اس سے لڑ پڑتے۔ بھائی مجھے جانے دو، خدا کے لیے!"

گاؤں کے ایک سکھ نے کہا "چودھری ادھر آ! تیری یہاں ضرورت ہے۔"

رمضان نے کہا "تم سب یہاں کیا کر رہے ہو، گاؤں پر حملہ ہو چکا ہے بنو! رحمت علی کی حویلی کی طرف گولیاں چل رہی ہیں۔ جاؤ، انھیں روکو۔ آج تک باہر کے کسی بدمعاش کو اس گاؤں میں دم مارنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ آج تمہاری بہو بیٹیاں بدمعاشوں کی گالیاں سن رہی ہیں اور تم یہاں بیٹھ کر شراب پی رہے ہو۔ ایسے موقعوں پر مرد گھروں میں نہیں بیٹھا کرتے۔ یہ گاؤں کی عزت کا سوال ہے۔ لچھمن سنگھ انھیں نکالو!"

ایک سکھ نے آگے بڑھ کر رمضان کی داڑھی پکڑ لی اور دوسرے قہقہے لگانے لگے۔

لچھمن سنگھ نے کہا "بھئی جو کچھ کرنا ہے، جلدی کرو!"

ایک سکھ نے کہا "کیوں بھئی تیرا جھٹکا کریں یا تجھے ذبح کریں؟"

رمضان کی بیوی چلائی "اسے چھوڑ دو، اسے چھوڑ دو۔ خدا کے لیے لچھمن سنگھ تم نے اُسے بھائی بنایا تھا!"

دوسرے سکھ نے کہا "مارو اس بڑھیا کو!"

رمضان نے کہا "دیکھو بھئی بوڑھے آدمی سے ایسا مذاق اچھا نہیں ہوتا!"

ایک سکھ نے کرپان بلند کرتے ہوئے "تجھ سے مذاق کرنے والے کی ایسی تیسی!" لیکن لچھمن سنگھ نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا "بھئی یہاں نہیں۔ اسے باہر لے جاؤ!"

رمضان کی بیوی چیختی چلّاتی آگے بڑھی لیکن لچھمن سنگھ نے اسے زور سے دھکّا دیا اور وہ چند قدم دُور جا گری۔ تین سکھ رمضان کو پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے حویلی کے صحن میں لے گئے اور دو وہیں رہے۔ رمضان کی بیوی نے آگے بڑھ کر لچھمن سنگھ کی بیوی کا بازو پکڑ لیا "چچی! تم نے مجھے بیٹی بنایا تھا۔ میرے ابّا کو بچاؤ"۔ رمضان کی بہو نے کہا "ماسی ہم سے کوئی غلطی ہوگئی ہے تو معاف کر دو۔ تم کہا کرتی تھیں کہ علم دین تمہارا پوتا ہے۔ جب یہ پیدا ہوا تھا تو تم نے گڑ بانٹا تھا۔ ہمیں بچاؤ ماسی!"

لچھمن سنگھ کی بیوی پھر بھی ایک عورت تھی، اس نے آنکھوں میں آنسو بھرتے ہوئے کہا "میری کون سنتا ہے۔ اب تم دونوں امرت چکھ لو۔ بھابی تم بھی امرت چکھ لو!"

لڑکیاں سہم کر پھر دیوار سے لگ گئیں۔

ایک سکھ نے کہا "تم فکر نہ کرو، ہم انھیں امرت چکھا لیں گے!"

باہر حویلی کے صحن میں رمضان فریاد کر رہا تھا "لچھمن سنگھ میں نے کیا کیا ہے۔ تمہاری آنکھیں کیوں بدل گئیں۔ میں وہی رمضان ہوں۔ تم میری ہر بات پر ہنسا کرتے تھے۔ لچھمن سنگھ یاد ہے، جب میں بیمار ہوگیا تھا تو تم کہتے تھے اگر رمضان مر گیا تو گاؤں سونا ہو جائے گا۔ آج معلوم ہوتا ہے کہ تم سچ مچ مار ڈالو گے۔ خدا کے لیے بتاؤ میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے۔ اگر تمہیں اب میرا گاؤں میں رہنا پسند نہیں تو میں کہیں چلا جاتا ہوں۔ میرے بیل لے لو، میری بھینسیں لے لو۔

www.allurdu.com

ساون! صوبہ سنگھ! میں نے تمہارا ابھی کچھ نہیں بگاڑا ـــــ میں نے کسی کا کچھ نہیں بگاڑا۔ تمہیں میری ہر بات پر ہنسی آیا کرتی تھی۔ آج کیوں نہیں ہنستے تم، آج تمہیں کیا ہوگیا؟ میرے بچوں کو چھوڑ دو، ہم یہاں سے چلے جائیں گے۔ لچھمن سنگھ بھائی لچھمن سنگھ! نہیں! نہیں! نہیں! خدا کے لیے ......"

ایک سکھ نے کرپان ماری اور رمضان کا سر دھڑ سے علیحدہ ہوگیا۔ رمضان کی لڑکی چیخیں مارتی ہوئی باہر نکلی۔ ایک سکھ نے آگے بڑھ کر اس کا بازو پکڑ لیا۔ اس کی بیوی اور بہو بھی باہر نکلنے کے لیے جدّوجہد کر رہی تھیں لیکن دو سکھوں نے ان کا راستہ روک رکھا تھا۔ کسی نے باہر سے حویلی کے دروازے کو دھکا دیتے ہوئے آواز دی "باپو دروازہ کھولو!"

لچھمن سنگھ نے آگے بڑھ کر کنڈی کھولی اور اس کا لڑکا ہانپتا ہوا اندر داخل ہوا۔ اس نے کہا "باپو جلال مجھ سے بچ کر بھاگ آیا ہے۔ اس نے میری کرپان چھین لی ہے!"

سکھوں نے اس پر قہقہہ لگایا۔ لچھمن سنگھ نے برہم ہو کر کہا "جلال نے تمہاری کرپان چھین لی ہے۔ بے حیا کہیں ڈوب مرو!"

لڑکے نے کہا "باپو میں نے وار کیا تو اس نے نالے میں چھلانگ لگا دی۔ میں نے اس کا پیچھا کیا تو میرے کیس کھل گئے اور وہ کرپان چھین کر بھاگ گیا!"

ایک سکھ نے ہنستے ہوئے کہا "اب تک وہ پاکستان پہنچ چکا ہوگا!"

"نہیں، وہ اسی طرف آیا ہے۔ شاید اپنے گھر میں چھپا ہوا ہو ـــــ میں دیکھتا ہوں!"

لچھمن سنگھ نے کہا "بھگت سنگھ اس کے ساتھ جاؤ!"

"میں بھی اس کے ساتھ جاتا ہوں" ایک اور سکھ نے کہا۔

لچھمن سنگھ کے لڑکے کے ساتھ دو سکھ دیوار پھاند کر رمضان کے گھر میں داخل ہوئے اور تھوڑی دیر بعد واپس آگئے۔

لچھمن سنگھ نے کہا "مجھے یقین ہے کہ وہ یہاں نہیں آئے گا۔ اب تم لوگ میرے ساتھ فیصلہ کرو۔"

ایک سکھ نے کہا "ہمارا فیصلہ ہو چکا ہے۔ جلال کی بیوی کے لیے ہم تمہیں دو سو اور بہن کے لیے تین سو دیتے ہیں اور اس بڑھیا کے لیے ساون سنگھ سے پندرہ بیس روپے لے لو!"

لچھمن سنگھ نے کہا "بس اب جلدی سے پیسے نکالو، ورنہ جتھے والے آ گئے تو نیلامی میں ان کی قیمت بڑھ جائے گی اور میرے ہاتھ بھی کچھ نہیں آئے گا!"

لچھمن سنگھ کے لڑکے نے کہا "باپو! جلال کی بہن کو میں اپنے پاس رکھوں گا!"

جلال اپنے مکان اور لچھمن سنگھ کی حویلی کی درمیانی دیوار کے ساتھ شیشم کے گھنے درخت کی شاخوں میں چھپ کر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ میں وہ کرپان تھی جو اس نے لچھمن سنگھ کے لڑکے سے چھینی تھی۔ اپنے باپ کی لاش دیکھنے اور سکھوں کی باتیں سننے کے بعد کئی بار اس کے دل میں آئی کہ وہ درخت سے حویلی میں چھلانگ لگا کر اُن پر جھپٹ پڑے لیکن ہر بار اس کی ہمت جواب دے جاتی۔

لچھمن سنگھ کو اپنے پڑوسی کے گھر کی آبرو کی قیمت مل چکی تھی اور وہ اطمینان سے نوٹ گن رہا تھا۔

صحن سے ایک سکھ نے اپنے ساتھیوں کو آواز دی "بھئی تم اندر کیا کر رہے ہو، انھیں لے آؤ۔ جلدی کرو!"

رمضان کی بیوی باہر نکلتے ہی بھاگ کر اپنے شوہر کی لاش پر گر پڑی۔

www.allurdu.com

ایک سکھ نے جلال کی بیوی کے ہاتھوں سے اس کا بچہ چھین کر ہوا میں اُچھالا اور دوسرے نے اس کے زمین تک پہنچنے سے پہلے کرپان ماری اور اس کی ٹانگ کاٹ ڈالی۔ اس کی ماں چیختی چلّاتی آگے بڑھی تو ایک سکھ نے اس کو سر کے بالوں سے پکڑ لیا۔ لڑکے کو دوبارہ ہوا میں اُچھالا گیا اور اس مرتبہ اسے کرپانوں کی نوک پر روکنے کی مشق کی گئی۔

جلال چیخیں مارتا ہوا درخت سے کودا اور ایک زخمی درندے کی طرح سکھوں پر جھپٹ پڑا، اس کا پہلا وار اس سکھ پر تھا جس نے اس کی بیوی کو بالوں سے پکڑ رکھا تھا۔ دوسرے وار میں وہ ساون کو جو اس کی ماں کو بازو سے پکڑ کر گھسیٹ رہا تھا، موت کے گھاٹ اتار چکا تھا۔ اس کی بیوی نے گرے ہوئے سکھ کی کرپان اٹھالی اور لچھمن سنگھ پر حملہ کر دیا۔ لچھمن سنگھ گھبرا کر پیچھے ہٹا۔ ایک کھونٹے کے ساتھ اس کا پاؤں ٹکرایا اور وہ پیٹھ کے بل گر پڑا۔ جلال کی بیوی کی کرپان اس کی ٹانگ پر لگی۔ وہ دوسرا وار کرنا چاہتی تھی کہ ایک سکھ نے پیچھے سے اس کے سر پر کرپان ماری اور اس کی کھوپڑی دو ٹکڑے ہو گئی۔ اتنی دیر میں جلال ایک سکھ کو گرا چکا تھا اور باقی اس کے پے در پے حملوں سے بدحواس ہو کر اِدھر اُدھر بھاگ رہے تھے۔ لچھمن سنگھ کا لڑکا دبے پاؤں آگے بڑھا اور اس نے جلال کے عقب میں پہنچ کر پوری قوّت کے ساتھ حملہ کر دیا۔ اس کی کرپان جلال کے کندھے پر لگی اور چھ انچ نیچے اُتر گئی۔ وہ گرا اور سکھ اس پر پل پڑے۔ اس کے جسم کا ایک ایک عضو کئی حصّوں میں کاٹا جا رہا تھا۔ اس کی بہن جو ابھی تک دیوار کے ساتھ کھڑی کانپ رہی تھی۔ اچانک ایک گرے ہوئے سکھ کی کرپان اٹھا کر آگے بڑھی سکھ بے خبری کی حالت میں جلال کی لاش پر اپنا غصّہ نکال رہے تھے۔ لچھمن سنگھ چلایا "پیچھے دیکھو! ——— بچو!" اس کا لڑکا گھبرا کر پیچھے مُڑا لیکن پیشتر اس کے کہ

ں کے ہاتھ مدافعت کے لیے اُٹھتے، لڑکی کی کرپان اس کا ایک بازو کاٹ چکی تھی۔ ڑکی نے دوسرا وار کرنے کی کوشش کی لیکن ایک سکھ نے اسے بازو سے پکڑ کر نیچے گرا دیا۔ وہ اس کا لباس نوچ رہے تھے، اسے درندوں کی طرح دانتوں سے کاٹ رہے تھے اور اس کی ماں اُسے چھڑانے کی کوشش کر رہی تھی۔ لچھمن سنگھ اُٹھ کر لنگڑاتا ہوا آگے بڑھا اور اس نے کرپان مار کر جلال کی ماں کی گردن کاٹ دی۔

جلال کی بہن بے ہوش ہو چکی تھی۔ ایک سکھ اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا:

"چلو کرتار سنگھ، اب اسے لے چلیں۔ یہ ہمیں بہت مہنگی پڑی ہے۔"

حملہ آوروں کے پسپا ہونے کے بعد سلیم کے گھر میں ایک عارضی سکوت طاری ہو گیا۔ جو لڑائی کے ہنگامے سے کہیں زیادہ بھیانک اور کرب انگیز تھا۔ عورتیں اور بچّے دالان سے باہر آ کر پتھرائی ہوئی نگاہوں سے شہیدوں کی لاشیں دیکھ رہے تھے۔ ان کے سینوں میں محشر کے ہنگامے تھے لیکن زبانیں گنگ تھیں۔ کسی کو بولنے کی جرأت نہ تھی۔ کسی میں آواز نکالنے کی ہمت نہ تھی۔ ان کے چہروں پر ایک ایسی فریاد تھی جسے دیکھا جا سکتا ہے، سنا نہیں جا سکتا۔ کانپتے اور لرزتے ہوئے ہاتھ زخمیوں کو پٹیاں باندھ رہے تھے۔ مردوں میں کسی کو یہ سوال کرنے کا حوصلہ نہ تھا کہ اب کیا ہو گا۔ سب کے سب یہ محسوس کرتے تھے کہ سیلاب کی دوسری لہر پہلی لہر سے کہیں زیادہ تند و تیز ہو گی۔ سب کے سامنے موت زندگی سے زیادہ قریب تھی۔

مجید نے دشمن سے چھینا ہوا اسلحہ چند آدمیوں کو دے دیا۔ سلیم بشیر کو ساتھ لے کر کھیت کی طرف بھاگا اور وہاں چھپائی ہوئی رائفلیں اور بارود اٹھا لایا۔ فجّو

www.allurdu.com

پہلوان کی فرض شناسی کی بدولت اسے شیشم کے درخت کے قریب سیٹھ رام چند کی دو فالتو رائفلیں بھی مل گئیں۔

سلیم اور مجید کے علاوہ صرف تین آدمی ایسے تھے جو بندوقیں چلانا جانتے تھے اور وہ باقی آدمیوں کو آنے والی جنگ کے لیے تیار کر رہے تھے۔

سلیم ایک نوجوان کو سمجھا رہا تھا۔ "دیکھو بندوق کو یوں رکھو، بولٹ کو اس طرح کھینچو، گولیاں اس طرح ڈالو۔ گھوڑے کو یوں دباؤ، نشانہ اس طرح باندھو دیکھو تمہارا ہاتھ ہلتا ہے، بندوق کو کندھے کے ساتھ دبا کر رکھو!"

سلیم کی ماں نے آگے بڑھ کر اُسے اپنی طرف متوجہ کیا اور سہمی ہوئی آواز میں کہا۔ "سلیم! یوسف کا کچھ پتہ نہیں چلتا!"

ماں کے چہرے کا حزن و ملال سلیم کی قوتِ برداشت سے باہر تھا۔ وہ بولا! "یوسف گھر میں نہیں کیا؟"

ماں بولی۔ "یوسف حملے سے کچھ دیر پہلے باہر نکل گیا تھا لیکن واپس نہیں آیا۔"

"امی خدا سے دُعا کیجیے!" یہ کہتے ہوئے سلیم پھر اپنے ساتھی کی طرف متوجہ ہو گیا۔ "تم کیا دیکھ رہے ہو۔ مجھے میگزین میں گولیاں ڈال کر دکھاؤ!"

ماں چند منٹ کے لیے سلیم کی طرف دیکھتی رہی لیکن اس نے دوبارہ اُسکی طرف توجّہ نہ کی۔ وہ اب دوسرے آدمی کو ہدایات دے رہا تھا۔ پیاس سے اُس ہونٹوں پر پپڑیاں جمی ہوئی تھیں۔ ماں چُپکے سے آنسو پونچھتی ہوئی اندر کی حویلی کی طرف چلی گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ واپس آئی تو اس کے ایک ہاتھ میں پانی سے بھرا ہوا جگ اور دوسرے ہاتھ میں گلاس تھا ــــــ "لو بیٹا! تمہیں پیاس لگی ہوئی ہے۔" اس نے گلاس بھر کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ سلیم نے چپکے سے گلاس منہ سے لگا لیا۔ اس کے بعد سلیم کی ماں نے مجید کو پانی پلایا اور وہ

دونوں پھر اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔ ماں کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن اس میں بولنے کی ہمّت نہ تھی۔ سلیم کے چہرے سے صاف ظاہر تھا کہ وہ اپنے بھائی کے لیے کم پریشان نہیں۔ اچانک وہ ماں کی طرف متوجہ ہو کر بولا۔ "امی! آپ جائیے! اگر خدا کو اس کی زندگی منظور ہے تو کوئی اس کا بال بیکا نہیں کر سکے گا!"

ماں انتہائی مایوسی کی حالت میں آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی ہوئی ڈیوڑھی کے قریب پہنچی تھی کہ مجید نے بلند آواز میں کہا۔ "چچی جان یوسف آگیا!"

ماں نے مڑ کر دیکھا۔ یوسف حویلی کے ایک کونے سے دیوار پھاند کر اندر آچکا تھا۔ اس کے ساتھ کاکو عیسائی تھا۔ ماں رُک کر یوسف کا انتظار کرنے لگی لیکن وہ اس کی طرف آنے کی بجائے بھاگتا ہوا سلیم کے قریب پہنچا۔ اس کی سانس پھولی ہوئی تھی اور اس کا قمیص پسینے سے تر تھا۔ ماں چند قدم اور آگے بڑھی لیکن یوسف نے اس کی طرف متوجہ ہونے کی بجائے زمین پر پڑی ہوئی ایک بندوق اٹھا لی۔ سلیم نے سوال کیا۔ "تم کہاں تھے؟"

یوسف نے جواب دینے کی بجائے مڑ کر کاکو کی طرف دیکھا اور اس نے آگے بڑھ کر کہا۔ "جب آپ کی حویلی پر جتھے نے حملہ کیا تھا تو یوسف بابا علی محمد کے باغ میں بیٹھا کتاب پڑھ رہا تھا۔ میں وہاں گھاس کاٹ رہا تھا۔ اس نے بندوقوں کی آواز سنتے ہی گاؤں کی طرف بھاگنے کی کوشش کی لیکن میں نے روک لیا۔ ہم کھیتوں میں چھپتے ہوئے گاؤں کے قریب پہنچے تو لڑائی ہو رہی تھی اور حویلی تک پہنچنے کے تمام راستے بند تھے لیکن اس کے باوجود یوسف یہاں پہنچنا چاہتا تھا۔ میں نے اسے روکا اور کہا کہ چلو پولیس کو اطلاع دیں۔ ہم شہر کی طرف بھاگے لیکن وہاں فوج اور پولیس کے سکھ سپاہی مسلمانوں کو گولیاں مار رہے تھے یہ دیکھ کر ہم الٹے پاؤں واپس ہو گئے۔ راستے میں سکھوں کی ٹولیاں تھیں اس

www.allurdu.com

لیے ہمیں فصلوں میں سے چکر کاٹ کر آنا پڑا۔ ہم بیلا سنگھ کے باغ کے قریب گنّوں کے کھیت میں چھپ کر ان کی باتیں سُن آئے تھے۔ شام تک ان کی مدد کے لیے اور جتھے پہنچ جائیں گے اور وہ دوبارہ حملہ کریں گے ——"

سلیم نے مجید کی طرف دیکھا اور کہا "مجید! اگر ہم انھیں بھگا دیں تو ممکن ہے کہ ہمیں کچھ وقت اور مل جائے۔"

مجید نے ایک لمحہ سوچنے کے بعد کہا "تم پانچ آدمیوں کے ساتھ یہاں رہو۔ میں باقی آدمیوں کو لے کر جاتا ہوں۔ پھاٹک کو بند رکھنے کے لیے چند مضبوط کھونٹے اکھڑوا کر دروازوں کے آگے گاڑ دو۔"

پانچ بج چکے تھے اور گاؤں سے باہر باغ میں جمع ہونے والے سکھ بے تابی سے شہر سے آنے والی کمک کا انتظار کر رہے تھے۔ جب چھ بج گئے تو وہ ایک دوسرے سے پوچھنے لگے۔ "اب کیا کیا جائے؟"

ایک گروہ کا لیڈر کہہ رہا تھا کہ "ہمیں شہر کا رُخ کرنا چاہیے۔ اگر جتھیدار راستے میں مل گیا تو ہم اس کے ساتھ واپس آجائیں گے۔ ورنہ اسے شہر سے ساتھ لے کر آئیں گے ممکن ہے کہ باؤنڈری فورس کے مسلمان سپاہیوں کی ٹولی اس علاقے میں پہنچ گئی ہو اور جتھے دار آج رات اس گاؤں پر چڑھائی نہ کر سکے۔"

دوسرے گروہ کے لیڈر نے اٹھ کر کہا "ایسی صورت میں ہمارا شہر کی طرف رُخ کرنا اور بھی خطرناک ہے۔ میرے خیال میں ہمیں گاؤں کے گرد گھیرا ڈال لینا چاہیے تاکہ رات کے وقت یہ لوگ بھاگنے کی کوشش نہ کریں اور جتھیدار کے پاس ایک اور آدمی بھیج دینا چاہیے!"

ایک اور سکھ نے اُٹھ کر کہا "انھوں نے ہم سے کچھ بندوقیں چھین لی ہیں۔ ڈر ہے کہ اگر وہ یہ بندوقیں لے کر باہر نکل آئے تو ہم ان کا راستہ نہیں روک سکیں اس کے علاوہ اگر ہم یہیں بیٹھے رہے تو ممکن ہے اردگرد کے مسلمان جمع ہو کر کسی گاؤں پر حملہ کر دیں۔ بھئی ہم جاتے ہیں۔ جب جتھیدار فوج لے کر آجائے تو ہم بھی پہنچ جائیں گے!"

سلیم کے گاؤں کا ایک سکھ اٹھ کر بولا "سردار جی! مسلمانوں میں یہ جرأت کہاں کہ وہ آپ کے گاؤں پر حملہ کریں۔ اب اگر آپ یہاں سے چلے گئے تو ہمارے گاؤں کے مسلمانوں کے حوصلے بہت بڑھ جائیں گے۔ وہ راتوں رات اردگرد کے تمام مسلمانوں کو یہاں جمع کر لیں گے!"

دوسرے گاؤں کے لیڈر نے جواب دیا۔ "بھئی تمہیں اپنا خطرہ ہے، تم چاہتے ہو کہ ہم یہاں بیٹھ کر تمہارے گھروں کی حفاظت کریں اور اپنے گھر دوسروں کے لیے چھوڑ دیں۔ تم نے ہمیں دھوکا دیا۔ تم کہتے تھے کہ یہ لوگ مقابلہ نہیں کریں گے۔ تم کہتے تھے کہ اگر تمہیں صرف پچاس آدمی اور چار بندوقیں مل جائیں تو تم انھیں دس منٹ میں ختم کر دو گے۔ ہم نے تمہارے لیے سارے سکھوں کو جمع کیا لیکن جب لڑائی شروع ہوئی تو تم نے ہمیں آگے کر دیا اور خود پیچھے ہٹ گئے۔ تم نے باہر کے آدمی مروائے اور اپنے جسم پر خراش تک نہیں آنے دی۔"

اس پر سلیم کے گاؤں کے ایک نوجوان سکھ کو طیش آگیا اور اس نے اُٹھ کر کہا "اچھا سردار جی! یہ بات ہے؟ اب تم ہمیں بزدلی کا طعنہ دیتے ہو۔ ہم نے تو پہلے ہی ہاتھ جوڑ کر تمہیں کہہ دیا تھا کہ ہمارے گاؤں کو اپنے حال پر چھوڑ دو۔ گلاب سنگھ نے بھی تمہیں سمجھایا تھا لیکن تم نے اُسے مار ڈالا، اب ہمیں بزدلی کا طعنہ دیتے ہو۔ حالانکہ تم خود بزدل ہو اور بھاگتے وقت اپنی بندوقیں بھی وہیں

www.allurdu.com

چھوڑ آئے ہو!"

دوسرے دیہات کے سکھوں کو جوش آگیا اور گالی گلوچ کے بعد ہاتھا پائی تک نوبت پہنچ گئی۔

ایک سکھ گھوڑا بھگاتا ہوا آیا اور اسے دیکھ کر سکھوں کا جوش و خروش تھوڑی دیر کے لیے ٹھنڈا پڑ گیا۔ سوار نے کہا "جتھیدار صاحب کہتے ہیں کہ وہ کل صبح فوج کے پچاس آدمی لے کر پہنچیں گے۔ آج رات وہ دوسرے گاؤں پر حملہ کر رہے ہیں!"

ایک سکھ نے سوال کیا "انھوں نے بندوقیں کیوں نہیں بھیجیں؟"

سوار نے جواب دیا "میں نے رائفلیں مانگی تھیں تو مجھے گولی مارنے کے لیے تیار ہو گئے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ میں یہ نہیں کر سکتا کہ تمہیں ہتھیار بھی دوں اور پھر ان کی حفاظت کے لیے سپاہی بھی دوں۔ انھوں نے دستی بم دیے ہیں اور کہا ہے کہ اگر تم بنیوں کی اولاد نہیں ہو تو یہ بم ان کے گھروں کو مٹی کا ڈھیر بنانے کے لیے کافی ہیں۔ رات کے وقت تمہیں یہ بم پھینکنے کا موقع مل سکتا ہے۔ اگر تم میں ہمت نہیں تو عیسائیوں کو مجبور کرو، وہ آسانی سے ان کی حویلی کے قریب جا کر یہ بم پھینک سکیں گے!"

ایک سکھ نے کہا "عیسائیوں سے اس گاؤں کے آدمی کام لے سکتے ہیں!"

گاؤں کے ایک سکھ نے جواب دیا "وہ مسلمانوں کے خلاف نہیں لڑیں گے۔"

"انھیں مجبور کیا جا سکتا ہے۔" دوسرے نے جواب دیا۔

"لیکن وہ بم چلانا بھی تو نہیں جانتے۔"

"ہم انھیں سکھا دیں گے!" فوج کے ایک تربیت یافتہ سکھ نے کہا۔

"لاؤ جی بم مجھے دو!"

سوار اپنے گلے سے بموں سے بھرا ہوا تھیلا اتار رہا تھا کہ سامنے والے چری کے کھیت سے بندوقوں کی گولیاں برسنے لگیں۔ سکھ سراسیمگی کی حالت میں چیختے چلّاتے اِدھر اُدھر بھاگنے لگے۔ پہلی گولی جتھیدار کے ایلچی کو لگی۔ اُس کے گھوڑے نے بدحواس ہو کر ایک طرف چھلانگ لگائی اور وہ گر پڑا۔ آن کی آن میں میدان خالی ہو گیا۔ مجید بھاگتا ہوا کھیت سے نکلا اور اس نے بموں سے بھرا ہوا تھیلا اُٹھا لیا۔ اس کے ساتھی بھی کھیت سے نکل آئے اور اِدھر اُدھر بھاگنے والوں پر گولیاں برسانے لگے۔

میدان بالکل صاف ہو گیا تو بشیر نے کہا "مجید! خدا کی قسم میرا ایک نشانہ بھی خالی نہیں گیا!"

یوسف بولا "بھائی جان! دیکھا، آپ کہتے تھے کہ میں رائفل نہیں چلا سکوں گا۔ اُس موٹے سکھ کو میں نے گرا دیا ہے۔"

مجید کے والد کا اسّی سالہ چچا علی محمد بولا "کاش یہ بندوقیں ہمیں حملہ ہونے سے پہلے ملتیں!"

مجید نے کہا "بابا! تقدیر نے ہمارے لیے یا تو فتح لکھی ہے یا عزت کی موت۔ اب وہ ہمیں چوہوں کی طرح نہیں مار سکیں گے۔ یہ دیکھو! بموں سے بھرا ہوا تھیلا۔ یہ قدرت کا انعام ہے!"

جتھے کی یہ حالت دیکھ کر گاؤں کے سکھ اور ہندو بھی اپنے بال بچوں کے ساتھ بھاگ رہے تھے۔ چند آدمیوں نے انھیں گھیرنے کی کوشش کی لیکن مجید نے انھیں ڈانٹ ڈپٹ کر روک دیا؛

مجید اور اس کے ساتھی "اللہ اکبر" کے نعرے لگاتے ہوئے حویلی کی طرف

www.allurdu.com

...واپس جا رہے تھے اور حویلی میں جمع ہونے والے لوگ بھی ان کے جواب میں نعرے لگا رہے تھے۔ اچانک آس پاس کے کھیتوں سے بھی ان نعروں کا جواب آنے لگا۔

مجید نے اپنے ساتھیوں سے کہا "تم فوراً حویلی کے اندر داخل ہو جاؤ ممکن ہے کہ سکھ ہمیں دھوکہ دے کر حملہ کرنا چاہتے ہوں!"

تھوڑی دیر میں حویلی کے اندر جمع ہونے والے تمام آدمی مکانوں کی چھتوں پر چڑھ گئے اور دم بخود ہو کر کھیتوں کی طرف دیکھنے لگے۔ نعروں کی آواز آہستہ آہستہ قریب آنے لگی اور اس کے ساتھ ہی کماد کے کھیتوں میں سرسراہٹ سنائی دینے لگی۔

"کون ہے؟" مجید نے ایک آدمی کو کھیت سے نکلتے ہوئے دیکھ کر بلند آواز میں سوال کیا۔

"مجید، میں ہوں!" آنے والے نے جواب دیا۔

"کون؟ داؤد؟"

"ہاں، میں ہوں!" اس نے کرب انگیز لہجے میں جواب دیا۔

داؤد کے پیچھے پندرہ بیس آدمیوں کی ٹولی نمودار ہوئی۔ مجید نے کہا "اب پھاٹک کھولنا مشکل ہے۔ تم دیوار پھاند کر اندر آ جاؤ ——— تمہارے ساتھ اور مسلمان بھی ہیں؟"

"ہاں! بہت سے آدمی ہیں!" داؤد نے آگے بڑھتے ہوئے جواب دیا۔ "تھوڑی دیر میں تمھاری حویلی میں تل دھرنے کو بھی جگہ نہیں رہے گی۔ لوگ دُور دُور تک کھیتوں میں چھپے ہوئے ہیں۔"

"ان سب کو بلا لو، میں باہر دیوار کے ساتھ سیڑھی لگوا دیتا ہوں۔"

داؤد کے ساتھیوں نے کھیتوں میں چھپے ہوئے آدمیوں کو آوازیں دیں۔ آس پاس

چھپے ہوئے لوگ ان کا پیغام دوسروں تک پہنچاتے ہوئے کھیتوں سے باہر نکلنے لگے۔ آدھ گھنٹے کے اندر حویلی میں کوئی تین سو مرد، عورتیں اور بچے جمع ہو چکے تھے۔ کوئی یہ کہہ رہا تھا کہ میرا سارا کنبہ مارا جا چکا ہے اور کوئی کہہ رہا تھا کہ میرے خاندان میں سے صرف ایک بڈھے اور ایک بچے کے سوا کوئی نہیں بچا!"

"سکھ ہمارے گاؤں کی اتنی عورتیں چھین کر لے گئے ہیں!"

"ہمارے گاؤں کی اتنی عورتوں نے کنوئیں میں چھلانگ لگا دی!"

"میرے دودھ پیتے بچے کو نیزوں پر اچھالا گیا!"

"فلاں گاؤں میں سکھ فوج نے سارے آدمیوں کو مار دیا اور عورتوں کے ساتھ یہ سلوک کیا!"

"اب کیا ہو گا۔ اب ہم کیا کریں۔ اب ہم کہاں جائیں؟"

"پاکستان بہت دُور ہے!"

"کہتے ہیں کہ بلوچ رجمنٹ نے امرتسر میں ہزاروں مسلمانوں کی جان بچائی ہے، اسے ادھر کیوں نہیں بھیجا گیا؟"

"میاں سلیم! وہ میری بیوی کو چھین کر لے گئے ہیں۔ میں سر پر زخم کھا کر بے ہوش ہو گیا تھا۔ وہ مجھے مُردہ سمجھ کر چھوڑ گئے تھے۔ انھوں نے میری ماں کے ساتھ......!"

غرض ہر عورت، مرد، بچے اور بوڑھے کی ایک نئی داستان تھی۔ بعض ایسے بھی تھے جن کے منہ میں الفاظ تھے نہ آنکھوں میں آنسو۔ وہ اِدھر اُدھر دیکھتے اور ہلکی ہلکی سسکیاں بھر کر خاموش ہو جاتے۔

ایک شخص حویلی میں داخل ہوتے ہی چلّایا "دنیا میں اب میرا کوئی نہیں۔ میرے پانچ بیٹے تھے۔ تین لڑکیاں تھیں اور تین پوتے تھے۔ اب میں اکیلا ہوں!"

www.allurdu.com

یہ خیر دین کہار تھا۔

غلام حیدر (مجید کے باپ) نے آگے بڑھ کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا "خیر دین صبر کرو!"

خیر دین غلام حیدر سے لپٹ گیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا اور اس کی دیکھا دیکھی عورتوں کی دبی اور گھٹی ہوئی چیخیں بلند ہونے لگیں ۔

رات کے وقت مجید اور داؤد مسجد اور مکانوں کی چھتوں پر مٹی کی بوریوں کے مورچے بنوا رہے تھے۔ سلیم حویلی کے ایک کونے میں شہیدوں کو دفن کروا رہا تھا۔ کاکو قبریں کھودنے میں ان کی مدد کے لیے گاؤں کے چند عیسائیوں کو لے آیا تھا لیکن چالیس لاشوں کے لیے علیحدہ علیحدہ قبریں کھودنا ممکن نہ تھا۔ باہر سے آنے والے آدمیوں میں نصف سے زیادہ زخمی تھے اور باقی بھوک اور تھکاوٹ سے نڈھال۔ اس لیے ان کی طرف فوری توجہ کی ضرورت تھی —— سلیم نے چچا غلام حیدر کے مشورے سے ایک لمبی سی کھائی کھدوائی اور سب لاشوں کو ایک قطار میں لٹا کر مٹی ڈال دی گئی۔

افضل اور اسماعیل کو سب سے آخر میں دفن کیا گیا۔ جب اسماعیل کی لاش پر مٹی ڈالی جا رہی تھی تو کاکو عیسائی نے کہا "آج ہمارا گاؤں مر چکا ہے۔ آج کے بعد اس بستی کے لوگ ہنسنا بھول جائیں گے۔ میاں سلیم! چودھری رمضان کی لاش ابھی تک لچھمن سنگھ کے گھر میں پڑی ہوئی ہے۔ میں دیکھ آیا ہوں۔ اسماعیل کہا کرتا تھا کہ ہماری قبریں ایک دوسرے کے ساتھ ہوں گی۔ ہم اُسے لے آتے ہیں۔ اسے یہیں دفن کروا دیجیے!"

سلیم کی آنکھوں سے آنسو اُبل پڑے۔ اس نے گھٹی ہوئی آواز میں کہا "جاؤ ان سب کی لاشیں لے آؤ!"

رمضان کو اسماعیل کے پہلو میں دفن کر دیا گیا۔ سلیم بالا خانے سے وہ ٹوٹا ہوا جھنڈا اُٹھا لایا جس کا ہلال اور ستارہ اسماعیل کے خون سے سُرخ ہو چکا تھا۔ اس نے پرچم کو ایک لاٹھی کے ساتھ باندھا اور اسماعیل کی قبر پر گاڑ دیا۔

گھر میں عورتیں بھوک سے بلکتے ہوئے بچوں کے لیے کھانا تیار کر چکی تھیں۔

مجید مورچے بنوانے کے بعد نیچے اُترا اور آدمیوں کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے بولا۔ "دیکھو بھئی میں جانتا ہوں کہ تم میں سے کسی کا کھانے کو جی نہیں چاہتا لیکن تمہیں دل پر جبر کر کے دو دو چار چار لقمے ضرور کھا لینے چاہییں۔ خدا معلوم صبح کو کھانے کا وقت ملے گا یا نہیں اور بھوکے رہ کر ہم زیادہ دیر نہیں لڑ سکیں گے!"

مجید کے اشارے سے چند آدمیوں نے زمین پر چٹائی بچھا دی اور اس پر اُبلے ہوئے نمکین چاول کے چند طشت لا کر رکھ دیے۔ قدرے تذبذب کے بعد چند آدمیوں نے پہل کی اور باقی ان کی دیکھا دیکھی کھانے کے لیے بیٹھ گئے۔

باہر سے کسی نے پھاٹک کو دھکا دیتے ہوئے آواز دی "پھاٹک کھولو!"

مجید نے آگے بڑھ کر پوچھا "کون ہے؟"

باہر سے آواز آئی "میں فجو ہوں!"

"فجو! تمہیں ان کو چھوڑ کر نہیں آنا چاہیے تھا۔ میں ابھی تمہارے طرف آنے کا ارادہ کر رہا تھا۔"

"صوبیدار میں انھیں ساتھ لے آیا ہوں، میں پیاس سے مر رہا تھا!"

"بھئی ان کا خیال رکھو کہیں بھاگ نہ جائیں!"

"جی آپ فکر نہ کریں۔ یہ بھاگ نہیں سکتے، میں نے انھیں اچھی طرح باندھ

www.allurdu.com

رکھا ہے!"

"اب دروازہ نہیں کھل سکتا۔ ٹھہرو! میں آتا ہوں!" یہ کہتے ہوئے مجید دیوار پھاند کر باہر نکل گیا۔

رام چند اور کُندن لال دونوں عام انسانوں سے بھاری تھے۔ تاہم مجید اور نجّو نے معمولی جد وجہد کے بعد انھیں اُٹھا کر دیوار کے اوپر سے اندر لُڑھکا دیا۔

سلیم نے ان پر ٹارچ کی روشنی ڈالی اور لوگ انھیں پہچان کر ان کے ارد گرد جمع ہو گئے۔ سلیم اور مجید نے ابھی تک کسی سے ان کا ذکر نہیں کیا تھا اور لوگ حیرانی سے انھیں دیکھ رہے تھے۔

"یہ رام چند ہے۔ یہ رام چند ہے۔" ان کے گاؤں کا ایک نوجوان چلّاتا ہوا آگے بڑھا اور رام چند پر ٹوٹ پڑا۔ رام چند اس کے ایک ہی مُکّے سے گر پڑا، اس نوجوان کا ایک اور ساتھی کُندن لال پر پل پڑا۔ سلیم اور مجید نے انھیں بڑی مشکل سے علیٰحدہ کیا۔ رام چند پر حملہ کرنے والا نوجوان اپنے ساتھی کی نسبت زیادہ جوش وخروش کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ مجید نے اس کے بازو پکڑ رکھے تھے اور وہ چلا رہا تھا۔ "صوبیدار جی! آپ کو اس کا پتہ نہیں۔ یہ ہمارا سب سے بڑا دشمن ہے۔ آپ کے گاؤں پر حملہ کرنے والے سکھوں کو اسی نے جمع کیا تھا۔ اسی نے انھیں بندوقیں لا کر دی تھیں۔ جتھے کے سامنے میں نے اس کی تقریر سُنی تھی۔ یہ انھیں کہہ رہا تھا کہ ایک مسلمان کو بھی زندہ مت چھوڑو ــــ اگر یہ بدمعاشی نہ کرتا تو مہندر نے سکھوں کو روک لیا ہوتا۔ اسے زندہ چھوڑنا گناہ ہے۔"

ایک بوڑھا آدمی غلام حیدر کی طرف متوجہ ہو کر بولا۔ "چودھری! میں نے بھی اس کی باتیں سنی تھیں۔ یہ کہتا تھا، "رحمت علی کے گھر سے ڈولیاں لے کر آؤ" لیکن خدا بڑا کارساز ہے۔ آج سکھوں کی ایک ٹولی اس کے اپنے گھر سے ڈولیاں

لے گئی ہیں۔" پھر وہ رام چند کی طرف متوجہ ہوا۔ "سیٹھ جی! آج ہم نے تمھارے گھر میں خالصتان دیکھا ہے۔ وہ تمھاری کوشلیا اور سرلا کو لے گئے ہیں اور تمھاری بیوی کو ادھ موا کر کے چھوڑ گئے ہیں۔ رام چند! تم انھیں کہتے تھے کہ مسلمانوں کو یہاں مت چھوڑو ــــ ہم جانتے ہیں کہ اب ہم یہاں نہیں رہ سکیں گے لیکن تم بھی یہاں نہیں رہو گے، جن کُتّوں کو تم نے ہمارے پیچھے چھوڑا ہے، وہ تمھیں بھی کاٹیں گے۔"

رام چند کا خوف اضطراب میں تبدیل ہو چکا تھا۔ وہ چلّایا۔ "تم جھوٹ کہتے ہو۔ ہم جانتے ہیں کہ ہم تمھارے قبضے میں ہیں اور تم ہمیں زندہ نہیں چھوڑو گے لیکن سکھ یہ جرأت نہیں کر سکتے!"

بوڑھے آدمی نے طیش میں آ کر کہا۔ "بدمعاش! جو آگ پڑوسی کے گھر کو لگائی جاتی ہے وہ اپنے گھر کو بھی جلا دیتی ہے۔ اگر یقین نہیں آتا تو گاؤں کے دوسرے آدمیوں سے پوچھ لے۔"

ایک اور آدمی بولا۔ "چودھری جی! اگر وہ اس کے گھر کا مال اسباب لوٹنے اور عورتوں کی آبروریزی میں مصروف نہ ہو جاتے تو ہمیں بچ کر نکلنے کا موقع نہ ملتا، وہ ڈولیوں کے ساتھ اس کے گھر سے جہیز بھی لے گئے!"

رام چند تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد چلّایا۔ "میں نے اپنے کیے کا پھل پایا ہے۔ میاں سلیم میں نے اب تک جو کچھ کیا ہے' اس کے بعد تمھیں میرا اعتبار نہیں آئے گا لیکن تم اگر چھوڑ دو تو میں سکھوں سے بدلہ لے سکتا ہوں۔ ہندوستان پر کانگرس کی حکومت ہے۔ وہ سکھوں کی اس حرکت کو برداشت نہیں کرے گی۔ میں مشرقی پنجاب کے ہندو وزیروں اور گورنر کے پاس جاؤں گا۔ میں انھیں سمجھاؤں گا کہ تم سانپوں کو پال رہے ہو۔ میں سردار پٹیل اور نہرو کے پاس جاؤں گا۔ تم دیکھو گے کہ وہ ان کُتّوں کو تھپکیاں دینے کی بجائے اُن کے آگے زہر کی

www.allurdu.com

ڈالنے کے لیے تیار ہو جائیں گے!"

سلیم نے اطمینان سے جواب دیا۔ "سیٹھ رام چند کوئی بات نہیں۔ گوشت کھانے والے کتے کبھی کبھی مالک کے ہاتھ سے بھی بوٹی چھین لیتے ہیں۔ تمہارے وزیر، تمہارا گورنر، تمہارے پٹیل اور نہرو مشرقی پنجاب سے مسلمانوں کو ختم کرانا چاہتے ہیں اور یہ کام انھوں نے سکھوں کے سپرد کیا ہے، جب تک یہ کام پورا نہیں ہو جاتا، وہ سکھوں کی ہر حرکت برداشت کریں گے۔ تمہاری سرلا اور کوشلیا کو وہ اپنی خدمات کا انعام سمجھ کر لے گئے ہیں۔"

مجید نے کہا۔ "وقت ضائع نہ کرو سلیم۔ یوسف تم انھیں کھانا اور پانی دو۔ ہم نے وعدہ کیا تھا کہ انھیں قتل نہیں کریں گے لیکن مسلمانوں کو ایک بل سے دوبارہ نہیں ڈسا جا سکتا۔ میں یہ ماننے کے لیے تیار نہیں کہ اگر انھیں چھوڑ دیا جائے تو یہ دوبارہ شرارت نہیں کریں گے۔ ان کے پاؤں میں گھوڑوں کی زنجیریں ڈال دو اور انھیں گنڈیال کے اندر بند کر دو۔"

باہر سے آنے والے آدمیوں میں سات سابق فوجی تھے۔ مجید کے کہنے پر نا تجربہ کار آدمیوں نے اپنی بندوقیں ان کے حوالے کر دیں۔ ایک عمر رسیدہ آدمی جس کے جسم پر ایک تہ بند کے سوا کچھ نہ تھا، آگے بڑھا اور کہنے لگا۔ "مجھے بھی ایک رائفل دے دو!"

مجید کے تذبذب پر وہ پھر بولا۔ "میں ایک ریٹائرڈ جمعدار ہوں۔"

مجید اور بھی حیران ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ ایک اور آدمی نے آگے بڑھ کر کہا۔ "یہ ہمارے گاؤں کے ہیں، جب حملہ ہوا تھا، یہ گاؤں سے باہر نہر پر نہا رہے تھے۔" فجو پہلوان نے آگے بڑھ کر اُسے غور سے دیکھا اور کہا۔ "ارے یہ تو جمعدار عنایت علی ہیں!"

سلیم اور مجید نے مسجد کی چھت کا مورچہ سنبھال رکھا تھا۔ غلام حیدر اور گھر کے دوسرے نوجوان مکانوں کی چھتوں پر پہرا دے رہے تھے۔ داؤد چند آدمیوں کے ساتھ حویلی سے باہر گشت کر رہا تھا۔ بشیر نے ایک ٹولی کے ساتھ گاؤں میں چکر لگانے کے بعد اسے اطلاع دی۔ "سکھوں کے تمام گھر خالی ہو چکے ہیں لیکن اندر سنگھ کے گھر میں کسی عورت کے رونے کی آواز آ رہی ہے۔ دروازہ اندر سے بند ہے۔ شاید اندر سنگھ کے بیٹے اندر چھپے ہوئے ہوں۔ آج وہ جتھے کے ساتھ تھے اور وہ شیر سنگھ جس پر افضل جان دیا کرتا تھا، آج نظر ہی نہیں آیا!"

داؤد نے اپنے ساتھیوں سے طرف متوجہ ہو کر کہا۔ "تم یہیں رہو، میں ابھی آتا ہوں۔ آؤ بشیر میرے ساتھ!"

تھوڑی دیر بعد بشیر اور داؤد اندر سنگھ کے مکان کی چار دیواری سے باہر کھڑے تھے۔ صحن سے کسی عورت کے رونے کی آواز آ رہی تھی۔ داؤد ایک لمحہ توقف کے بعد دیوار پر چڑھا اور تاریکی میں آنکھیں پھاڑ کر دیکھنے لگا۔ صحن میں کوئی چارپائی پر لیٹا ہوا تھا اور رونے والی عورت اس کے قریب زمین پر بیٹھی تھی۔

داؤد نے مُڑ کر بشیر کی طرف دیکھا اور کہا۔ "مجھے رائفل اور ٹارچ دے دو اور جب تک میں نہ بلاؤں، تم یہیں ٹھہرو!"

بشیر نے دونوں چیزیں اس کے ہاتھ میں تھما دیں۔ داؤد نے ٹارچ کی روشنی میں صحن کا جائزہ لیا۔ وہاں ایک نوجوان لڑکی اور ایک سفید ریش بوڑھے کے سوا کوئی نہ تھا۔ لڑکی نے اچانک گردن اوپر اٹھائی اور خوفزدہ ہو کر کہا۔ "کون ہے؟"

داؤد نے اس کے جواب میں ٹارچ کی روشنی اس کے چہرے پر ڈال دی۔

www.allurdu.com

لڑکی اُٹھ کر کھڑی ہو گئی لیکن بستر پر لیٹا بُوڑھا جُوں کا توں پڑا رہا۔

داؤد نے دیوار پر کھڑے ہو کر چھت پر روشنی ڈالی اور پھر مُڑ کر بشیر کی طرف اشارہ کرنے کے بعد نیچے کود پڑا۔

"تم کون ہو؟" لڑکی بلند آواز سے چلّائی اور خوف زدہ ہو کر پیچھے ہٹنے لگی۔

"شور مت کرو۔ یہاں تمھاری آواز سننے والا کوئی نہیں۔" داؤد یہ کہتے ہوئے چارپائی کے قریب پہنچ کر لیٹے ہوئے آدمی کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ بے حس و حرکت پڑا پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ لڑکی نے صحن کے ایک کونے میں پہنچ کر کانپتی ہوئی آواز میں کہا "اسے کچھ نہ کہو۔ یہ پہلے ہی مر چکا ہے۔ اسے لقوہ ہو گیا ہے!"

بشیر نے دیوار کے اوپر سے کودتے ہوئے کہا "یہ اندر سنگھ ہے۔ اس نے آج بابا رحمت علی سے دوستی کا حق ادا کیا ہے۔ یہ انھیں کہتا تھا کہ آج تمہارے گھر بارات آئی ہے!"

داؤد نے کچھ کہے بغیر اپنی رائفل بشیر کے ہاتھ میں دے دی اور لڑکی کی طرف بڑھا۔ لڑکی دوڑ کر دیوار کے ساتھ مویشیوں کی کھرلی پر چڑھ گئی اور وہاں سے دیوار پھاندنے کی کوشش کرنے لگی لیکن داؤد نے تیزی سے آگے بڑھ کر اسے نیچے کھینچ لیا۔ لڑکی داؤد کے آہنی ہاتھوں کی گرفت میں بے بس ہو کر چیخیں مار رہی تھی۔ داؤد اُسے گھسیٹتا ہوا اندر سنگھ کی چارپائی کے قریب لے آیا اور بولا "اندر سنگھ! تو نے صرف دوسروں کے گھروں میں آگ لگانا سیکھا ہے، اپنا گھر جلتا نہیں دیکھا!"

لڑکی کہہ رہی تھی "مجھے چھوڑ دو۔ میں تمہاری دشمن نہیں ہوں۔ میں گلاب سنگھ کی بہن ہوں۔ میں شیر سنگھ کی بیٹی ہوں۔ میرا باپ مسلمانوں کا دوست ہے!"

"ہم تمہاری دوستی دیکھ چکے ہیں!" داؤد نے لڑکی کو دھکا دے کر زمین پر

پھینک دیا اور اپنی جیب سے چاقو نکال لیا۔

بشیر نے رائفلیں زمین پر رکھ دیں اور آگے بڑھ کر داؤد کے ساتھ لپٹ گیا۔

داؤد چلّایا "مجھے چھوڑ دو.... تم نہیں جانتے، انھوں نے میری ماں، میری بیوی، میری بہنوں اور میرے باپ کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے۔ میرے گھر پر حملہ کرنے والے ہمارے وہ پڑوسی تھے جن کے گھروں پر میں نے ڈیڑھ مہینہ پہرہ دیا تھا۔ میں نے ان کی خاطر اپنی چھٹّیوں کی تمام راتیں آنکھوں میں کاٹی تھیں۔ آج میرا باپ مر رہا تھا اور میں اس کے لیے شہر سے دوائی لینے گیا تھا اور وہ جتھا لے کر آ گئے۔ انھوں نے میرے باپ کو قتل کیا۔ میری ماں اور میرے تین بچّوں کو کوٹھری میں بند کر کے آگ لگا دی۔ میری بہنوں نے آبرو بچانے کے لیے کنوئیں میں چھلانگیں لگا دیں، وہ میری بیوی کو پکڑ کر مسجد میں لے گئے ـــــ اور وہاں....! مجھے چھوڑ دو۔ مجھے چھوڑ دو!" داؤد نے جوش میں آ کر بشیر کی کلائیاں مروڑ ڈالیں اور اسے دھکا دے کر ایک طرف گرا دیا۔ اتنی دیر میں لڑکی دروازے کے قریب پہنچ چکی تھی اور کنڈی کھولنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس کے کانپتے ہوئے ہاتھ کنڈی نہ کھول سکے اور داؤد نے آگے بڑھ کر پھر اسے پکڑ لیا۔ وہ اب پوری طاقت سے چیخیں مار رہی تھی اور داؤد نے اسے دونوں بازوؤں سے پکڑ کر دروازے کے ساتھ بھینچ رکھا تھا۔ وہ کہہ رہی تھی "مجھے سلیم کے گھر لے چلو۔ میں نے اسے بھائی بنایا تھا۔ وہ مجھے بہن کہا کرتا ہے۔ چچا افضل مجھے بیٹی کہا کرتا ہے۔"

داؤد نے ایک ہاتھ اس کی گردن پر رکھتے ہوئے دوسرے ہاتھ سے چاقو بلند کیا۔ لڑکی اچانک خاموش ہو گئی اور پھر گھٹی ہوئی آواز میں کہا "اس سے تمہارا کلیجہ ٹھنڈا ہو سکتا ہے تو مجھے مار ڈالو ـــــ دیکھتے کیا ہو جلدی کرو!"

داؤد نے قدرے متاثر ہو کر کہا "میں تمہارے ساتھ وہ سلوک نہیں کر

سکتا جو انھوں نے میری بیوی سے کیا ہے۔ تمہیں مرتے وقت اتنی تکلیف نہیں ہو گی ــــــ"

لڑکی خاموشی سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔ داؤد نے چاقو کی نوک اس کے سینے پر رکھ دی لیکن اس کا ہاتھ کانپ رہا تھا۔ اس کے چہرے سے پسینے کے قطرے گر رہے تھے۔ لڑکی نے کہا۔ "اگر تمہاری کوئی بہن ہوتی تو تم یوں نہ کرتے!"

داؤد نے اچانک کپکپی لی اور پیچھے ہٹ کر چاقو ایک طرف پھینک دیا۔ بشیر نے ٹارچ کی روشنی میں دیکھا، اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔"

کسی نے دروازے کو دھکا دیتے ہوئے آواز دی۔ "داؤد! ــــ بشیر!"

"کون؟ سلیم؟" بشیر نے سوال کیا۔

"ہاں، دروازہ کھولو۔ یہاں کیا ہو رہا ہے؟"

بشیر نے دروازہ کھول دیا۔ سلیم چند آدمیوں کے ساتھ اندر داخل ہوا۔ لڑکی نے جلدی سے سلیم کا بازو پکڑ لیا اور روتے ہوئے کہا۔ "بھائی دوسروں کو یہاں بھیجنے کی بجائے تم نے خود یہاں آکر میرا گلا کیوں نہیں گھونٹ ڈالا؟"

"کون؟ روپا! ــــــ تو یہ تمہاری چیخیں تھیں؟"

لڑکی کی خاموشی پر داؤد نے جواب دیا۔ "ہاں اسی کی چیخیں تھیں۔ میں اسے قتل کرنے آیا تھا، میں اپنے باپ، اپنی ماں، اپنی بہنوں اور اپنے بیوی بچوں کا انتقام لینے آیا تھا لیکن مجھ میں ہمت نہ تھی۔ میں نے قسم کھائی تھی کہ میں کسی پر رحم نہیں کروں گا۔ میں نے اس بوڑھے کا گلا گھونٹنا چاہا لیکن میرے ہاتھ نہ اٹھ سکے۔ میں نے اس لڑکی سے اپنی بیوی اور بہنوں کا انتقام لینا چاہا لیکن میرے کانوں میں کوئی کہہ رہا تھا۔ "داؤد! کیا کر رہے ہو، یہ بھی کسی کی بہن ہے۔ سلیم میں بزدل ہوں!"

سلیم نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "تم بزدل نہیں ہو داؤد! میں چیخیں سن کر باہر نکلا تو مجھے پتہ چلا کہ اس طرف تم آئے ہو ــــ مجھے یقین نہیں آتا تھا کہ تم کسی عورت پر ہاتھ اٹھاؤ گے ــــ یہ مسلمانوں کا شیوہ نہیں!"

پھر قدرے توقّف کے بعد اس نے جوش میں آکر کہا۔ "ہم انسانیت کے ان دشمنوں سے انتقام لیں گے ــــ ہم اس قوم کو معاف نہیں کریں گے جس نے ہمارے احسانات کا یہ بدلہ دیا لیکن ہماری تلواریں مردوں کی تلواروں سے ٹکرائیں گی، بے کس عورتوں، بچّوں اور بوڑھوں پر نہیں اٹھیں گی۔ ان مظالم کا جواب کسی دن پانی پت کے میدان میں دیا جائے گا لیکن ابھی شاید وہ وقت نہیں آیا۔"

سلیم نے آگے بڑھ کر ٹارچ کی روشنی میں اندر سنگھ کو دیکھا۔ اس کی آنکھیں کھلی تھیں۔ اس کے ہونٹ ہل رہے تھے لیکن ان میں آواز نہ تھی۔

بشیر بولا۔ "اس پر فالج گرا ہے!"

سلیم لڑکی کی طرف متوجہ ہوا۔ "روپا! گاؤں کے تمام سکھ چلے گئے ہیں۔ میں صبح تک تمہاری حفاظت کا ذمہ لے سکتا ہوں لیکن اس کے بعد خدا معلوم کیا ہو۔ دور دور سے مسلمان ہمارے گاؤں کی طرف آ رہے ہیں، ان کے دل جلے ہوئے ہیں۔ تمہیں یہاں نہیں رہنا چاہیے تھا!"

بھیّا! میرے چچا، بابا کو اس حالت میں چھوڑ کر بھاگ گئے لیکن میں اُن کے ساتھ نہ جا سکی۔ وہ مجھے کھینچتے تھے لیکن میرے بھائی کی لاش یہاں پڑی ہوئی تھی اور بابا کی یہ حالت تھی۔ باپو کا کچھ پتہ نہیں، کہتے ہیں وہ کہیں شراب میں بے ہوش پڑا ہے۔ اگر وہ چچا افضل کے ساتھ ہوتا تو شراب نہ پیتا۔ میں

www.allurdu.com

بچوں کے ساتھ باہر نکلتے ہی گنوں کے کھیت میں چھپ گئی تھی ـــــ وہ چلے گئے تو یہاں آگئی۔"

سلیم نے کہا "تمہاری ماں کہاں ہے؟"

"وہ تو پہلے ہی اپنے میکے چلی گئی تھی!"

سلیم نے کہا "روپا! تمہارا بھائی ہماری خاطر مارا گیا ہے۔ میں اس کی لاش یہاں پہنچا دیتا ہوں!"

"نہیں، نہیں!! میں اس کی لاش نہیں دیکھ سکوں گی۔ مجھے اپنے گھر لے چلو!"

"لیکن تمہارا دادا؟"

لڑکی خاموش ہو گئی۔ سلیم نے کہا "دیکھو روپا! گلاب سنگھ کی بہن کے لیے میرے گھر کا دروازہ بند نہیں ہو سکتا لیکن تم وہاں ایک منٹ بھی نہیں ٹھہر سکو گی۔ تم ان بچوں کو نہیں دیکھ سکو گی جو تمہاری قوم کے ہاتھوں یتیم بن گئے ہیں۔ تم بیواؤں اور زخمیوں کی آہیں نہیں سن سکو گی ـــــ اور اب وہ گھر محفوظ بھی نہیں۔ ہم شاید صبح کا سورج دیکھ سکیں اور اگلی رات کے ستارے نہ دیکھ سکیں۔ تم یہیں رہو، میرے آدمی گلی میں پہرا دیتے رہیں گے ـــــ"

روپا نے سسکیاں بھرتے ہوئے کہا "میں یہاں بیٹھی سوچ رہی تھی کہ چچا افضل آئے گا اور مجھے کہے گا "روپا بیٹی! تمہیں یہاں اکیلی بیٹھے ڈر نہیں لگتا چلو میرے گھر چلو۔ تم خود ہی کیوں نہ آگئیں وہاں ـــــ"

سلیم نے اپنے آنسو ضبط کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "چچا افضل اب تمہیں بلانے نہیں آسکتے!"

روپا دم بخود ہو کر سلیم کی طرف دیکھنے لگی۔ وہ اپنے ساتھیوں کی طرف

متوجہ ہو کر بولا "چلو داؤد!"

جب وہ باہر نکل رہے تھے تو روپا نے اچانک آگے بڑھ کر سلیم کا بازو پکڑ لیا "سلیم! سلیم! مجھے بتا کر جاؤ، چچا افضل کو کیا ہوا؟"

"وہ شہید ہو چکے ہیں!"

روپا سلیم کا ہاتھ چھوڑ کر ایک قدم پیچھے ہٹ گئی اور اس نے باہر نکلتے ہوئے کہا "روپا! دروازہ اندر سے بند کر لو!"

طلوعِ آفتاب تک سلیم کے گاؤں میں پناہ گزینوں کے تین اور قافلے پہنچ چکے تھے اور ان کی مجموعی تعداد سات سو تک پہنچ چکی تھی۔ آخری قافلے کے ساتھ چند آدمی ایسے بھی تھے جو دریائے بیاس عبور کر کے ساری رات چلنے کے بعد یہاں پہنچے تھے اور وہ یہ اطلاع دے چکے تھے کہ ان کے پیچھے دو ہزار آدمیوں کا ایک قافلہ اس طرف آرہا ہے اور وہ دوپہر تک پہنچ جائے گا!"

آٹھ بجے سکھوں نے حملہ کیا۔ اکال سینا کے ہراول میں باؤنڈری فورس کے وہ سکھ، گورکھا، ڈوگرہ اور مرہٹہ سپاہی تھے، جنھیں مسلمانوں کے خون سے آزاد ہندوستان کی تاریخ کا پہلا باب لکھنے کا کام سونپا گیا تھا۔ ان کے ساتھ پولیس کے آدمی بھی تھے اور ان رائفلوں اور سٹین گنوں سے مسلح حملہ آوروں کی تعداد چالیس کے لگ بھگ تھی۔ جتھے میں کوئی دو ہزار کے قریب آدمی تھے۔ جن میں سے پندرہ بیس کے پاس بندوقیں، دیسی اور ولائتی رائفلیں اور پستول تھے۔ باقی تمام نیزوں، کرپانوں اور برچھیوں سے مسلح تھے۔ ماجھے کے علاقے کے پچاس آدمی گھوڑوں پر سوار تھے۔ فوج کے سپاہیوں نے دو فوجی ٹرک جن کا آگے لانا مشکل تھا، سڑک پر چھوڑ دیے اور تین جیپیں سڑک

www.allurdu.com

سے نیچے اتار کر گاؤں سے دو تین فرلانگ کے فاصلے پر لے آئے۔

مشرقی پنجاب کے دیہات میں اکال سینا کے حملہ آوروں کا ایک طریق کار یہ تھا کہ پہلے فوج اور پولیس مسلمانوں کے گھروں کے دروازے کھلوا کر ان کی تلاشی لیتی تھی۔ پھر انھیں یہ حکم دیا جاتا کہ وہ اتنی دیر کے اندر اندر گاؤں خالی کر دیں لوگ گاؤں سے نکلتے تو باہر سے سکھوں کے جتھے ان پر ٹوٹ پڑتے۔ اگر کہیں مزاحمت ہوتی تو فوج اور پولیس جدید ترین آلاتِ حرب سے کام لینے سے دریغ نہ کرتی۔

بڑے بڑے قصبوں اور شہروں میں فوج کرفیو لگا دیتی۔ فوج کے سپاہی گلیوں اور بازاروں میں گشت لگاتے اور اس بات کا خیال رکھتے کہ کوئی مسلمان گھر سے باہر جھانک کر بھی نہ دیکھے۔ اس کے بعد سکھوں کے جتھے حملہ کرتے اور لوگوں کے گھروں میں یا تو آگ لگا دیتے یا انھیں قتل کر ڈالتے، جو بھاگنے کی کوشش کرتے، ان پر فوج گولیاں برساتی اور جو اندر رہتے وہ جل جاتے یا قتل ہو جاتے۔

چھوٹی چھوٹی بستیوں پر جہاں سے مزاحمت کی توقع بہت کم ہوتی، سکھ فوج کی مدد کے بغیر بھی حملہ کر دیتے تھے۔ رات کے وقت ایک ٹولی گاؤں میں داخل ہوتی اور مٹی کا تیل یا پٹرول چھڑک کر چند گھروں کو آگ لگا دیتی۔ لوگ چیختے چلاتے باہر نکلتے تو ان پر گاؤں کے ارد گرد چھپا ہوا جتھہ حملہ کر دیتا۔

سلیم کے گاؤں پر حملہ کرنے والا لشکر جس نے گزشتہ دو دن ارد گرد کی بستیوں میں کوئی قابلِ ذکر نقصان اُٹھائے بغیر نہتوں کے خون سے ہولی کھیلی تھی، اب ایک تلخ حقیقت کا سامنا کر رہا تھا۔ تارا سنگھ اور پٹیل کے ان سُورماؤں کے سامنے لڑنے سے زیادہ قتل کرنے کا پروگرام تھا لیکن ان کے سامنے اب ایک ایسا ہدف تھا جہاں گولیوں کا جواب گولیوں سے ملنے کی توقع تھی۔

لڑائی شروع ہونے سے پہلے ایک سوار گھوڑا بھگاتا ہوا مکان کے پچھواڑے کی طرف نمودار ہوا۔ کوئی دو سو گز کے فاصلے پر اس نے گھوڑا روکا اور ایک لمحہ توقف کے بعد اپنا ایک ہاتھ بلند کرتے ہوئے آہستہ آہستہ آگے بڑھا۔

نچلی چھت پر مٹی کی بوریوں کے مورچوں میں بیٹھے ہوئے آدمی اس کی طرف اپنی رائفلیں سیدھی کر کے بالاخانے سے مجید کے اشارے کا انتظار کر رہے تھے۔

سوار وہی تھانیدار تھا جو ریڈ کلف ایوارڈ کے اعلان کے بعد علاقے میں اکال سینا کے جتھیدار کی حیثیت سے کام کر رہا تھا۔ اس نے قریب آ کر بلند آواز میں کہا۔ "میں صوبیدار مجید سے بات کرنے آیا ہوں!"

مجید نے منڈیر سے باہر جھانک کر اس کی طرف دیکھا اور جواب دیا۔ "آگے مت آؤ، وہیں سے بات کرو!"

جتھیدار نے گھوڑا روکتے ہوئے کہا۔ "میرے ہاتھ خالی ہیں، تم دیکھ سکتے ہو!"

"کہو کیا کہنا چاہتے ہو؟" مجید بولا۔

"میں تمھیں حفاظت سے پاکستان تک پہنچانے کے لیے فوج لے کر آیا ہوں۔ تم اپنے آپ کو فوج کے حوالے کر دو تو تمھاری جانیں بچ سکتی ہیں۔ ورنہ تم دیکھ سکتے ہو کہ اکال سینا کے دو ہزار آدمی چند منٹ میں تمھارے گھر کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے۔"

مجید نے اطمینان سے جواب دیا۔ "تم فوج کو لے جاؤ اور اکال سینا کے ساتھ ہم نپٹ لیں گے!"

جتھیدار نے کہا۔ "مجھے معلوم تھا کہ تم بہت ضدی ہو لیکن اگر تم نے جتھے

www.allurdu.com

کا مقابلہ کیا تو شاید فوج بھی تم پر حملہ کر دے۔ تم جانتے ہو کہ تم زیادہ دیر مقابلہ نہیں کر سکتے۔"

"میں جانتا ہوں کہ فوج جتھے کی راہنمائی کے لیے آئی ہے!"

"صوبیدار! یہ غلط ہے۔ فوج کو میں لایا ہوں اور اس لیے لایا ہوں کہ تمہارے خاندان نے اس سے پہلے علاقے کے سکھوں کی حفاظت کی ہے، تمہارے آدمیوں نے اپنی نیک نیتی کا ثبوت دینے کے لیے اپنی بندوقیں بھی میرے حوالے کر دی تھیں۔ مجھے افسوس ہے کہ کل مجھے بہت دیر کے بعد اطلاع ملی، ورنہ میں کل بھی سکھوں کو حملہ کرنے سے روکتا!"

"تم کل رام چند کے گاؤں میں انھیں روکنے کے لیے گئے تو تھے؟"

جتھیدار بدحواس ہو کر مجید کی طرف دیکھنے لگا اور پھر سنبھل کر بولا "آخر تم کب تک مقابلہ کرو گے۔ باؤنڈری فورس کا کوئی مسلمان سپاہی اس علاقہ میں نہیں!"

"ہم ان کا انتظار کریں گے۔"

"صوبیدار! میں سمجھتا تھا کہ تم سپاہی ہو اور بے فائدہ اپنے آدمیوں کی جانیں گنوانا پسند نہیں کرو گے۔ فوج تمہیں چند منٹ کے اندر اندر ختم کر دے گی اور اس کے بعد عورتوں اور بچوں کا انجام بہت ہی برا ہوگا۔ فوج کا کپتان تمہیں اپنا "ورڈ آف آنر" دینے کے لیے تیار ہے۔ کہو تو میں بھی گرنتھ پر ہاتھ رکھ کر تمہاری حفاظت کا ذمہ لینے کو تیار ہوں!"

مجید نے قدرے سختی سے کہا "تم یا تو خود احمق ہو یا مجھے احمق سمجھتے ہو۔ جاؤ اپنے کپتان سے کہو کہ ہم پیٹھ پر گولیاں کھانے کی بجائے انھیں اپنے سینوں پر روکنے کا فیصلہ کر چکے ہیں اور اسے کہو کہ میں اپنے ہاتھ میں ٹوٹی ہوئی تلوار کو

ساری سکھ قوم کے ورڈ آف آنر پر ترجیح دوں گا!"

جتھے دار نے گھوڑے کی باگ موڑ کر ایڑ لگا دی۔ داؤد نے اپنی رائفل اس کی طرف سیدھی کر دی لیکن مجید نے اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا "نہیں داؤد! وہ ایلچی بن کر آیا تھا۔"

جتھے دار کے واپس لوٹتے ہی حملہ آوروں میں حرکت کے آثار پیدا ہوئے اور آٹھ دس منٹ کے بعد مکان پر گولیوں کی بارش ہونے لگی۔ بارود کی کمی کے پیش نظر مجید اپنے آدمیوں کو ہدایات دے چکا تھا کہ جب تک دشمن اُن کی زد میں نہ آئے، وہ فائر نہ کریں۔ چنانچہ کوئی ایک گھنٹہ تک انھوں نے حملہ آوروں کی گولیوں کا جواب نہ دیا۔

سلیم چند آدمیوں کے ساتھ مسجد کا مورچہ سنبھالے ہوا تھا۔ اچانک اسے ساتھ والے کھیت میں گنوں کے پتے ہلتے ہوئے دکھائی دیے۔ اپنے ساتھیوں کو اس طرف متوجہ کرنے کے بعد اس نے ایک کنکر اٹھا کر باہر کی حویلی میں مویشیوں کے ایک کمرے کی چھت پر پھینکی۔ وہاں سے چند آدمی اس کی طرف متوجہ ہوئے اور اس نے ہاتھ سے کھیت کی طرف اشارہ کر دیا، انھوں نے اگلی چھتوں پر یہ اطلاع پہنچا دی۔ مجید نے بالاخانے کی چھت سے یہ اندازہ لگایا کہ گنوں کے کھیتوں کی طرف سے حملہ آوروں کی ایک اچھی خاصی تعداد اس طرف آ رہی ہے۔ وہ داؤد کو چند ہدایات دینے کے بعد بالائی منزل کی چھت سے نچلی چھت پر آ گیا۔ گولیوں کی بارش میں وہ گھٹنوں کے بل چلتا ہوا اس کونے پر جا پہنچا جو کھیت سے قریب تر تھا۔ سلیم مسجد کی چھت سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ مجید نے اپنے تھیلے سے دستی بم نکال کر اسے دکھایا اور کھیت کی طرف اشارہ کر دیا، اس کے جواب میں سلیم نے بھی اسے دستی بم دکھایا۔

www.allurdu.com

کھیت میں اب پتّوں کے ہلنے کے علاوہ ہلکی ہلکی سرسراہٹ بھی سنائی دے رہی تھی۔ اچانک پندرہ بیس آدمیوں کی ایک ٹولی کھیت کی منڈیر پھاند کر "ست سری اکال" کے نعرے لگاتی ہوئی آگے بڑھی۔

"فائر!" مجید بلند آواز میں چلّایا۔

دس آدمی کھیت سے باہر نکلتے ہی ڈھیر ہو گئے۔ تین آدمیوں نے آگے بڑھ کر دستی بم پھینکنے کی کوشش کی لیکن وہ بھی گولیوں کا نشانہ بن گئے۔ ایک آدمی بم پھینکتے پھینکتے سینے میں گولی کھا کر گرا اور بم اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر پھٹ گیا، اس کے ساتھ ہی اڑھائی تین سو آدمی منڈیر کی آڑ سے نمودار ہوئے مجید نے یکے بعد دیگرے دو دستی بم پھینکے اور وہ پندرہ بیس لاشیں چھوڑ کر چیختے چلاتے پھر کھیت میں جا چھپے۔ مجید کے حکم سے چھت کے مورچوں میں بیٹھے ہوئے آدمیوں نے کھیت میں اندھا دھند فائر شروع کر دیے اور وہاں سے زخمی ہونے والوں کی چیخیں سنائی دینے لگیں۔ گنّوں کے پتوں کی سرسراہٹ اور ٹوٹتے ہوئے گنوں کی آواز سے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ کھیت میں مویشیوں کے ریوڑ بے تحاشا اِدھر اُدھر بھاگ رہے ہیں۔

مسجد کی طرف سلیم کوئی دس گز کے فاصلے پر کھیت کے کونے میں چند آدمیوں کو جمع ہوتے دیکھ چکا تھا۔ جب چھت سے فائر شروع ہوتے تو آدمیوں کی ایک اور ٹولی اس طرف آ گئی۔ پانچ آدمی پیٹ کے بل رینگتے ہوئے کھیت سے باہر نکلے اور اچانک اُٹھ کر باہر کی حویلی کی طرف بھاگنے لگے۔ سلیم کے ساتھیوں نے مسجد کی چھت سے ان پر گولیاں برسائیں۔ دو آدمی گر پڑے، لیکن تیسرے نے گرتے گرتے حویلی کے اندر دستی بم پھینک دیا۔ باقی دو آدمیوں نے دیوار کے قریب پہنچ کر بم پھینکے۔ ایک بم مویشیوں کے ایک

کمرے کی چھت اور دوسرا حویلی کے صحن میں گرا۔ مسجد کی چھت سے یکے بعد دیگرے دو فائر ہوتے اور یہ دونوں سکھ وہیں ڈھیر ہو کر رہ گئے۔ کھیت میں جمع ہونے والے باقی آدمیوں نے باہر آنے کی جرأت نہ کی۔ کسی نے وہاں سے مسجد کی طرف بم پھینکا لیکن وہ مسجد سے چند قدم دُور ہی گر کر پھٹ گیا۔

سلیم نے یکے بعد دیگرے دو بم کھیت میں پھینکے اور ان کے گرتے ہی زخمیوں کی چیخیں اور بھاگنے والوں کا شور سُنائی دینے لگا۔

حملہ آوروں کے فوجی مددگار مغرب کی طرف کوئی ایک فرلانگ کے فاصلے پر مورچے بنا کر اندھا دھند فائر کر رہے تھے۔ اس کا صرف یہ اثر ہوا کہ چند جوشیلے نوجوان جنھوں نے حویلی سے باہر نکل کر کھیت میں چھپنے والوں کا تعاقب کرنے کی کوشش کی، وہ گولیوں کی بوچھاڑ میں آگے نہ جا سکے۔

مجید اور ان کے ساتھی فوج کی گولیوں کا جواب دینے کی بجائے زیادہ تر کھیت کی طرف توجہ دے رہے تھے، کھیت میں جہاں بھی کوئی پتّا ہلتا وہ بے دریغ فائر کر دیتے۔ کھیت میں چھپا ہُوا ایک سکھ چلاّ چلاّ کر اپنے ساتھیوں سے کہہ رہا تھا "گیان، سنگھ، کرتار سنگھ، بڈھا سنگھ یہاں سے بھاگ جاؤ، یہ گاؤں کے لوگ نہیں، اس مکان میں بلوچ رجمنٹ کے سپاہی چھپے ہوئے ہیں۔ ہماری فوج اور پولیس خود پیچھے ہے اور ہمیں آگے کر کے مروا رہی ہے!"

اس کا یہ کہنا تھا کہ کھیت میں مختلف اطراف سے "بلوچ رجمنٹ، بلوچ رجمنٹ" کی آوازیں آنے لگیں۔ تھوڑی ہی میں آس پاس کے تمام کھیتوں میں بکھرے ہوئے آدمی اپنے آدمیوں کو یہ پیغام پہنچا رہے تھے "بلوچ رجمنٹ آ گئی، بلوچ رجمنٹ آ گئی۔ بھاگو یہاں سے۔"

www.allurdu.com

بلوچ[1] رجمنٹ کا نام بموں اور گولیوں سے زیادہ موثر ثابت ہوا۔ تھوڑی

دیر میں آس پاس کے کھیتوں میں زخمیوں کے کراہنے کے سوا کوئی آواز نہ تھی۔

اچانک کا کو عیسائی بھاگتا ہوا آیا اور اس نے پھاٹک کے قریب پہنچ کر بلند آواز میں کہا "ایک جتھہ سکھوں کے محلے کی گلی سے اس طرف آ رہا ہے"۔

حویلی کے اندر جمع ہونے والے آدمیوں نے آن کی آن میں یہ اطلاع مجید تک پہنچا دی۔ وہ پانچ مسلح آدمیوں کو ساتھ لے کر باہر نکلا اور گلی کے موڑ پر سکھوں کے ایک خالی مکان کی چھت پر چڑھ گیا۔ دو آدمی بندوقوں کے ساتھ پہلے ہی اس جگہ پہرا دے رہے تھے۔ مجید نے اپنے تھیلے سے دستی بم نکالے اور ایک ایک بم اپنے ساتھ آنے والوں میں تقسیم کرنے کے بعد کہا "تم گلی کے اگلے موڑ پر منڈیر کی آڑ میں لیٹے رہو، جب تک میں پہل نہ کروں تم بم مت پھینکنا۔ ہماری کوشش یہ ہونی چاہیے کہ وہ آگے نکل جائیں۔ ہمارے پاس بہت تھوڑے بم ہیں۔ اس لیے جہاں رائفلیں کام دے سکیں وہاں انہیں استعمال نہ کرو"۔

یہ ہدایات دے کر مجید ان دو آدمیوں کی طرف متوجہ ہوا جو صبح سے وہاں پہرا دے رہے تھے "تمہیں کسی نے دیکھ تو نہیں لیا؟"

ایک آدمی نے جواب دیا "تھوڑی دیر ہوئی ایک آدمی بیلا سنگھ کے مکان کی چھت پر کھڑا ہو کر یہ کہہ رہا تھا "اس طرف کوئی نہیں"۔ ہم منڈیر کے ساتھ چمٹے ہوتے تھے"۔

لہ جب پاکستان کے حصے کی بیشتر فوج ہندوستان سے باہر پڑی ہوئی تھی تو باؤنڈری فورس میں زیادہ تر بلوچ رجمنٹ مسلمانوں کی نمائندگی کر رہی تھی۔ جب مشرقی پنجاب میں وحشت اور بربریت کا طوفان اپنی انتہا کو پہنچ رہا تھا تو شاید ذاتِ باری نے قوم کا تمام دردِ ان مٹھی بھر سپاہیوں کے سینوں میں بھر دیا تھا۔ یہ سپاہی سڑکوں اور راستوں پر پڑے ہوتے زخمیوں کو اٹھاتے تھے۔ شہروں اور بستیوں کے مسلمانوں کو اکال سینا، راشٹریہ سیوک سنگھ اور ہندوستانی فوج اور پولیس کے محاصرے سے نکال لیتے تھے۔ پناہ گزینوں کی گاڑیوں اور قافلوں کی حفاظت کرتے تھے۔ انھیں اپنی بھوک، پیاس، نیند اور تھکاوٹ کا احساس نہ تھا۔ وہ اپنی قلیل تعداد کے باوجود ہراساں نہ ہوتے۔ سکھوں کے جتھے انھیں دیکھ کر منتشر ہو جاتے۔ جہاں بلوچ رجمنٹ کے پانچ سپاہی پہنچ جاتے، وہاں تارا سنگھ اور پٹیل کے سورماؤں میں بھگدڑ مچ جاتی لیکن ہندوستان کا ڈیفنس منسٹر ایک سکھ تھا اور باؤنڈری فورس کی تشکیل میں اس بات کا خاص لحاظ رکھا گیا تھا کہ مسلمان سپاہیوں کی قلیل تعداد بھی قتل و غارت کے اس پروگرام میں رخنہ انداز نہ ہو جسے پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے مونٹ بیٹن اور ریڈ کلف نے پٹیل اور تارا سنگھ کی سرپرستی کی تھی۔ ان سب باتوں کے باوجود بلوچ رجمنٹ کے سپاہیوں نے جس ایثار و خلوص اور عزم و استقلال کا ثبوت دیا اس کے پیشِ نظر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر پاکستان کی دوسری افواج باہر نہ ہوتیں تو مشرقی پنجاب میں غیر مسلم فوج، پولیس، اکال سینا، سیوگ سنگھ، پٹیالہ، نابھ کپورتھلہ اور دوسری ہندو اور سکھ ریاستوں کے سپاہیوں کے مکمل اتحاد کے باوجود لاکھوں مسلمانوں کو بھیڑوں کی طرح قتل نہ کیا جا سکتا۔ انتقالِ اختیارات میں لارڈ لوئی مونٹ بیٹن کی جلد بازی کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ پاکستان کو اس کے حصے کا اسلحہ اور فوج مل جانے سے پہلے پہلے ہندوستان کی امن پسند حکومت کے جھنڈے کو مسلمانوں کے خون میں تیرنے کا موقع دینا چاہتا تھا۔

www.allurdu.com

مجید نے کہا ”اس نے اگر تمہیں دیکھ نہیں لیا تو وہ گلی کے راستے ضرور آئیں گے۔“

کوئی پانچ منٹ کے بعد مجید کو گلی میں کچھ فاصلے پر پاؤں کی آہٹ سنائی دی۔ اس نے چھت سے سر اٹھا کر دوسرے موڑ کی چھتوں پر لیٹے ہوئے آدمیوں کی طرف دیکھا۔ ان میں سے ایک نے ہاتھ کا اشارہ کیا اور مجید نے اس کے اشارے کا جواب دینے کے بعد پھر اپنا سر نیچے کر لیا اور اپنے قریب لیٹے ہوئے آدمیوں سے کہا ”ہوشیار رہو۔ انشاء اللہ ہم ان سب کو ختم کر دیں گے۔ میرے خیال میں ان کے ساتھ فوج کے سپاہی نہیں ہیں ورنہ یہ چھتوں پر قبضہ کرنے سے پہلے گلی میں نہ گھستے۔“

پاؤں کی آہٹ قریب آ چکی تھی۔ کوئی دو سو کے قریب سکھ دبے پاؤں چلتے ہوئے دونوں موڑوں سے آگے نکل گئے۔ اچانک پیچھے سے بھاگتے ہوئے آدمیوں کی ایک ٹولی آئی اور کسی نے بلند آواز میں کہا ”آگے مت جاؤ۔ آگے مت جاؤ۔ وہاں بلوچ رجمنٹ ہے۔“

”بلوچ رجمنٹ۔ بلوچ رجمنٹ۔“ گلی کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک یہ آواز پہنچ گئی۔ سکھ ایک لمحہ کے لیے ٹھٹک کر ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔

مجید نے اپنے ساتھیوں کی طرف اشارہ کیا۔ ایک نوجوان نے گلی میں پچھلی طرف چند قدم دور دستی بم پھینک دیا اور باقی آدمیوں نے رائفلوں سے فائر شروع کر دیے۔ جتھے کے جو آدمی پیچھے تھے، وہ ”بلوچ رجمنٹ“ کے نعرے لگاتے ہوئے اُلٹے پاؤں بھاگے اور جو آگے تھے وہ یہ سمجھ کر کہ بلوچ رجمنٹ پیچھے سے آ رہی ہے۔ ایک دوسرے کو دھکیلتے اور شور مچاتے

ہوئے آگے کی طرف بھاگے۔ مجید کے ساتھی چھتوں پر سے گولیاں برساتے ہوئے ان کے ساتھ ساتھ آ رہے تھے۔ جب وہ دوسرے موڑ سے آگے نکلے تو مجید نے ایک بم پھینک دیا اور اس کے ساتھ باقی دو آدمیوں نے بھی فائر شروع کر دیے۔

سکھ بڑ کے نیچے کھلی جگہ پر پہنچے تو سلیم نے مسجد کی چھت سے دستی بم پھینکا۔ اس کے ساتھیوں نے فائر کیے اور اس کے ساتھ ہی برچھیوں، تلواروں اور لاٹھیوں سے مسلح مسلمانوں کا ہجوم حویلی کی دیوار پھاند کر ان پر ٹوٹ پڑا اور آن کی آن میں لاشوں کے ڈھیر لگا دیے۔ چند سکھوں نے حویلی کے شمال کی طرف سے گلی کے راستے بھاگنے کی کوشش لیکن بالاخانے سے داؤد نے ایک دستی بم پھینکا اور دوسرے آدمیوں نے نچلی چھت سے اینٹیں برسانا شروع کر دیں۔ پچاس سکھ بدحواسی کی حالت میں جوہڑ میں کود پڑے۔ ان میں سے بہت کم ایسے تھے جو گولیوں سے بچ کر دوسرے کنارے پہنچنے میں کامیاب ہوئے۔

دوسری طرف ملٹری اور پولیس اصل محاذ سے منہ پھیر کر اکال سینا کی منتشر ٹولیوں کو جمع کرنے کے لیے دوڑ دھوپ کر رہی تھی۔ جتھیدار انھیں پنتھ کی عزت کا واسطہ دے رہا تھا۔ فوجی انھیں بزدلی کے طعنے دے رہے تھے۔ وہ بڑی مشکل سے گاؤں سے ایک میل دور جمع ہوئے۔ سکھ کپتان اور جتھیدار گرنتھ پر ہاتھ رکھ کر قسم کھانے کے لیے تیار تھے کہ اس علاقے میں بلوچ رجمنٹ کا ایک سپاہی بھی نہیں آیا لیکن سکھ ان کی باتوں پر یقین کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ نہنگوں کے جتھے کا لیڈر بہت جوش میں تھا اور وہ کہہ رہا تھا کہ ”ہم نے فوج کی بزدلی کی وجہ سے نقصان اٹھایا ہے۔“ ابھی بحث

www.allurdu.com

ہو رہی تھی کہ گلی کے راستے حملہ کرنے والے جتھے کے بچے کھچے آدمی بھی ان کے ساتھ آملے۔

اُن میں سے ایک آدمی نے جس کے دو بھائی مارے جا چکے تھے، اس بحث میں حصّہ لیتے ہوئے کہا۔ ”کپتان صاحب! تم کہتے ہو کہ ان کی حویلی میں بلوچ رجمنٹ کا کوئی سپاہی نہیں لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ سکھوں کے تمام گھروں پر بھی ان کا قبضہ ہے۔ ہم وہاں کئی سو لاشیں چھوڑ کر آئے ہیں۔“ اس کے ساتھیوں نے اس بیان کی تصدیق کی تو باقی سکھ کپتان اور جتھیدار کے سر ہو گئے۔

ایک گیانی نے کہا۔ ”تم لوگ ہمیں مروا رہے ہو، اگر وہاں بلوچ رجمنٹ نہیں تو تم آگے کیوں نہیں جاتے؟ ہم سینکڑوں آدمی مروا چکے ہیں اور تم ابھی تک ان کے مکان کی دیواروں پر نشانہ بازی کر رہے ہو!“

کپتان نے جھلّا کر کہا۔ ”میں گورو گرنتھ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ صرف دو گھنٹے کے اندر اندر اس گاؤں کو مٹی کا ڈھیر بنا دوں گا۔ میں اپنے آدمیوں کو مشین گن اور مارٹر لانے کے لیے بھیج رہا ہوں۔“

دوپہر کے وقت سکھ گولیوں کی زد سے دور درختوں اور جھاڑیوں کی چھاؤں میں جمع ہو رہے تھے، فوج اور پولیس کے سپاہی اپنے مورچوں میں بیٹھ کر اکّا دکّا گولیاں برسا رہے تھے۔ مجید بالاخانے کی چھت سے ایک جیپ کو واپس جاتے دیکھنے کے بعد کافی پریشان تھا۔ اس کے ساتھی جو اِدھر اُدھر پڑے ہوئے زخمیوں کی تین اسٹین گنیں، چار رائفلیں اور آٹھ دستی بم حاصل

کر چکے تھے، اپنی گذشتہ کامیابی پر بہت خوش تھے۔

پانچ بجے کے قریب سلیم مسجد کی چھت سے اُتر کر مجید کے پاس پہنچا اور کہنے لگا۔ ”مجید ایک جیپ واپس چلی گئی ہے۔“

ہاں میں دیکھ چکا ہوں۔ اب وہ بہت کچھ لے کر آئیں گے، اب ہماری جنگ سکھوں سے نہیں بلکہ ہندوستانی فوج سے ہو گی اور ان سے بعید نہیں کہ وہ ہمارے مکان کو اس علاقے کا سٹالن گراڈ سمجھ کر ٹینک اور ہوائی جہاز بھی میدان میں لے آئیں۔“

سلیم نے کہا۔ ”شاید مسلمان سپاہیوں کا کوئی دستہ اس طرف آنکلے۔“

داؤد بولا۔ ”اگر اس بات کا کوئی امکان ہوتا تو وہ اس طرح اطمینان سے بیٹھ کر فائر نہ کرتے۔ اب ہم کب تک لڑیں گے!“

مجید نے اطمینان سے جواب دیا۔ ”جب تک فتح حاصل نہیں ہوتی۔“

داؤد ایک مغموم مسکراہٹ کے ساتھ مجید کی طرف دیکھنے لگا۔

مجید پھر بولا۔ ”میں سچ کہتا ہوں داؤد۔ میں آخری فتح کے لیے لڑ رہا ہوں۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ فتح کب ہو گی، کہاں ہو گی، لیکن میرا ایمان ہے کہ وہ جھنڈا جو ہم نے چچا اسماعیل کی قبر کے سرہانے گاڑا ہے، کبھی سرنگوں نہیں ہو گا۔ داؤد تمہیں یاد ہے، ایک دفعہ سکول میں میری اور تمہاری لڑائی ہوئی تھی۔ میں تم سے کمزور تھا لیکن مار کھانے کے باوجود میں پیچھے نہ ہٹا، بالآخر میری ضد نے تمہیں پریشان کر دیا۔“

داؤد نے کہا۔ ”کاش! ہماری قوم بھی اس قدر ضدی ثابت ہو!“

سلیم نے کہا۔ ”قوم کو اپنی بقا کے لیے ضدی بننا پڑے گا!“

مجید نے سوال کیا۔ ”سلیم ہمارے آدمی بہت پریشان تو نہیں؟“

www.allurdu.com

"پریشان تو ہیں، وہ بار بار پوچھتے ہیں کہ اب کیا ہوگا؟"

"انھیں کہو اب لڑائی ہوگی!"

سلیم نے کہا "بعض آدمی یہ کہہ رہے ہیں کہ شاید بٹالہ میں مسلمان سپاہیوں کا کوئی دستہ ہو، ہمیں وہاں اطّلاع بھجوانے کی کوشش کرنی چاہیے۔"

مجید بولا "بٹالہ کے اردگرد مسلمانوں کے سینکڑوں گاؤں ہیں۔ یہ طوفان جو ہم یہاں دیکھ رہے ہیں، وہاں بھی ہوگا۔ اگر وہاں مسلمان سپاہی ہوتے بھی تو وہ ہم سے زیادہ نہتے اور بے بس مسلمانوں کو چھوڑ کر نہیں آئیں گے۔ تم گھبرا تو نہیں گئے سلیم؟"

سلیم کا چہرہ تمتما اُٹھا۔ اس کی پیشانی کی رگ اُبھر آئی۔ ایک لمحہ توقّف کے بعد وہ بولا "نہیں مجید میں گھبراتا نہیں۔ ہماری رگوں میں ایک ہی دادا کا خون ہے۔ میں تم سے یہ کہنے آیا تھا کہ ہم دشمن کو زیادہ تباہی کا موقع دینے کی بجائے ان پر حملہ کیوں نہ کر دیں۔ اس وقت لوگوں کے حوصلے بڑھے ہوئے ہیں۔ اگر ہم حملہ کر کے فوج کے سپاہیوں کو مار بھگائیں تو جتھا دوبارہ اس طرف دیکھے گا بھی نہیں۔ مجھے اجازت دو میں چند آدمیوں کے ساتھ شمال کی طرف سے کھیتوں میں چھپ کر ان کے مورچے پر حملہ کرتا ہوں۔ تم انھیں فائر کر کے اپنی طرف متوجہ رکھو۔"

مجید نے مسکرا کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا اور کہا "سلیم! بعض اوقات مورچے کے اندر بیٹھ کر لڑنا، باہر نکل کر حملہ کرنے سے زیادہ صبر آزما ہوتا ہے۔ میں جانتا ہوں میرا بھائی سینے پر گولی کھا سکتا ہے لیکن آج بہادری کی بجائے تمہارے صبر و استقلال کا امتحان ہے۔ آج جوش سے زیادہ ہمیں ٹھنڈے دماغ کی ضرورت ہے۔ فرض کرو کل ہم یہاں پہنچتے ہی

دشمن پر ٹوٹ پڑتے تو اس کا نتیجہ کیا ہوتا؟ سلیم ہمارے پاس بندوقیں چلانے والے آدمی بہت کم ہیں، بارود بہت تھوڑی ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ ہماری ایک گولی بھی رائیگاں جائے۔ ہمارا پہلا اور آخری مقصد زیادہ سے زیادہ دیر تک اس مورچے کی حفاظت ہے۔"

داؤد نے کہا "لیکن اگر فوج سچ مچ مارٹر یا آرمرڈ کاریں لے کر آ گئی تو؟"

مجید نے جواب دیا "ہم لڑیں گے۔ ہم ٹوٹی پھوٹی دیواروں کے پیچھے بیٹھ کر لڑیں گے۔ ہم گرتی ہوئی چھتوں پر لیٹ کر فائر کریں گے!"

داؤد نے دبی ہوئی آواز میں کہا "لیکن اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟"

"تمہیں ابھی تک معلوم نہیں اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ دیکھو ہماری وجہ سے دو اڑھائی ہزار آدمیوں کا جتھا اور فوج کے چالیس پچاس آدمی وہاں رُکے ہوئے ہیں۔ اگر ہم انھیں نہ روکتے تو یہ صبح سے اب تک مسلمانوں کی کتنی بستیاں تباہ کر چکے ہوتے۔ وہ گولیاں جو ہمارے مکان کی دیواروں سے ٹکرا رہی ہیں، ہزاروں بچّوں، عورتوں اور بوڑھوں کے سینے چھلنی کرتیں۔ ہم اس طوفان کو روک کر اس علاقے کے ہزاروں مسلمانوں کو پاکستان کی طرف بڑھنے کا موقع دے رہے ہیں۔ تم سُن چکے ہو کہ بیاس کے اس پار سے بھی مسلمانوں کے قافلے آ رہے ہیں۔ اگر ہم انھیں چند گھنٹے اور روک سکیں تو وہ راوی تک پہنچ جائیں گے۔"

سلیم نے کہا "مجید! کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ اگر موقع ملے تو ہم رات کے وقت سکھوں کے کسی گاؤں پر جوابی حملہ کر دیں۔"

مجید نے مسکرا کر کہا "اب تم ایک سپاہی کی طرح بات کر رہے ہو۔ ہم یقیناً حملہ کریں گے۔ بادل آ رہے ہیں، خدا کرے رات کے وقت آسمان

www.allurdu.com

صاف نہ ہو۔"

نچلی چھت سے بشیر نے آواز دی۔ "مجید سڑک پر دو جیپیں آرہی ہیں۔"

مجید، داؤد اور سلیم گھٹنوں کے بل نیچے ہوکر منڈیر کے اوپر سے جھانکنے لگے۔ جیپیں سڑک سے اتر کر گاؤں کا رُخ کر رہی تھیں۔ مجید نے کہا۔ "سلیم! تم سب اپنے اپنے مورچوں میں جاؤ۔"

جیپیں مکئی کے کھیت کے پیچھے رُکیں اور سپاہیوں نے اترتے ہی مارٹروں کے ساتھ گولہ باری شروع کر دی۔ جتھے کے آدمی جو دُور دُور بیٹھے ہوئے تھے، اُٹھ کر مختلف ٹولیوں میں اِدھر اُدھر پھیل گئے۔ مورچوں میں بیٹھے ہوئے سپاہیوں میں سے پندرہ آدمی اٹھ کر جتھے والوں کی ٹولیوں کے ساتھ جا ملے۔

ایک گھنٹہ کی بے تحاشا گولہ باری سے وہ دونوں حویلیوں کے چند کمروں کو پیوندِ زمین کر چکے تھے، بعض دیواروں اور چھتوں میں شگاف پڑ گئے تھے۔ عورتوں اور بچوں سے بھرے ہوئے دو کمروں کی چھتیں اڑ گئی تھیں اور مرد زخمیوں کو نکال رہے تھے۔

مجید نے اپنی گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "داؤد ابھی چھ بجے ہیں ہم شام کے اندھیرے میں حملہ کر کے ان کے مارٹر چھین سکیں گے۔ اگر مکئی کا وہ کھیت الگ تھلگ نہ ہوتا تو میں اس وقت بھی کوشش کرتا۔"

داؤد نے جواب دیا۔ "شام تک شاید ان مکانوں کی کوئی دیوار بھی سلامت نہ رہے!"

حویلی کے صحن میں یکے بعد دیگرے چند بم گرنے سے آدمیوں میں

کھلبلی مچ گئی۔ یہاں سے بھاگو! یہاں سے بھاگو! بعض آدمی کمروں کے دروازے کھول کھول کر عورتوں اور بچوں کو آوازیں دینے لگے۔ ایک جگہ دیوار میں شگاف پڑ گیا تھا۔ چیختے چلاتے آدمیوں کا ایک ہجوم باہر نکلا تو مسجد کی چھت سے سلیم چلّایا۔ "اس طرف مت آؤ، پیچھے ہٹ جاؤ۔" لوگوں نے اس کی آواز نہ سنی لیکن سکھوں کے ایک مکان کی چھت سے گولیوں کی بوچھاڑ نے انھیں الٹے پاؤں لوٹنے پر مجبور کر دیا۔

مجید بالاخانے کی چھت سے نچلی چھت پر آکر چلّا رہا تھا۔ "لیٹ جاؤ، خدا کے لیے زمین پر لیٹ جاؤ!"

جنوب کی طرف مویشیوں کا ایک کمرہ گر جانے سے گنّوں کے کھیت کی طرف نکلنے کا راستہ پیدا ہو گیا تھا۔ جب حویلی میں چند اور بم گرے تو لوگ بدحواس ہو کر اس راستے سے نکلنے لگے۔ فوج نے اپنے مورچے سے گولیوں کی بوچھاڑ کی اور کئی عورتیں اور بچے ڈھیر ہو گئے۔

سلیم چلّایا۔ "پیچھے ہٹ جاؤ! پیچھے ہٹ جاؤ!"

مجید نیچے اتر کر بھاگتا ہوا حویلی میں داخل ہوا۔ اس کے قمیص کی بائیں آستین خون سے بھیگی ہوئی تھی۔ خوف سے چیختی چلّاتی عورتیں اور بچے اور زخموں سے کراہتے ہوئے آدمی اس کے گرد جمع ہو گئے۔

مجید نے دونوں ہاتھ بلند کرتے ہوئے کہا۔ "دیکھو تم مفت میں جانیں گنوا رہے ہو۔ خدا کے لیے آس پاس کی دیواروں کے ساتھ لیٹ جاؤ!"

لوگوں نے اس کے حکم کی تعمیل کی۔ ایک کمسن لڑکی مجید کے پاؤں کے قریب لیٹ گئی۔ مجید نے اسے اُٹھا کر کھُرلی میں لٹا دیا اور پھر لوگوں کی

طرف متوجہ ہوکر بولا" دیکھو، اگر ہمیں کسی کے بچ نکلنے کی امید ہوتی تو میں تمہیں منع نہ کرتا۔ انھوں نے چاروں طرف سے گاؤں کو گھیر رکھا ہے۔ ہمیں شام کی تاریکی کا انتظار کرنا پڑے گا۔ بندوقیں چلانے والے چند آدمی زخمی ہوگئے ہیں۔ تم میں سے جو بندوقیں چلانا جانتے ہیں، وہ میرے ساتھ آئیں اور باقی اپنی جگہ سے نہ ہلیں۔"

ایک چارسالہ بچہ اٹھ کر آگے بڑھا اور اپنی توتلی زبان میں بولا" تھویدا تم بھی تھکوں کو دولے مار دنا۔ وہ دولے مارتے ہیں۔ تم کیوں نہیں مارتے؟"

"ہم بھی ماریں گے۔" مجید نے گھٹی ہوئی آواز میں کہا۔ لوگ اس آہنی انسان کی آنکھوں میں آنسو دیکھ رہے تھے۔ جو گولیوں اور بموں کی بارش میں کھڑا مسکرا سکتا تھا۔

شام کے سات بجے یہ لوگ شکستہ چھتوں پر چڑھ کر اور ٹوٹی ہوئی دیواروں کی آڑ لے کر دشمن پر گولیاں برسا رہے تھے۔ سکھوں نے یہ سمجھ کر حملہ کیا تھا کہ ان کی قوتِ مدافعت گرے ہوئے مکانوں کے ملبے کے اندر دب چکی ہے لیکن مسلمانوں نے پھر ایک بار حرارتِ ایمانی کا ثبوت دیا اور حملہ آور پیچھے ہٹ گئے۔

یوسف بم کے ریزے لگنے سے بری طرح مجروح ہو چکا تھا اور گھر کی عورتیں اسے اٹھا کر دالان کے اندر لے گئی تھیں۔ دالان کی چھت کے ایک کونے میں شگاف ہو چکا تھا۔

جوں جوں شام نزدیک آ رہی تھی، حویلی کے گرد حملہ آوروں کا گھیرا

تنگ ہوتا جا رہا تھا۔ مسجد کی ایک دیوار ٹوٹ چکی تھی اور اس کے ساتھ چھت کی چند کڑیاں بھی نیچے گر چکی تھیں۔ چھت کے دوسرے کونے میں سلیم اور اس کے ساتھی ابھی تک اپنے مورچے کے اندر ڈٹے ہوئے تھے۔

مجید چند آدمیوں کے ساتھ حملے کی تیاریاں کرنے کے بعد باقی آدمیوں کو ہدایات دے رہا تھا۔ اچانک سلیم نے آواز دی" مجید سڑک کی طرف سے ایک چھوٹا سا ٹینک آ رہا ہے!"

تھوڑی دیر کے لیے مجید کے منہ سے آواز نہ نکل سکی۔ بالآخر اس نے گھٹی ہوئی آواز میں کہا" ٹینک نہیں ہو سکتا۔ ٹھہرو میں دیکھتا ہوں۔"

داؤد نے آگے بڑھ کر کہا" نہیں مجید تم ٹھہرو، میں درخت پر چڑھ کر دیکھتا ہوں۔" داؤد باہر نکل کر بڑ کے درخت پر چڑھا اور وہیں سے بولا" شاید برین کیریر ہے۔"

مجید اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہوکر بولا" اب ہم شام کی تاریکی کا انتظار نہیں کر سکتے۔"

اوپر سے داؤد پھر بولا" فوج کے سپاہی برین کیریر کی طرف دوڑ رہے ہیں۔ وہ اسے ڈھال بنا کر یہاں تک پہنچیں گے!"

مجید بولا" داؤد تم جلدی نیچے اتر آؤ۔"

داؤد اور فوج کے دوسرے تربیت یافتہ آدمیوں سے تھوڑی دیر مشورہ کرنے کے بعد مجید نے کہا" میں صرف چار آدمیوں کو اپنے ساتھ لے کر جاتا ہوں۔ سٹین گنیں ہمیں دے دو۔ ہم برین کیریر کو روکنے کی کوشش کریں گے۔ تم سب یہیں رہو اور یاد رکھو، بہادری کی موت بزدلی کی موت سے بہتر ہے۔ سکھوں کا یہ حملہ آخری ہوگا۔ اگر ہم نے انھیں پسپا کر دیا تو رات

www.allurdu.com

کے وقت یہاں سے چند آدمیوں کے زندہ بچ کر نکل جانے کا امکان ہے۔ جب تک میں واپس نہیں آتا، میری جگہ جمعدار عنایت علی لے گا!"

عنایت علی دن بھر کی لڑائی میں یہ ثابت کر چکا تھا کہ وہ حکم ماننا اور حکم دینا جانتا ہے۔

ایک بکتر بند گاڑی گنوں کے کھیت کے قریب سے گزر رہی تھی اور پندرہ بیس پیادہ سپاہی اس کے پیچھے پیچھے پیدل آ رہے تھے۔ جونہی گاڑی کھیت کے ایک کونے کے پاس پہنچی، مجید تیزی کے ساتھ بھاگتا ہوا کھیت سے باہر نکلا۔ دو آدمیوں نے فائر کیے، ایک گولی مجید کی ران اور دوسری بازو میں لگی لیکن اتنی دیر میں اس نے گاڑی کے قریب پہنچ کر بم پھینکا اور زمین پر لیٹ گیا۔ بم کیریئر کے اوپر پڑا۔ پیشتر اس کے کہ اس کے ساتھ پیدل آنے والے آدمی مجید کی طرف متوجہ ہوتے، داؤد اور دوسرے آدمی نے جو کھیت کی منڈیر کے پیچھے لیٹے ہوئے تھے، سٹین گنوں سے گولیوں کی بارش شروع کر دی اور چند سیکنڈ میں سات آٹھ آدمی ڈھیر کر دیے۔ مجید نے لیٹے لیٹے دوسرا بم پھینکا اور پسپا ہونے والے آدمیوں میں سے تین کو اور گرا لیا۔ باقی آدمی بھاگ کر پندرہ بیس گز دور پانی کی کھائی میں لیٹ گئے۔ بکتر بند گاڑی بے تحاشا اِدھر اُدھر بھاگ رہی تھی۔ مورچے میں بیٹھے ہوئے چند آدمی اٹھ کر گاڑی کا پیچھا کر رہے تھے۔ گاڑی کوئی دو سو گز شیشم کے درختوں کے ایک جھنڈ میں جا پھنسی۔ پانی کی کھائی میں لیٹے ہوئے سپاہی مجید کی طرف گولیاں چلا رہے تھے۔ کھیت سے کوئی دس قدم کے

فاصلے پر مجید کی ہمت جواب دے گئی اور اس نے زمین پر سر ٹیک دیا۔ داؤد نے اپنے ساتھی سے کہا "مجید زخمی ہے، میں جاتا ہوں، تم ان پر فائر کرتے رہو"۔

داؤد زمین پر رینگتا ہوا مجید کے قریب پہنچا۔ مجید چلایا "داؤد تم جاؤ وقت ضائع نہ کرو"۔ لیکن داؤد نے اس کا بازو پکڑ کر اس کی بغل میں اپنا سر دے دیا اور دوسرا ہاتھ اس کی کمر میں ڈال کر اسے اپنے ساتھ گھسیٹنے لگا۔ چند گولیاں مجید کے سر کے بالوں چھوتی ہوئی گزر گئیں۔ ایک گولی داؤد کے بازو کے ساتھ مس کرتی ہوئی گزر گئی۔ جونہی وہ کھیت میں داخل ہوئے، سکھ شور مچانے لگے "دیکھو وہ صوبیدار ہے، بھاگنے نہ پائے۔ اس کا پیچھا کرو!"

تھوڑی دیر میں آس پاس سے جتھے کے آدمیوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔

"صوبیدار کھیت میں ہے۔ دیکھو نکلنے نہ پائے!"

داؤد نے مجید کو اٹھا کر اپنی کمر پر ڈال لیا اور اپنے ساتھی سے کہا "تم یہیں سے پانچ منٹ تک اکا دکا فائر کرتے رہو!"

داؤد کو چاروں طرف سے آدمیوں کی آوازیں آ رہی تھیں اور مجید کو لٹانے کے لیے اسے کوئی جگہ بھی محفوظ نظر نہیں آتی تھی۔ وہ گنوں کے ایک کھیت سے نکل کر دوسرے اور تیسرے کھیت میں جا پہنچا۔ مجید کہہ رہا تھا "داؤد! خدا کے لیے مجھے چھوڑ دو، تم جاؤ"۔ لیکن وہ چلتا رہا۔ رہٹ کے قریب پہنچ کر امرود کے باغ کے آس پاس خاموشی تھی، داؤد نے اسے وہاں اتار کر زمین پر لٹا دیا اور اپنی پگڑی پھاڑ کر اس کی ران اور بازو پہ پٹیاں باندھ دیں۔

www.allurdu.com

اچانک مجید چلّایا "سنو بے وقوف! وہ مشین گن چلا رہے ہیں۔ کاش ہم برین کیریر پر قبضہ کر سکتے!"

داؤد نے اُٹھ کر اپنی اسٹین گن اٹھائی اور گاؤں کی طرف بھاگنے لگا۔

مجید اور داؤد کے باہر نکلتے ہی لوگ یہ محسوس کرنے لگے تھے کہ صورتِحال خطرناک ہے۔ عنایت علی نیم شکستہ چھت سے بکتر بند گاڑی پر داؤد اور مجید کے حملے کے نتائج دیکھ رہا تھا۔ جب گاڑی بے قابو ہو کر درختوں میں جا پھنسی تو وہ "آفرین! آفرین!" کہتا ہوا نیچے اُترا اور سہمے ہوئے آدمیوں کی طرف متوجہ ہوا۔ "دشمن کا سب سے بڑا ہتھیار بے کار ہو چکا ہے، اب تم جوابی حملے کے لیے تیار ہو جاؤ!"

دوسری طرف سلیم اور اس کے ساتھی نعرے لگا رہے تھے۔ تھوڑی دیر کے لیے دشمن کے مارٹروں پر بھی خاموشی چھا گئی اور لوگ یہ سمجھنے لگے کہ سب سے بڑا خطرہ ٹل چکا ہے لیکن دس منٹ کے بعد گولہ باری پھر شروع ہو گئی۔ اچانک سلیم نے آواز دی "ہوشیار! ہوشیار! وہ پھر آ رہا ہے۔"

عنایت علی دوبارہ بھاگتا ہوا چھت پر چڑھا، برین کیریر کو واپس آتے دیکھ کر وہ ایک لمحہ کے لیے مبہوت سا ہو کر رہ گیا۔ کیریر کے پیچھے آدمیوں کا ہجوم نعرے لگاتا ہوا آ رہا تھا۔ عنایت علی نے مڑ کر آس پاس کی دیواروں اور چھتوں سے باہر جھانکنے والے آدمیوں کو دیکھا اور بلند آواز میں کہا "ہمیں ہر قیمت پر اُسے روکنا ہے۔" اس نے سیڑھی کے راستے

نیچے اترنے کی بجائے ساتھ والے کمرے کے ملبے کے ڈھیر پر چھلانگ لگا دی لیکن اس کے ساتھ ہی ایک بم گرا اور آن کی آن میں ایک کونے سے دوسرے کونے تک یہ آواز پہنچ گئی "جمعدار شہید ہو گیا ہے۔" لوگوں میں بھاگڑ مچ گئی۔

آفتاب ٹوٹتے ہوئے بازوؤں اور ڈوبتے ہوئے حوصلوں کا آخری منظر دیکھنے کے بعد روپوش ہو چکا تھا۔ شام کے دھندلکے پر رات کی سیاہی غالب آ رہی تھی۔ بکتر بند گاڑی مشین گن سے آگ کے شعلے اُگلتی ہوئی آگے بڑھی "پنتھ کی جے، خالصتان کی جے، واہگورو جی کی فتح" کے نعرے بلند ہوئے۔ حملے کا بگل بجا اور وحشت اور بربریت کا سیلاب چاروں طرف سے پھوٹ نکلا۔

اقوامِ ایشیا کی راہنمائی کا دعویٰ کرنے والی سلطنت کی سرپرستی میں لڑنے والا لشکر بالآخر اپنے حریف پر غالب آ چکا تھا۔ سکھوں کی کرپانوں کے لیے بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کی گردنوں تک پہنچنے کا راستہ صاف ہو چکا تھا۔ ہندوستانی فوج کے سُورما نہتوں کے سینوں کو اپنی گولیوں کا ہدف بنانے میں کامیاب ہو چکے تھے۔

حویلی کے اندر داخل ہونے والے حملہ آور اِدھر اُدھر بھاگتے ہوئے لوگوں کا قتلِ عام کر رہے تھے۔ گاؤں کی تمام گلیوں کے راستے بند پا کر بھاگنے والے گنوں کے کھیت کا رُخ کر رہے تھے لیکن بہت کم ایسے تھے جو مشین گن کی گولیوں سے بچ کر نکل سکے۔

مسجد کی چھت سے سلیم اور اس کے دو ساتھیوں کی گولیاں پھاٹک کی طرف سے آگے بڑھنے والوں کو روکے ہوئے تھیں لیکن سلیم کے

www.allurdu.com

کے تھیلے میں صرف چند گولیاں باقی تھیں۔ اس نے میگزین میں آخری راؤنڈ بھر کے بعد سنگین چڑھاتے ہوئے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔ "میرے پاس صرف ایک دستی بم ہے۔ میں برین کیریر پر حملہ کرنے جا رہا ہوں۔ جب تک وہ بیکار نہیں ہوتا، سکھ میدان نہیں چھوڑیں گے!"

سلیم کے ایک ساتھی نے کہا، "تمہیں جان گنوانے کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوگا!"

"اب میری جان کی کیا قیمت ہے؟"

"لیکن تم کیسے اترو گے؟ سکھ چاروں طرف سے ہماری تاک میں ہیں۔ تم صرف گنوں کے کھیت کی منڈیر کے پیچھے چھپ کر وہاں تک پہنچ سکتے ہو لیکن مشین گن کے فائر میں تم کھیت تک نہیں پہنچ سکتے۔"

"میں جوہڑ کے کنارے کنارے سرکنڈے کی آڑ لے کر جا سکتا ہوں۔ مجھے اپنی پگڑی دو!"

ایک ساتھی نے اپنی پگڑی اتار دی اور سلیم نے جلدی سے ماتھے کے سکھوں کی طرح ڈھاٹہ باندھ لیا۔

دوسرے ساتھی نے سوال کیا۔ "لیکن تم اترو گے کیسے؟ وہ تمہیں دیکھتے ہی فائر کر دیں گے۔" سلیم اس کے سوال کا جواب دینے کی بجائے پیٹ کے بل رینگتا ہوا مٹی کی بوریوں کے مورچے سے نکلا اور چھت کے دوسرے کونے میں شگاف کے قریب پہنچ کر بولا۔ "رحیم بخش! میں یہاں سے نیچے کودتا ہوں، تم میری رائفل پگڑی کے ساتھ باندھ کر نیچے لٹکا دو!"

"نہیں سلیم! تم اندر جا کر دروازے کے راستے نکلو گے تو کنوئیں کی منڈیر کے پیچھے چھپے ہوئے آدمی تم پر حملہ کر دیں گے!"

سلیم کچھ کہنے کو تھا کہ اس کے پاؤں کے پاس کوئی چیز گری۔ "بم!" اس کا ساتھی چلایا اور سلیم نے کسی توقف کے بغیر جھپٹ کر بم پکڑا اور چھت سے نیچے پھینک دیا۔ بم زمین پر پہنچنے سے پہلے ہی پھٹ گیا۔ اس کے بعد سلیم نے ایک لمحہ کے لیے تذبذب کی حالت میں اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا اور اچانک ایک کڑی میں ہاتھ ڈال کر اندر لٹک گیا۔ اوپر سے ایک آدمی نے اس کی رائفل پگڑی کے ساتھ باندھ کر لٹکا دی، وہ تاریکی میں ہاتھ پھیلا کر اسے ڈھونڈ رہا تھا کہ چھت پر ایک دھماکہ ہوا۔ کوئی وزنی شے اس کے سر پر لگی اور وہ لڑکھڑاتا ہوا ایک طرف جا گرا۔

حویلی میں ابھی تک ایسے سرفروشوں کا گروہ موجود تھا جو آخری دم تک لڑنے کا فیصلہ کر چکے تھے۔ یہ لوگ ابھی تک ٹوٹی ہوئی دیوار کی آڑ لے کر بندوقیں چلا رہے تھے۔ چند آدمی شکستہ چھتوں اور دیواروں کے اوپر لیٹ کر اینٹیں پھینک رہے تھے۔ غلام حیدر نے بلند آواز میں کہا۔ "مسلمانو! آؤ انہیں دکھا دیں کہ بہادر کس طرح مرتے ہیں اور" "اللہ اکبر" کا نعرہ لگاتا ہوا باہر نکل آیا۔ اس کے ساتھ پچاس ساٹھ آدمی جن میں سے زیادہ تر سکھوں سے چھینی ہوئی کرپانوں اور برچھیوں سے مسلح تھے، باہر نکل کر دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ ان کے پرجوش حملے نے پھر ایک بار سکھوں کے پاؤں اکھاڑ دیے لیکن یہ بجھتے ہوئے چراغ کی لو تھی۔ فوج کی راہنمائی میں سکھوں کے ایک اور گروہ نے مغرب اور شمال کی سمتوں سے گری ہوئی دیواروں کو عبور کر کے حویلی پر دھاوا بول دیا۔

ایک ٹولی عورتوں اور بچوں سے بھرے ہوئے کمروں پر پٹرول چھڑک کر آگ لگا رہی تھی۔ باہر نکل کر لڑنے والے آدمیوں نے آگ کے شعلے دیکھے تو الٹے پاؤں مکانوں کی طرف بھاگے۔

www.allurdu.com

وہ چلّا رہے تھے۔ "میری ماں، میری بیوی، میرے بچے، میری بہنیں! اور اس کے جواب میں وہ آگ کے شعلوں کو دیکھ رہے تھے۔ آگ میں جلنے والوں کی چیخیں سُن رہے تھے۔

حملہ آوروں نے ماؤں، بہنوں، بیویوں، بچوں اور زخمیوں کو آوازیں دینے والوں کو تھوڑی دیر میں ہمیشہ کے لیے خاموش کر دیا لیکن آگ دیر تک جلتی رہی، چیخیں دیر تک سُنائی دیتی رہیں اور آگ لگانے والے ان چیخوں کا جواب قہقہوں سے دیتے رہے اور پھر وہ نعرے لگا رہے تھے۔ "پنتھ کی جے، خالصتان کی جے۔"

آسمان پر کہیں کہیں بادل کی پھٹی ہوئی ردا سے جھانکنے والے ستارے آپس میں سرگوشیاں کر رہے تھے۔ "پنتھ کی جے" نہیں "پٹیل کی جے، خالصتان کی جے" نہ کہو "مونٹ بیٹن" اور "ریڈ کلف کی جے" کہو!

سلیم نے ہوش میں آ کر آنکھیں کھولیں۔ وہ مسجد کے صحن میں فرش پر لیٹا ہوا تھا اور چند آدمی تاریکی میں جھک جھک کر اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ کسی نے اس کے چہرے پر ٹارچ کی روشنی ڈالی اور وہ اچانک اُٹھ کر بیٹھ گیا۔

"تم، تم کون ہو؟" اس نے اپنے زخمی سر کو دونوں ہاتھوں میں دباتے ہوئے کہا۔

اس کے جواب میں ایک لڑکی چیخیں مار مار کر رونے لگی۔ ایک لمحہ کے اندر اندر گزشتہ تمام واقعات سلیم کی آنکھوں میں پھر گئے۔ اس نے اپنے

قریب بیٹھے ہوئے آدمی کے ہاتھ سے ٹارچ چھین لی اور روشنی میں اپنے گرد جمع ہونے والوں کو ایک نظر دیکھتے ہی اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

حویلی اور اس کے آس پاس مسلمانوں کے تمام گھروں میں آگ کے شعلے بلند ہو رہے تھے۔ ایک لمحہ کے لیے سلیم بے حس و حرکت کھڑا رہا اور پھر اچانک بھاگتا ہوا مسجد کے صحن سے باہر نکل گیا۔ حویلی میں جمع ہونے والے آدمی اس کے پیچھے ہو لیے۔ "سلیم! سلیم! ٹھہرو—!" وہ اسے آوازیں دے رہے تھے۔

سلیم باہر کی حویلی کے صحن میں پہنچ کر آگ کے لپکتے ہوئے شعلوں کے سامنے رُک گیا۔ اندر کی حویلی آگ کا وسیع الاؤ بنی ہوئی تھی۔ عورتوں، بچوں اور زخمیوں سے بھرے ہوئے دالانوں اور کمروں کی رہی سہی چھتیں جل کر نابود ہو رہی تھیں۔ باہر کی حویلی میں آگ کے شعلے، غلّے کے گوداموں اور مویشی خانوں کو جلانے کے بعد برآمدے کے چھپّر تک پہنچ چکے تھے۔ بڑ کے درخت کے وہ ٹہنے جو باہر کی حویلی کے کونے والے کمروں پر جھکے ہوئے تھے، جل چکے تھے۔ دوسری طرف بھوسے کے گودام اور اس کے ساتھ گنڈیال میں آگ کے شعلے آسمان سے باتیں کر رہے تھے۔ تمام صحن لاشوں سے پٹا پڑا تھا لیکن یہ لاشیں نہ تھیں، گوشت کے وہ لوتھڑے تھے جن پر حملہ آوروں نے فتح کے بعد اپنی کرپانوں کی تیزی کا امتحان کیا تھا۔ کسی کا سر علیحدہ تھا، کسی کے بازو اور کسی کی ٹانگیں کٹی ہوئی تھیں۔ ڈیوڑھی کے سامنے ان عورتوں اور بچوں کی لاشوں کے انبار لگے ہوئے تھے۔ جنھوں نے جلتے ہوئے مکانوں سے نکل کر باہر کی طرف بھاگنے کی کوشش کی تھی۔

سلیم ایک سکتے کے عالم میں کھڑا تھا۔ اس کے گرد جمع ہونے

www.allurdu.com

والے آدمیوں میں سے کسی نے آگے بڑھ کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ سلیم نے اس کی طرف توجہ نہ دی اور بدستور آگ کے شعلوں کی طرف دیکھتا رہا۔ کچھ دیر توقف کے بعد اس نے سلیم کو آہستہ سے جھنجھوڑ کر اپنی طرف متوجہ کیا اور بھرّائی ہوئی آواز میں کہا۔ ”سلیم! سلیم!!“

یہ مہندر سنگھ تھا۔ اچانک سلیم نے ایک جھرجھری لی اور مہندر کو دونوں بازوؤں سے پکڑ لیا اور چلّایا۔ ”مہندر! وہ کہاں ہیں؟ وہ سب کہاں گئے؟ میرے خاندان کی عورتیں، میری بہنیں، میری چچیاں، میری ماں، ان پر کیا گزری؟ بتاؤ! خدا کے لیے بتاؤ!“ وہ اسے بُری طرح جھنجھوڑ رہا تھا لیکن مہندر کے پاس بہتے ہوئے آنسوؤں اور سسکیوں کے سوا ان سوالات کا کوئی جواب نہ تھا۔

کاکو عیسائی نے آگے بڑھ کر کہا۔ ”سلیم وہ سب جل چکے ہیں۔ تمہارے خاندان کا کوئی بچہ اور عورت باہر نہیں نکلی، جب انھوں نے مکانوں پر دھاوا بولا تھا، میں بڑ کے درخت کے اوپر چھپ کر دیکھ رہا تھا۔ آگ لگنے کے بعد جو عورتیں اور بچے کمروں سے نکل کر اِدھر اُدھر بھاگ گئے تھے، انھیں سکھوں نے یا تو قتل کر دیا تھا یا واپس آگ کی طرف دھکیل دیا تھا۔ بہت تھوڑے ایسے تھے جو کھیت تک پہنچنے میں کامیاب ہوئے۔ آپ کے خاندان کی کوئی عورت یا بچہ باہر نہیں نکلا۔“

مہندر نے کہا۔ ”میں جتھے کے آدمیوں سے پوچھ چکا ہوں۔ جتھے دار کی خواہش تھی کہ.... تمہارے خاندان!... تمہارے خاندان کی سب عورتیں زندہ پکڑ لی جائیں۔ انھوں نے دروازہ کھولنے کی کوشش کی لیکن وہ اندر سے بند تھا۔ وہ دروازہ توڑ رہے تھے کہ روشن دان سے کسی نے بندوق سے فائر کیے، ان کے چند آدمی زخمی ہوئے۔ چند چھرّے جتھے دار کے منہ پر لگے۔ دو آدمی چھت

کے شگاف کے راستے نیچے کود ے، اُنھیں شاید عورتوں نے مار ڈالا۔ اس کے بعد انھوں نے آگ لگا دی۔

سلیم نے دوسرے آدمیوں کی طرف دیکھا۔ ان میں سے آٹھ دس گاؤں کے عیسائی اور تین باہر کے مسلمان تھے جن میں سے ایک وہ سپاہی تھا جس نے بکتر بند گاڑی پر حملہ کرنے کے لیے مجید اور داؤد کا ساتھ دیا تھا۔ ایک نوجوان چند قدم دُور سب سے الگ تھلگ کھڑا آگ کے شعلوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔

”کون! بشیر؟“ سلیم نے اسے پہچان کر کہا۔

بشیر نے گردن اُوپر اٹھائی لیکن اپنی جگہ سے نہ ہلا۔

سلیم آگے بڑھا۔ ”بشیر! بشیر! خُدا کے لیے بتاؤ کیا وہ سب......؟“ سلیم کی آواز بیٹھ گئی۔

بشیر کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب بہہ نکلا اور وہ بے اختیار سلیم سے لپٹ گیا۔ وہ ہچکیاں بھرتا ہوا کہہ رہا تھا۔ ”سلیم! آؤ اس آگ میں کود پڑیں، اب ہمارے لیے ان انگاروں کے سوا کوئی جگہ نہیں۔ ہم تمام عمر سلگنے کی بجائے ان کی طرح ایک ہی بار کیوں نہ بھسم ہو جائیں۔ دیکھو اب وہاں کوئی فریاد، کوئی چیخ، کوئی آواز سنائی نہیں دیتی۔ سلیم میں موت سے ڈر کر بھاگا تھا لیکن اب مجھے زندہ رہنے کا خوف ہے۔“

سلیم نے کہا۔ ”بشیر! خدا کے لیے میرے سوال کا جواب دو۔ میں صرف یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ وہ کسی کو پکڑ کر تو نہیں لے گئے؟“

”نہیں، مہندر نے جو کچھ کہا ہے سب درُست ہے۔ وہ دروازہ توڑ رہے تھے لیکن قدرت نے ان کی عزت بچا لی۔ یوسف زخمی ہو کر اُن کے

www.allurdu.com

پاس چلا گیا تھا۔ اس نے روشن دان سے فائر کیے اور انھوں نے طیش میں آ کر آگ لگا دی۔ وہ بلند آواز میں کلمہ پڑھ رہی تھیں۔"

سلیم نے قدرے توقف کے بعد پوچھا۔" اور ہمارے آدمیوں میں سے بھی کوئی نہیں بچا؟"

بشیر نے جواب دیا۔" میں جتھے کے واپس ہوتے ہی مسجد کے ملبے کے ڈھیر میں تمھیں تلاش کرنے لگا تھا۔ ممکن ہے، میری طرح کوئی اور بھی بچ کر نکل آیا ہو۔"

کاکو نے کہا۔" داؤد پھاٹک کے پاس دیوار کی اینٹوں کے نیچے دب کر کراہ رہا تھا۔ میں نے درخت سے اُتر کر سب سے پہلے اسے نکالا۔ اس نے بتایا کہ صوبیدار زخمی تھا اور میں اسے امرود کے باغ میں چھوڑ آیا ہوں۔ وہ اس کا حال دیکھنے گیا ہے۔"

سلیم نے کہا۔" مسجد کی چھت پر میرے ساتھ دو آدمی اور تھے۔ جب میں اُتر رہا تھا تو شاید اوپر بم گرا تھا۔ تم نے انھیں نہیں دیکھا؟"

کاکو نے جواب دیا۔" ان کی لاشیں ملبے کے اُوپر پڑی ہوئی تھیں اور جتھے والے دیکھ کر چلے گئے۔ ہمیں یقین نہیں تھا کہ تم نیچے دبے ہوئے ہو اور ہم یہ سمجھ کر واپس آ رہے تھے کہ تم بم گرنے سے پہلے کہیں نکل گئے ہو گے لیکن مہندر نے ٹارچ کی روشنی میں تمھاری بندوق کی سنگین دیکھ لی۔"

سلیم نے کہا۔" میری بندوق کہاں ہے؟"

"وہ وہیں پڑی ہوئی ہے۔"

نوجوان لڑکی جو چند قدم پیچھے کھڑی ہچکیاں لے رہی تھی، بندوق کا نام سنتے ہی آگے بڑھی اور ملتجی نگاہوں سے سلیم کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"بھائی! خدا کے لیے اب اپنی جان بچاؤ۔ یہاں سے بھاگ جاؤ۔ مجید کو یہاں سے نکال کر لے جاؤ۔"

یہ روپا تھی۔ شیر سنگھ کی بیٹی اور گلاب سنگھ کی بہن۔ سلیم نے گھٹی ہوئی آواز میں کہا۔" روپا! تم اپنے گھر جاؤ!"

لیکن روپا نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہنے لگی۔" تم اکیلے کچھ نہیں کر سکتے۔ تم کتنوں کو مارو گے۔ تم کس کس سے لڑو گے۔ خدا کے لیے اب پاکستان چلے جاؤ۔ رات کے وقت تم نکل سکتے ہو!"

سلیم چلّایا۔" روپا جاؤ!"

روپا ایک لمحے کے لیے سلیم کی گرجتی ہوئی آواز سے سہم گئی اور پھر آگ کی روشنی میں سلیم کے چہرے پر آنکھیں گاڑتے ہوئے بولی۔" سلیم میری التجا ایک بہن کی التجا ہے۔ اسے مت ٹھکراؤ۔ اگر تم بھی مارے گئے تو اس گھرانے کا نام مٹ جائے گا!"

اور سلیم جیسے اپنے آپ سے کہہ رہا تھا۔" اب میرا کوئی خاندان نہیں، کوئی گاؤں نہیں، کوئی گھر نہیں، اب میں کسی کا بھائی نہیں۔ اب میں صرف انتقام ہوں!"

مہندر نے کہا۔" اگر ایک انسان کا خون اس قوم کے گناہوں کو دھو سکتا تو میں تم سے کہتا، سلیم میری گردن پر چھری پھیر دو۔ میں اپنا بلیدان دینے کے لیے تیار ہوں لیکن ایک قوم کے پاپ کا بوجھ ایک قوم ہی اُٹھا سکتی ہے میرے متعلق تمھیں غلط فہمی نہ ہو۔ میں تم سے ان بھیڑیوں کے لیے رحم کی درخواست نہیں کروں گا۔ اگر تم تنہا بندوق لے کر انھیں ختم کر سکتے تو میں تمھیں روکنے کی بجائے آگے دھکیلتا لیکن تم جانتے ہو کہ تم تنہا اس طوفان

www.allurdu.com

تو نہیں روک سکتے۔ سلیم اب تم فوراً یہاں سے نکل جاؤ۔ اگر یہ رات گزر گئی تو شاید تمہیں موقع نہ ملے۔ مجید زخمی ہے، کم از کم تم اسے بچا سکتے ہو۔ مجید کے لیے میں تمہیں اپنا گھوڑا دے سکتا ہوں، تم اگر ہمت کرو تو صبح تک راوی عبور کر سکو گے۔"

گاؤں کے ایک عیسائی نے کہا" ان کے تین گھوڑے سارا دن اِدھر اُدھر بھاگتے رہے ہیں، ان کے ساتھ کسی کا ایک اور گھوڑا بھی ہے!"

—— دوسرے آدمی نے کہا" میں نے انھیں ابھی دیکھا ہے۔ وہ مسجد کے قریب جامن کے درختوں کے پاس کھڑے تھے۔"

سلیم نے مہندر کو کوئی جواب نہ دیا۔ وہ پھر ایک بار شعلوں کی طرف دیکھ رہا تھا اچانک اسے ایک اور حویلی کا خیال آیا اور اس مکان میں رہنے والوں کی صورتیں اس کی آنکھوں کے سامنے گھومنے لگیں" اس وقت وہاں کیا ہو رہا ہوگا؟" اس نے اپنے دل سے سوال کیا" عصمت اور راحت کس حال میں ہوں گی؟ وہ پاکستان سے نزدیک ہیں۔ وہ دریا پار کر کے پاکستان پہنچ گئے ہوں گے۔ لیکن اگر وہ وہیں ہوئے تو؟ اگر سکھوں نے وہاں بھی حملہ کر دیا ہو تو ——؟"
سلیم انتہائی مایوسی کی حالت میں زندگی کا سمٹتا ہوا دامن پکڑ رہا تھا۔ وہ تاریک آندھی اور بھیانک طوفان میں ایک نئی مشعل جلا رہا تھا۔ وہ ایک بار ڈوبنے کے بعد پانی کی سطح پر آ کر ہاتھ پاؤں مار رہا تھا" عصمت! عصمت!! عصمت!!!" اس کے دل کی دھڑکنیں پکار رہی تھیں اور عصمت جیسے آگ کے شعلوں کے درمیان کھڑی کہہ رہی تھی" سلیم مجھے بچاؤ! مجھے بچاؤ!!"

ایک عیسائی نوجوان بھاگتا ہوا آیا اور اس نے کہا" شیر سنگھ کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ سکھوں کے گھروں میں آگ لگانے کے بعد وہ ہمارے محلّے میں آ گیا ہے۔ وہ کہتا ہے میں اس گاؤں کے تمام مکان جلا دوں گا۔ تم بھی نکل

جاؤ، اب اس گاؤں میں کوئی نہیں رہے گا۔"

کاکو اور اس کے ساتھی یہ سُنتے ہی اپنے محلّے کی طرف بھاگے۔ سلیم نے مُڑ کر گاؤں کی دوسری طرف دیکھا۔ سکھوں کے گھروں سے آگ کے شعلے اُٹھ رہے تھے۔

مہندر نے کہا" وہ اب کسی کا کہا نہیں مانے گا۔ وہ آتے ہی پہلے اس آگ میں کودنے لگا تھا۔ ہم نے بڑی مشکل سے روکا۔ اس کے بعد وہ چیخیں مارتا ہوا بھاگ گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ دوبارہ آیا۔ اس کے ہاتھ میں مٹی کے تیل کی ایک بوتل تھی۔ اس نے اپنی پگڑی کو لاٹھی کے ایک سرے پر لپیٹ کر اس پر تیل چھڑکا، پھر اس آگ سے اسے روشن کیا۔ وہ کہہ رہا تھا" میں اب سارے گاؤں کو راکھ کا ڈھیر بنا دوں گا۔ گاؤں کے سکھ واپس آ کر صرف افضل کے گھر کی راکھ نہیں دیکھیں گے۔" وہ کل سے ہمارے گاؤں میں بے ہوش پڑا ہوا تھا۔ کل رات ہمارے گاؤں کے آدمی جو یہاں سے مار کھا کر گئے تھے، اسے قتل کرنا چاہتے تھے، میں نے اُسے اٹھا کر اپنے مکان کی کوٹھری میں بند کر دیا تھا۔ وہ سارا دن دروازہ توڑتا رہا اور مجھے گالیاں دیتا رہا۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ باہر نکلتے ہی سیدھا اس طرف آئے گا اور سکھوں کی گولیوں کا نشانہ بنے گا۔ شام کے وقت روپا اسے ہمارے گاؤں میں تلاش کر رہی تھی۔ ہمارے گاؤں کے آدمی جو جتھے کے ساتھ تھے، واپس آئے اور مجھے معلوم ہوا کہ کھیل ختم ہو چکا ہے۔ میں نے اسے چھوڑ دیا، وہ کوٹھری سے نکلتے ہی سیدھا اس طرف بھاگا۔ میں اور روپا اس کے پیچھے تھے!"

سلیم نے کہا" نہیں مہندر! کھیل ختم نہیں ہوا، کھیل ابھی شروع ہوا ہے۔ قوموں کے کھیل اس طرح ختم نہیں ہوتے۔ وہ دن دُور نہیں جب راکھ کے ان ڈھیروں سے بجلیاں نمودار ہوں گی۔" یہ کہتے ہوئے سلیم نے آگے بڑھ کر ایک

www.allurdu.com

لونے سے بجھی ہوئی راکھ کی ایک مُٹھی اُٹھالی اور اسے رومال سے باندھتے ہوئے کہا "یہ میری قوم کی پُونجی ہے۔ میں اسے اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔ اس راکھ سے نئے مورچے اور نئے قلعے تعمیر ہوں گے۔ اس راکھ سے ایک نئی قوم جنم لے گی۔ کھیل ابھی ختم نہیں ہوا مہندرا!"

عیسائیوں کے محلے میں آدمی، عورتیں اور بچّے دہائی مچا رہے تھے اور شیر سنگھ کی آواز برابر آرہی تھی "مجھے چھوڑ دو! ہٹ جاؤ، بدمعاشو! تم نے ایک طرف بیٹھ کر تماشا دیکھا ہے، اب اس گاؤں میں کوئی نہیں رہے گا!" روپا روتی ہوئی باہر نکل گئی۔

سلیم نے بشیر اور باقی آدمیوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا "تم دیکھو اگر گھوڑے یہیں ہیں تو انھیں پکڑ لو اور آدھ گھنٹے کے اندر اندر تمہیں جتنا بارود مل سکتا ہے، وہ جمع کر لو۔ مسجد سے میری رائفل بھی اٹھالاؤ، میں ابھی آتا ہوں!"

ایک آدمی بولا "میں نے کھیت میں ایک زخمی سکھ سے ٹامی گن اور گولیوں سے بھرا ہُوا تھیلا چھینا تھا اور میں اسے جوہڑ کے کنارے اُپلوں کے ڈھیر میں چھپا آیا ہوں۔"

دوسرا آدمی جو مجید اور داؤد کے ساتھ برین کیریر پر حملہ کرنے کے لیے گیا تھا، بولا "دو آدمیوں نے کھیت میں میرا پیچھا کیا تھا۔ ایک زخمی ہو کر بھاگ گیا تھا اور دوسرے کو میں نے گرا لیا تھا۔ اس کے پاس اسٹین گن تھی۔"

سلیم نے کہا "وہ سب لے آؤ!"

بشیر بولا "کھیت میں ہمیں شاید اور بھی بہت کچھ مل جائے لیکن فالتو ہتھیاروں کو ہم کیا کریں گے۔"

سلیم نے جواب دیا "ہمیں راستے میں ان ہتھیاروں کو استعمال کرنے

والے بہت مل جائیں گے۔ جاؤ، میں ابھی آتا ہوں۔ داؤد مجید کو لے کر آجائے تو انھیں کہو کہ تیار ہو جائیں۔" یہ کہہ کر سلیم بھاگتا ہوا عیسائیوں کے محلے میں داخل ہوا۔

عیسائیوں نے شیر سنگھ کو ایک چارپائی پر ڈال کر رسیوں سے جکڑ رکھا تھا۔ سلیم مردوں، عورتوں اور بچوں کو اِدھر اُدھر ہٹاتا ہوا آگے بڑھا۔ شیر سنگھ انھیں بے تحاشا گالیاں دے رہا تھا اور روپا اس کے پاس کھڑی رو رہی تھی۔

گالو عیسائی نے سلیم کی طرف دیکھتے ہوتے کہا "ہم نے اسے مجبور ہو کر باندھا ہے۔ یہ نمبر کے گھر کو آگ لگا رہا تھا۔ ہم نے بڑی مشکل سے اس کے ہاتھ سے مشعل چھینی ہے، اس نے ایک آدمی کو مُکا مار کر چھت سے نیچے گرا دیا تھا۔"

شیر سنگھ چلّایا "میں سب کو مار ڈالوں گا۔ اب اس گاؤں میں کوئی نہیں رہے گا۔"

روپا نے کہا "باپو! دیکھو سلیم آیا ہے، باپو ہوش میں آؤ۔"

وہ چلّایا "روپا کی بچّی خاموش رہو۔ اگر تم نے پھر یہ بات کہی تو میں تمہارا گلا گھونٹ ڈالوں گا، مجھے معلوم ہے سلیم پاکستان گیا ہوا ہے۔ وہ وہاں سے فوجیں لے کر آئے گا!"

روپا نے سلیم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "سلیم! ان سے کوئی بات کرو۔ انھیں سمجھاؤ!"

سلیم نے جھک کر شیر سنگھ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "گاؤں کے عیسائیوں نے ہمارا کچھ نہیں بگاڑا۔ انھوں نے ہماری مدد کی ہے۔ ان غریبوں کے گھر مت جلاؤ چچا!"

شیر سنگھ نے گرج کر کہا "تم کون ہو؟ چلے جاؤ یہاں سے!"

www.allurdu.com

روپا نے سلیم کے ہاتھ سے ٹارچ چھین کر اس کے چہرے پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا "باپو دیکھو! یہ سلیم ہے۔ اسے پہچانتے نہیں تم؟"

وہ اپنے ہونٹ کاٹتے ہوئے بولا "تم مجھے بیوقوف سمجھتی ہو۔ یہ سلیم کہاں ہے۔ میں نے تمہیں ایک بار کہا ہے کہ وہ فوج لے کر آئے گا۔ وہ افضل اور گلاب سنگھ کے خون کا بدلہ لے گا۔"

سلیم نے کاکو سے کہا "کاکو میں زیادہ دیر یہاں نہیں ٹھہر سکتا۔ تم اس کا خیال رکھو۔ شاید اسے شراب میں کوئی زہریلی شے پلا دی گئی ہے۔"

پھر وہ روپا کے ہاتھ سے ٹارچ لیتے ہوئے بولا "روپا! جب انھیں ہوش آجائے تو کہہ دینا کہ میں کسی دن ضرور آؤں گا!"

چند قدم چل کر وہ رُکا۔ روتی ہوئی عورتیں اور مرد اس کے گرد جمع ہو گئے۔ اُس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا "میں تمہاری نیکی کبھی نہیں بھولوں گا۔ اگر تم سے ہو سکے تو ان لاشوں پر مٹی ڈال دینا۔"

رات کے دو بجے سلیم اور اس کے ساتھی گاؤں سے کوچ کرنے کے لیے تیار ہو چکے ہیں۔ گولی لگنے سے ایک گھوڑی کی ٹانگ ٹوٹ چکی تھی اور وہ چلنے کے قابل نہ تھی۔ ایک گھوڑے کی پچھلی ران پر معمولی زخم تھا۔ باقی دو گھوڑے جن میں سے ایک سلیم کا تھا اور ایک وہ تھا جو فجو پہلوان نے رام چند سے چھینا تھا، ٹھیک تھے۔ مجید گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر بیٹھنے کے قابل نہ تھا۔ اس لیے سلیم دو آدمیوں کو ساتھ لے کر وہ زینیں اٹھا لایا جو ابھی تک گنوں کے کھیت میں بیری کے نیچے پڑی تھیں۔ مہندر گاؤں سے اپنا گھوڑا لینے کے لیے گیا تھا

لیکن سلیم کے ساتھیوں نے اس کا انتظار کرنا مناسب نہ سمجھا۔ داؤد نے کہا۔ "سلیم! مجید کو ایک گھوڑے پر سوار کرا دو اور باقی دو گھوڑوں پر تم اور بشیر دو آدمیوں کو لے کر سوار ہو جاؤ۔ میں اور مختار تمہارے ساتھ پیدل چلتے ہیں۔ جب ہم تھک جائیں گے، تو تم پیدل چلنا۔"

سلیم نے مجید سے کہا "مجید! اگر تمہیں زیادہ تکلیف محسوس ہو رہی ہو تو میں تمہیں اپنے ساتھ بٹھا لیتا ہوں!"

مجید کسی اور دُنیا میں تھا۔ اب تک اس نے کسی کے ساتھ بات نہ کی تھی۔ اس کی نگاہیں آگ کے ان شعلوں پر مرکوز تھیں، جو اس کی متاعِ حیات کو بھسم کر چکے تھے۔ سلیم کے سوال پر وہ چونکا "نہیں! ابھی میں تمہاری مدد کے بغیر گھوڑے پر بیٹھ سکتا ہوں!"

وہ سوار ہو رہے تھے کہ مہندر بھی گھوڑا بھگاتا ہوا پہنچ گیا۔ وہ گھوڑے سے اُترا اور اس کی باگ سلیم کے ہاتھ میں دیتے ہوئے بولا "اب جلدی کرو!"

سلیم نے کہا "مجید! تم اور مختار اس گھوڑے پر سوار ہو جاؤ!"

گاؤں کے عیسائی پھر ان کے گرد جمع ہو چکے تھے۔ جب وہ رخصت ہو رہے تھے، کاکو نے آگے بڑھ کر سلیم کے گھوڑے کی باگ پکڑ لی اور کہا۔ "تمہارے جانے کے بعد یہاں سے انسانیت ختم ہو جائے گی۔ ہم اگر یہاں رہے تو مرتے دم تک تمہاری راہ دیکھیں گے اور ہمارے بیٹے اور پوتے تمہاری راہ دیکھیں گے۔ یہ زمین تمہارے لیے ترستی رہے گی!"

سلیم نے جواب دیا "کاکو! ہم ضرور آئیں گے، اگر ہم نہ آسکے تو ہماری آئندہ آنے والی نسل میں سے کوئی ضرور آئے گا۔ ان کے لیے اس گھر کی

www.allurdu.com

راہ مقدس ہو گی !"

مہندر سلیم کے گھوڑے کی باگ پکڑ کر ان کے ساتھ ہو لیا۔ سلیم نے کہا۔ "تم جاؤ مہندر! تم روپا کو تسلی دو۔ اگر شیر سنگھ کا دماغ ٹھیک نہ ہو تو اُسے اپنے گھر لے جاؤ!"

مہندر نے کہا۔ "میں تھوڑی دور تک تمہارے ساتھ جانا چاہتا ہوں، ایک ضروری بات ہے!"

کاکو مجید کے گھوڑے کی باگ پکڑ کر اب بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا۔ مجید چلّایا۔ "کاکو خدا کے لیے جاؤ۔ یہ آگ آنسوؤں سے بجھنے والی نہیں۔" پھر اس نے قدرے نرم ہو کر کہا۔ "مہندر تم بھی جاؤ۔ ہم کسی دن واپس آ کر تمہارا شکریہ ادا کریں گے!"

مہندر نے بھرّائی ہوئی آواز میں کہا۔ "مجھے شرمندہ نہ کرو، میں نے تمہارے لیے کچھ نہیں کیا۔ جب میں تمہارے گاؤں میں پہنچا تھا، تو میرا خیال تھا کہ تم مجھے دیکھتے ہی گولی مار دو گے! کاش تم ایسا کرتے، میرے لیے وہ موت اس زندگی سے کم تکلیف دہ ہوتی۔"

سلیم نے کہا۔ "اس علاقے کے سکھوں میں تین انسان تھے۔ ایک گلاب سنگھ جسے انھوں نے مار ڈالا۔ ایک شیر سنگھ جو شاید پاگل ہو چکا ہے اور ایک تم ہو مہندر!"

مہندر نے کہا۔ "اگر میں بھی گلاب سنگھ کی طرح مارا نہ گیا تو شیر سنگھ کی طرح پاگل ہو جاؤں گا!"

مجید کی قوّتِ برداشت جواب دے چکی تھی۔ اس نے اپنا گھوڑا آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ "تم لوگ وقت ضائع کر رہے ہو۔ اب تین بجنے والے

"لیکن اچانک اسے چند قدم دور پگڈنڈی پر کوئی دکھائی دی اور اس نے گھوڑا روک کر اپنی سٹین گن سنبھالتے ہوئے کہا۔ "ٹھہرو! کون ہے؟"

مہندر نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ "یہ بسنت ہے مجید، میری بہن۔ وہ تمہاری راہ دیکھ رہی ہے۔"

لڑکی کی سہمی ہوئی آواز سنائی دی۔ "میں مہندر کی بہن ہوں۔"

مجید نے قدرے تلخ لہجے میں کہا۔ "مہندر ہمیں معلوم ہے تمہاری بہن تم سے مختلف نہیں لیکن اسے یہاں لانے کی کیا ضرورت تھی!"

مہندر نے اس کے گھوڑے کی باگ پکڑتے ہوئے کہا۔ "ایک منٹ ٹھہرو مجید! کل صبح حملے سے پہلے بسنت نے بلونت کی ایک ٹامی گن نکال کر چھپا لی تھی۔ اس کے ساتھ بارود کا تھیلا بھی ہے۔ بلونت نے ہم سب کو پیٹا لیکن اس نے اسے ان چیزوں کا پتہ نہیں بتایا۔ مجھے بھی یہ معلوم نہ تھا کہ وہ ٹامی گن اس نے چھپا رکھی ہے۔ جب میں گھوڑا لینے گیا تو اس نے مجھے بتایا!"

اتنی دیر میں لڑکی قریب آ چکی تھی۔ سلیم نے گھوڑا آگے بڑھا کر اس کے چہرے پر ٹارچ کی روشنی ڈالی۔ بسنت کا چہرہ زخموں سے سوجا ہوا تھا۔ سلیم کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن اس کے منہ سے آواز نہ نکل سکی!

مجید نے کہا۔ "سلیم روشنی مت کرو!"

سلیم نے ٹارچ بجھا دی۔ بسنت نے ٹامی گن اور گولیوں کا تھیلا اُس کے سامنے پیش کر دیا۔

مہندر نے مجید کی طرف متوجّہ ہو کر کہا۔ "مجید یہ چیزیں میں خود دے کر آتا لیکن بسنت کو مجھ پر اعتبار نہ تھا۔"

تھوڑی دیر بعد سلیم اور اس کے ساتھی رات کی تاریکی میں غائب ہو

www.allurdu.com

چکے تھے۔

مہندر اور بسنت ان کے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آوازیں سُن رہے تھے بسنت کچھ دیر بے حس و حرکت کھڑی رہی۔ بالآخر سِسکیاں لیتے ہوئے مہندر کے ساتھ لپٹ گئی۔ "بھیّا! بھیّا!!" اس نے کہا "تمہیں یقین ہے کہ وہ زندہ پاکستان پہنچ جائیں گے؟"

"مجھے یقین ہے، مجھے یہ بھی یقین ہے کہ وہ کسی دن واپس آئیں گے۔ پاپ کی آگ انصاف کی آگ کو جنم دے گی اور وہ اس وقت تک نہیں بجھے گی جب تک کہ ظلم ختم نہیں ہو جاتا!"

مغرب کی طرف بجلی چمک رہی تھی۔ ہوا کے ہلکے ہلکے جھونکے اب تیز ہو رہے تھے۔ آگ کے شعلے آہستہ آہستہ تمام گاؤں میں پھیل چکے تھے، عیسائیوں کے محلے سے بھی اب چیخ و پکار سُنائی دے رہی تھی ـــــ اور بسنت اپنے بھائی کا ہاتھ پکڑ کر گاؤں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہہ رہی تھی "مہندر! یہ آگ نہیں بجھے گی ـــ یہ آگ جس نے زبیدہ، صغریٰ، عائشہ، طاہرہ اور الوری کو جلایا ہے، کبھی نہیں بجھ سکتی!"

راستے میں ان کے ساتھ پاکستان کا رُخ کرنے والے پناہ گزینوں کی ٹولیاں شامل ہوتی گئیں۔ ایک قافلے میں چند ایسے آدمی، عورتیں اور بچے بھی تھے۔ جنھوں نے سلیم کے گھر میں پناہ لی تھی اور سکھوں کی آخری یلغار کے وقت اِدھر اُدھر بھاگ کر اپنی جانیں بچالی تھیں لیکن سلیم کے خاندان کا کوئی آدمی ان کے ساتھ نہ تھا۔ صرف اس کے گاؤں کا ایک سقہ اور اس کی بہن

تھی۔ یہ دونوں زخمی تھے اور بڑی مشکل سے قافلے کی رفتار کا ساتھ دے رہے تھے۔ سلیم نے اپنا گھوڑا ان کے حوالے کر دیا۔ اس کی دیکھا دیکھی اس کے باقی ساتھیوں نے اپنے گھوڑوں پر زخمیوں کو لاد دیا اور خود پیدل چل پڑے۔ مجید نے ایک زخمی بچے کو اپنے پیچھے بٹھالیا۔

ایک ٹولی میں سلیم کو چند نہتے سپاہی مل گئے جو باؤنڈری کمیشن کے فیصلے کے اعلان کے ساتھ ہی ملازمت سے سبکدوش کر دیے گئے تھے سلیم نے چار فالتو رائفلیں ان میں تقسیم کر دیں۔

مجید گھوڑے کی زین پر نڈھال سا ہو کر کبھی ایک طرف اور کبھی دوسری طرف جھک رہا تھا۔ سلیم نے ایک آدمی سے کہا "تم اس کے گھوڑے کی باگ پکڑ لو، یہ بہت تکلیف میں ہے۔ مجید لاؤ یہ ٹامی گن مجھے دے دو!"

مجید نے چونک کر سلیم کی طرف دیکھا اور سیدھا ہو کر بیٹھتے ہوئے کہا "میں ٹھیک ہوں، مجھے صرف پیاس لگ رہی ہے۔"

سلیم نے کہا "بس اب نہر بالکل نزدیک ہے!"

مجید دوسرے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہوا "تم لوگ ہوشیار رہو، شاید پُل پر کوئی خطرہ ہو!"

راستے میں نہر کے قریب مسلمانوں کا ایک گاؤں جل رہا تھا اور سڑک اور آس پاس کے کھیتوں میں لاشیں بکھری ہوئی تھیں۔ ایک زخمی نے کراہتے ہوئے کہا "آگے مت جاؤ وہ نہر کے پل پر کھڑے ہیں۔"

سلیم نے اس کے قریب آکر پوچھا "ان کے ساتھ فوج کے آدمی بھی ہیں؟"

www.allurdu.com

قافلے میں [illegible] ۔ [illegible] نیچے جا کر اگلا
پل عبور کرنا چاہتے تھے لیکن سلیم نے انھیں روکتے ہوئے کہا "تم پاگل ہو، وہ نہر کے ہر پل پر موجود ہوں گے۔ تم اس طرح بچ کر نہیں نکل سکتے۔ تم اگر بھیڑوں کی طرح بھاگو گے تو سب مارے جاؤ گے۔ ہم اس پل پر سے گزریں گے اور تم دیکھو گے کہ وہ ہمارا بال بیکا نہیں کر سکیں گے۔ اگر ہمیں تمہارا خیال نہ ہوتا تو اب تک ہم راوی کے پار پہنچ چکے ہوتے۔ ہم تمہیں اپنے ساتھ چلنے پر مجبور نہیں کرتے لیکن یاد رکھو جو پیچھے رہ جائے گا ہم اس کی طرف مڑ کر نہیں دیکھیں گے، ہم خودکشی کا راستہ اختیار کرنے والوں کو نہیں بچا سکتے!"

سلیم نے چند اور باتیں کیں اور بدحواس لوگوں کے دلوں میں ایک نیا ولولہ زندہ کر دیا۔

مجید کو اب پیاس اور درد کا احساس نہ تھا، اپنے گھوڑے سے زخمی بچے کو اتار کر اس نے ایک سرے سے دوسرے سرے تک قافلے کے آدمیوں کو ہدایات دیں اور بالآخر اپنے مسلح ساتھیوں کو چند باتیں سمجھانے کے بعد قافلے کو آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔ پل سے کوئی تین سو گز کے فاصلے پر اس نے چند آدمیوں سے کہا کہ وہ زخمیوں کے گھوڑوں کو لے کر ایک طرف ہو جائیں اور راستہ صاف ہونے کا انتظار کریں۔

جب وہ پل کے قریب پہنچے تو ڈوگرہ فوج کے آٹھ مسلح سپاہیوں نے ان کا راستہ روک لیا۔ ایک آدمی نے آگے بڑھ کر کہا "ٹھہرو! ہم

[illegible]
اچھا ہم لوگ عورت کی تلاشی نہیں لے گا۔ عورت سب کی ماں بہن ہے، ہم ان کی عزت کرتا ہے۔ وہ اس طرف ہو جائے۔ ہم صرف آدمی لوگ کی تلاشی لے گا۔ جلدی کرو، ڈرنے کی کوئی بات نہیں۔ سرکار نے ہم کو تمہاری حفاظت کے لیے بھیجا ہے!"

مجید چند قدم دور ایک درخت کی آڑ میں کھڑا تھا۔ سلیم تیزی سے قدم اٹھاتا ہوا اس کے قریب پہنچا اور دبی زبان میں بولا "مجید ہم انھیں ایک منٹ میں ختم کر سکتے ہیں۔"

مجید نے اطمینان سے جواب دیا "ابھی نہیں، لوگوں سے کہو کہ وہ عورتوں کو ایک طرف نکال دیں۔ ٹھہرو! اپنی بندوق اور تھیلا یہیں رکھ دو اور پھر آگے بڑھ کر اطمینان سے بات کرو۔"

سلیم نے رائفل اور تھیلا درخت کی آڑ میں رکھ دیا اور آدمیوں کو ادھر ادھر ہٹا کر آگے بڑھتے ہوئے کہا "دیکھو بھائیو ڈرو نہیں، کپتان صاحب کا حکم مانو!"

ڈوگرہ سپاہی نے کہا "ہم کپتان نہیں ہے، ہم جمعدار ہے۔ تم اچھا آدمی معلوم ہوتا ہے۔ یہ لوگ بہت ڈر گیا ہے، ان کو سمجھاؤ!"

سلیم نے قافلے کے آدمیوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا "دیکھو تم غلطی کر رہے ہو۔ تم نے میرے ساتھ وعدہ کیا تھا کہ میرا کہا مانو گے۔ اگر تم بھول گئے ہو تو میں پھر یہ کہتا ہوں کہ تمہیں کوئی خطرہ نہیں۔ عورتیں اطمینان

www.allurdu.com

سے دائیں طرف آ کر بیٹھ جائیں۔"

باقی مسلّح آدمی بھی قافلے میں گھس کر لوگوں کو سمجھا رہے تھے۔ مردوں نے بادلِ نخواستہ لرزتے، کانپتے اور سہمے ہوئے بچّوں اور عورتوں کو ایک طرف دھکیل دیا۔

تھوڑی دیر میں آدمی اور عورتیں دو ٹولیوں میں تقسیم ہو کر پٹڑی پر بیٹھ گئے اور پُل کے سامنے خالی سڑک ان کے درمیان حدِ فاصل بن گئی۔ ڈوگرہ سپاہی اطمینان سے کھڑے تھے۔

ڈوگرہ جمعدار نے اپنا لہجہ قدرے تبدیل کرتے ہوئے کہا "دیکھو تمہارے پاس اگر کوئی ہتھیار ہے تو خود ہی نکال کر ہمارے حوالے کر دو۔ ورنہ تلاشی کے بعد اگر کسی سے کوئی چیز نکلا تو ہم گولی مار دے گا!"

جمعدار کے اشارے پر باقی ڈوگرے پٹڑی سے نیچے درختوں کے پاس جا کھڑے ہوئے۔ ان کا مُنہ پُل کی طرف اور پیٹھ درختوں کی آڑ میں چھپے ہوئے آدمیوں کی طرف تھی۔ ڈوگرہ جمعدار نے جو پوزیشن سنبھالی تھی، اس کے مطابق بہت کم آدمیوں کے ان کی گولیوں سے بچ کر سڑک یا کھیتوں کی طرف بھاگ نکلنے کا امکان تھا۔ اس نے پُل کے پار دُوسرے کنارے چھُپے ہوئے جتھے کو ٹارچ کے ساتھ سگنل دیا۔ پھر قافلے کے آدمیوں سے کہا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے پاس کچھ نہیں۔ اب پہلے آدمی لوگ پُل پر سے گزر جائیں، پھر ہم عورت کو گزار دے گا!"

لیکن قافلے کے آدمیوں میں سے کسی کو جُنبش تک نہ ہُوئی۔ ڈوگرہ نے قدرے حیران ہو کر کہا "تم نے ہمارا حکم نہیں سُنا۔ ہم تم کو پُل کے پار پہنچنے کے لیے دو منٹ دیتا ہے —— وہ تمہارا آدمی کدھر ہے جو ہم

کو کپتان بولتا تھا؟"

جمعدار کے اشارے پر اس کے ساتھیوں نے لوگوں کو ڈرانے کے لیے اپنی رائفلیں سیدھی کر دیں۔ اچانک درختوں کی آڑ سے مجید کی آواز آئی "لیٹ جاؤ!" اور ساتھ ہی اسٹین گنوں اور ٹامی گن کی تڑتڑ سُنائی دینے لگی۔ ڈوگرے آن کی آن میں زمین پر ڈھیر ہو گئے۔

اکال سینا کا جتھا جو دوسرے کنارے پٹڑی کے نیچے گھات لگائے اپنے شکار کا انتظار کر رہا تھا، غالباً یہ سمجھا کہ یہ فائر ان کے فوجی رہنماؤں نے کیے ہیں، وہ ست سری اکال کے نعرے لگاتے ہوئے آگے بڑھے۔ جب انھوں نے پل کا نصف حصّہ عبور کر لیا تو داؤد، سلیم اور باقی آدمی گولیاں برساتے ہُوئے آگے بڑھے۔ سکھ ایک دوسرے کو دھکیلتے اور گراتے ہوئے واپس مُڑے، بعض نے نہر میں چھلانگیں لگا دیں۔ تھوڑی دیر میں پُل لاشوں سے پٹ گیا۔ مجید گھوڑا بھگا کر لاشوں کو روندتا اور ٹامی گن سے فائر کرتا ہوا آگے بڑھا اور باقی آدمی بھی گولیاں برساتے ہوئے پُل سے کچھ دُور آگے نکل گئے۔

نہر کے نیچے سڑک پر سکھوں کے پانچ چھکڑے کھڑے تھے۔ ان پر لوٹ مار کے سامان کے علاوہ رسّیوں میں جکڑی ہوئی چند عورتیں اور لڑکیاں بھی تھیں۔ چھکڑوں کے آس پاس درختوں کے ساتھ دس بارہ گھوڑے بندھے ہوئے۔ ان عورتوں اور لڑکیوں کے ساتھ زخمیوں اور بچّوں کو سوار کر دیا گیا جو کئی کوس سفر کرنے کے بعد تھکاوٹ سے چُور ہو چکی

www.allurdu.com

تھیں۔ قافلے کے آٹھ اور آدمی ڈوگرہ سپاہیوں سے چھینی ہوئی رائفلوں کے ساتھ مسلّح ہو چکے تھے۔ سلیم ٹارچ جلا کر ایک چھکڑے پر بندھی ہوئی عورتوں کے ہاتھ پاؤں کی رسّیاں کاٹ رہا تھا۔

ایک نوجوان لڑکی نے سسکیاں لیتے ہوئے کہا "آپ ...... آپ بہت دیر سے آئے۔ کاش آپ اس وقت آتے جب ہمارے گاؤں پر حملہ ہوا تھا!"

گاؤں کا لفظ سُن کر سلیم کی آنکھوں کے سامنے آگ کے شعلے رقص کرنے لگے۔ اس نے لڑکی کے پاؤں کی رسیاں کاٹتے ہوئے کہا "تمہارا گاؤں کہاں ہے؟"

"میرا گاؤں! آپ نے پُل کے پار سڑک کے کنارے آگ کے شعلے نہیں دیکھے؟ وہ میرا گاؤں تھا!"

"تمہارے ساتھ کوئی اور؟" سلیم کی آواز حلق میں اٹک کر رہ گئی اور وہ اپنا فقرہ پورا نہ کر سکا۔

"میرا باپ تھا، میرے چار بھائی تھے، میرے دو چچا تھے۔ اب کوئی بھی نہیں۔ میری تین بہنیں آگ میں جل گئیں۔ میں اور ماں کنوئیں کی طرف بھاگی تھیں لیکن انھوں نے پکڑ لیا۔ اب آپ آ گئے لیکن اب کیا فائدہ ــــــ!" لڑکی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

ایک ادھیڑ عمر عورت نے کہا "عابدہ! عابدہ! بیٹی صبر کرو!"

چھکڑے قافلے کے آگے آگے چل پڑے اور مسلّح آدمی سڑک کے دائیں اور بائیں کنارے قافلے کی حفاظت کر رہے تھے۔ صبح کے آثار نمودار ہو رہے تھے اور مجید بار بار قافلے کو تیزی سے قدم

اُٹھانے کے لیے کہہ رہا تھا۔ وہ گھوڑے کو بھگاتا ہوا کبھی قافلے کے آگے اور کبھی پیچھے ہو لیتا۔ ایک سرے سے دوسرے سرے تک لوگوں کو یہ علم ہو چکا تھا کہ ان کا راہنما کون ہے۔

وہ پوچھتے "صوبیدار! اب دریا کتنی دُور ہے؟ ہم کب پہنچیں گے؟ آگے کوئی خطرہ تو نہیں؟" اور وہ گھوڑا روک کر کسی کو نرمی سے جواب دیتا اور کسی کو جھڑکتا ہوا آگے گزر جاتا۔

چھ بجے کے قریب اس کی ہمّت جواب دے چکی تھی۔ اچانک اُس نے ہتھّے پر سر ٹیک دیا اور اس کے ہاتھ سے ٹامی گن گر پڑی۔ گھوڑا رُک گیا۔ لوگوں کے شور مچانے پر سلیم اور داؤد بھاگتے ہوئے اس کے قریب پہنچے۔ اُسے گھوڑے سے اُتارا اور عورتوں کے درمیان ایک چھکڑے پر لٹا دیا۔ سلیم نے دیکھا اس کا جسم بخار سے جل رہا تھا۔

جب مجید کو ہوش آیا تو عابدہ اس کے زخموں پر پٹیاں باندھ رہی تھی اور اس کی جگہ سلیم گھوڑے کو اِدھر اُدھر بھگاتا ہوا قافلے کی دیکھ بھال کر رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں بندوق کی بجائے ٹامی گن تھی۔

سلیم نے چھکڑے کے قریب پہنچ کر مجید کی طرف دیکھا۔ عابدہ نے کہا "اب یہ ہوش میں ہیں۔"

لڑکی کی ماں بولی "بیٹا! یہ تمہارا بھائی ہے نا؟"

"جی ہاں!"

ایک عورت بولی "یہ سب کا بھائی ہے!"

مجید نے سر اٹھا کر سلیم کی طرف دیکھا اور اپنے چہرے پر ایک مغموم مسکراہٹ لاتے ہوئے کہا "ایک شاعر کو سپاہی بنانے کے لیے کتنے

www.allurdu.com

بڑے انقلاب کی ضرورت تھی۔"

راستے میں قافلے کے آدمیوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا۔ صبح آٹھ بجے تک ان کی تعداد تین ہزار تک پہنچ چکی تھی۔ سڑک پر جگہ جگہ مسلمانوں کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ ڈیرہ بابا نانک تک سکھوں کے چار اور جتھوں نے یکے بعد دیگرے ان پر حملہ کیا لیکن نہتوں کی بجائے مسلح آدمیوں کا سامنا کرنا ان کے لیے ایک غیر متوقع بات تھی۔ وہ قافلے کے آدمیوں کو نہتے سمجھ کر آندھی کی طرح آتے۔ فضا "ست سری اکال، پنتھ کی جے" اور "خالصتان کی جے" کے نعروں سے گونج اٹھتی۔ جب وہ قریب آجاتے تو اچانک گولیوں کی تڑاخ سنائی دیتی اور اس کے ساتھ "اللہ اکبر، پاکستان زندہ باد" کے نعرے بلند ہوتے اور حملہ آور چیختے چلاتے بھاگ نکلتے۔ "ان کے ساتھ فوج ہے، ان کے ساتھ مسلمانوں کی فوج ہے، ان کے ساتھ بلوچ رجمنٹ ہے۔ بھاگو! بھاگو!!"

راستے میں سب سے زیادہ خطرناک مقام ڈیرہ بابا نانک تھا۔ وہاں گوردوارہ اور پولیس اسٹیشن اکال سینا کے مرکز تھے۔ ہندو سب انسپکٹر بلوائیوں کا راہنما تھا لیکن اسے قافلے کی آمد سے پہلے یہ اطلاع مل چکی تھی کہ نہتے لوگوں کی حفاظت کے لیے فوج بھی آئی ہے۔ چنانچہ قافلہ کسی مزاحمت کا سامنا کیے بغیر شہر سے گزر گیا۔

جب وہ پولیس اسٹیشن کے سامنے سے گزر رہے تھے، تھانیدار سکھوں کی ایک ٹولی کے ساتھ بند دروازے کی سلاخوں کے پیچھے کھڑا ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ قافلہ گزر گیا تو تھانیدار نے غضبناک ہو کر ایک سکھ کی داڑھی پکڑ لی۔ "بدمعاش! ان کے ساتھ فوج کہاں ہے؟"

اس نے کہا۔ "جی میں جھوٹ نہیں کہتا، بچن سنگھ سے پوچھو، یہ ہمارے

گھوڑوں پر سوار ہیں، ہمارے چھکڑے لے جا رہے ہیں، یہ وہی ہیں جنھوں نے پرسوں ہمارے ساٹھ ستر آدمی مار دیے تھے۔ ڈوگروں کو انھوں نے ایک منٹ میں صاف کر دیا تھا۔ فوج شاید ان کے پیچھے ہو۔"

دوسرے سکھ نے کہا۔ "ہم نے ان پر کرن کے پل کے قریب حملہ کیا تھا۔ ان کے ساتھ جو سپاہی ہیں، وہ وردیوں کے بغیر ہیں۔ اگر آپ انکی تلاشی لے سکتے تو آپ کو نصف سے زیادہ آدمی مسلح ملتے!"

تیسرے نے کہا۔ "میں آپ کے لیے بہت بڑا تحفہ لایا تھا۔ میرے چھکڑے پر عظیم خان کی لڑکی تھی۔ اب وہ اس کے ساتھ میرا چھکڑا اور آٹھ سو روپے کے بیل بھی لے جا رہے ہیں۔"

تھانیدار نے کہا۔ "اب تم دریا کے پل پر جا کر تلاش کرو ــــ اگر بیل تمہیں زندہ نہ ملے تو کم از کم ان کی کھالیں اتار سکو گے۔"

"لیکن سردار جی! وہ لڑکیاں، خاص کر عظیم خان کی لڑکی تو بڑی خوبصورت ہے۔"

ڈیرہ بابا نانک سے آگے پکی سڑک دریا کے پل تک لاشوں سے پٹی ہوئی تھی۔ قافلہ سڑک پر پہنچا ہی تھا کہ سڑک کے کنارے ایک چری کے کھیت میں چھپے ہوئے دو مسلمان سپاہی نمودار ہوئے اور انھوں نے آگے بڑھ کر قافلے کو ہاتھ کے اشارے سے روک لیا۔ سلیم گھوڑا بھگاتا ہوا ان کے قریب پہنچا تو ایک سپاہی نے کہا۔ "پل پر ڈوگرہ رجمنٹ کا قبضہ ہے۔ آپ لوگ آگے مت جائیں۔"

سلیم نے پیچھے مڑ کر داؤد کی طرف دیکھا اور اس نے آگے بڑھ کر کہا۔ "ہم ضرور جائیں گے، اگر آگے خطرہ ہے تو ہمارے لیے مقابلہ کرنے کے سوا

www.allurdu.com

کوئی چارہ نہیں!"

"لیکن تم ان عورتوں اور بچوں کو مشین گنوں کے سامنے کھڑا نہیں کرسکتے ان کے پاس آرمرڈ کاریں ہیں۔ ادھر دیکھو!" یہ کہتے ہوئے سپاہی نے سڑک پر بکھری ہوئی لاشوں کی طرف اشارہ کر دیا۔ "گزشتہ چوبیس گھنٹوں میں وہ کوئی پانچ ہزار آدمیوں کو شہید کرچکے ہیں!"

سلیم نے کہا۔ "لیکن آپ نے باؤنڈری فورس کے ہیڈ کوارٹر میں اطلاع نہیں دی؟"

"ہم اطلاع دے چکے ہیں لیکن وہاں زیادہ تعداد ہندو اور سکھ افسروں کی ہے۔ وہ ہمیں ایک طرف بھیج دیتے ہیں اور دوسری طرف حملہ کروا دیتے ہیں۔ جو تھوڑے بہت مسلمان افسر ہیں' وہ اس طرح بکھیر دیے گئے کہ وہ کچھ کر ہی نہ سکیں۔ کل شام تک ہماری رجمنٹ کے سپاہی بٹالہ سے ایک بہت بڑا قافلہ لے کر آئیں گے، پھر آپ دیکھیں گے کہ ان ڈوگروں کو کسی اور جگہ حملہ کرنے کے لیے بھیج دیا جائے گا۔ جب تک ہماری رجمنٹ پُل کی حفاظت کرے گی۔ ان کی کوشش یہ ہوگی کہ زیادہ سے زیادہ قافلے ان سڑکوں پر سے گزریں جہاں مسلمان سپاہی نہیں۔ اب آپ کے لیے ایک ہی راستہ ہے۔ دریا کے نیچے چند میل کے فاصلے پر ہزاروں مسلمان جمع ہیں۔ وہاں آپ کو کشتیاں مل جائیں گی"

ڈیرہ بابا نانک کے پُل سے آٹھ میل نیچے کی طرف دریا کے کنارے قرب و جوار کے دیہات کے کوئی بیس ہزار لوگ پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے اور ہر آن نئے قافلوں کی آمد سے ان کی تعداد میں اضافہ ہو رہا تھا۔

دوپہر کے وقت یہ قافلہ بھی وہاں پہنچ گیا اور اس کے ساتھ چند مُسلّح آدمیوں کو دیکھ کر لوگوں کے مایوس چہروں پر اُمّید کی روشنی جھلکنے لگی۔ وہ لوگ جنھوں نے ابھی تک ایک دوسرے سے لٹی ہوئی عصمتوں، خاک اور خون میں کھیلتی ہوئی جوانیوں اور جلے ہوئے گھروں کی داستانیں ہی سُنی تھیں۔ اب اس قافلے کے مردوں اور عورتوں کی زبانی یہ سُن رہے تھے کہ فلاں جگہ ان بہادروں نے فوج کا یوں مقابلہ کیا اور فلاں فلاں مقام پر جتھوں کو اس طرح بھگایا۔ سلیم اور مجید کے خاندان کی داستان قافلے کا ہر بچّہ، ہر عورت اور ہر مرد اپنی اپنی معلومات کے مطابق نئے انداز میں بیان کر رہا تھا۔

قرب و جوار کی بستیوں کے لوگ اپنے مال، مویشی اور ایک خاصی مقدار میں خورد و نوش کا سامان چھکڑوں پر لاد کر لے آئے تھے اور وہ بڑی فراخ دلی سے ان لوگوں میں راشن تقسیم کر رہے تھے جو دُور دُور سے بے سرو سامانی کی حالت میں آئے تھے۔

سلیم اور اس کے ساتھی بھوک اور تھکاوٹ سے نڈھال تھے۔ تھوڑی دیر میں ان کے لیے اس قدر پکا پکایا کھانا جمع ہو گیا جو ان کی ضرورت سے کہیں زیادہ تھا۔ مجید کے لیے ایک عورت اپنی بھینس کا دودھ لے آئی، اور اس نے سلیم کے اصرار پر چند گھونٹ پی لیے۔ ایک آدمی نے اپنے چھکڑے پر لدے ہوئے سامان سے ایک لحاف اتار کر ایک جھاڑی کے نیچے بچھا دیا اور مجید کو اس پر لٹا دیا۔ عابدہ اور اس کی ماں اس کے قریب بیٹھ گئیں۔

ملاّحوں اور کشتیوں کا معاملہ سلیم کی توقع کے خلاف تھا۔ دوسرے کنارے پر کشتیاں موجود تھیں لیکن ملاح ذرا دُور ہٹ کر ایک کیکر کے درخت کی چھاؤں میں حقّے پی رہے تھے۔ لوگوں نے سلیم کو بتایا کہ دوسرے کنارے

www.allurdu.com

سے بعض لوگ ملاحوں کے ایجنٹ بن کر آتے ہیں اور اگر انھیں کوئی پانچ سو یا ہزار روپیہ دے دیتا ہے تو رات کے وقت اس کے بال بچوں کو کشتی پر بٹھا کر پار لے جاتے ہیں۔"

سلیم نے پوچھا "اس وقت ان کا کوئی ایجنٹ یہاں ہے؟"

ایک آدمی نے جواب دیا۔ "نہیں وہ شام کو آتے ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ اگر انھوں نے زیادہ آدمیوں کو نکالنا شروع کر دیا تو ان کی قیمت گھٹ جائے گی!"

ایک سفید ریش آدمی نے آگے بڑھ کر کہا۔ "میرے پاس کل دو سو روپیہ نقد اور کوئی چار سو کا زیور تھا۔ وہ سب میں نے ان کے حوالے کر دیا لیکن اب وہ کہتے ہیں کہ تمہارے کنبے کے گیارہ آدمی ہیں، پانچ سو روپیہ اور دو!"

سلیم نے کہا۔ "لیکن مجھے یقین نہیں آتا کہ اس وقت بھی مسلمانوں میں ایسے آدمی ہو سکتے ہیں۔"

بوڑھے نے کہا "انھیں اسلام کا کیا پتہ؟ ہمارے لیے تو وہ سکھوں سے بھی بدتر ثابت ہوئے ہیں۔"

سلیم نے کہا۔ "بابا یہ ہمارا قصور ہے۔ ہم نے انھیں قومی اور اجتماعی زندگی کی ذمہ داریوں سے روشناش ہی نہیں کیا۔ میں جاتا ہوں۔"

ایک نوجوان نے کہا "اصل میں یہ سارا قصور ملاحوں کا نہیں، پار کے گاؤں کا ایک چودھری ان سے حصہ وصول کرتا ہے۔ ملاح اس کی مرضی کے خلاف نہیں جا سکتے۔ ہم نے اسے سمجھایا ہے لیکن وہ بہت بڑا آدمی ہے اور بدمعاشوں کی ایک ٹولی اس کے ساتھ ہے۔ اگر آپ اُسے سمجھا سکیں تو ملاح بھی ٹھیک ہو جائیں گے!"

سلیم نے کہا "تم کہاں کے رہنے والے ہو؟"

"میں پار سے آیا ہوں۔ میں بھی ایک ملّاح ہوں۔ میں نے کسی معاوضے کے بغیر لوگوں کو نکالنا شروع کیا تھا، میں نے تین پھیرے لگائے لیکن جب چوتھی بار کشتی لے کر آیا تو ایک دم ڈیڑھ دو سو آدمی میری کشتی پر ٹوٹ پڑے۔ میں نے ان کی منّتیں کیں، ہاتھ جوڑے لیکن انھوں نے پروا نہ کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کشتی ڈوب گئی — مجھے کشتی کا افسوس نہیں لیکن اس بات کا افسوس ہے کہ اب میں اپنے بھائیوں کے لیے کچھ نہیں کر سکتا!"

"تم بہت کچھ کر سکتے ہو، میرے ساتھ آؤ!"

اڑھائی بجے کے قریب سلیم، داؤد اور یہ نوجوان ملّاح جس کا نام فقیر دین تھا، تیر کر دریا کے دوسرے کنارے پہنچ چکے تھے۔ ملّاحوں نے پہلے کورا جواب دیا پھر ذرا روکھے پن سے سلیم کے ساتھ باتیں کرنے لگے لیکن کوئی پندرہ منٹ کی تقریر کے بعد سلیم ان میں سے چند آدمیوں کی آنکھوں میں آنسو دیکھ رہا تھا۔ اس کی تقریر سُننے والوں کے دلوں پر تیر و نشتر کا کام کر رہی تھی۔ ایک نوجوان نے جذبات سے بے قابو ہو کر اُٹھتے ہوئے کہا "لعنت ہے ایسی کمائی پر۔" پھر وہ آگے بڑھ کر کشتی کا رسہ کھولتے ہوئے سلیم کے الفاظ دہرا رہا تھا "قوم کی عزت برباد ہو رہی ہے اور ہم دوزخ کی آگ سے جھولیاں بھر کر خوش ہو رہے ہیں۔"

ایک بوڑھے ملّاح نے اپنا حقّہ اُٹھا کر دریا میں پھینک دیا اور کہا۔ "بابو جی! مسلمان کا پیسہ ہمارے لیے سؤر کا گوشت ہو گا۔ صادق اُٹھو، ورنہ میں تمہارا حقّہ بھی توڑ دوں گا!"

تھوڑی دیر میں پانچ کشتیاں دوسرے کنارے کا رُخ کر رہی تھیں۔

www.allurdu.com

ایک ہٹّا کٹّا سیاہ فام ملّاح قدرے پریشان ہو کر کبھی اپنے ساتھیوں اور کبھی سلیم کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اتنی دیر میں ایک بڑی بڑی مونچھوں والا سفید پوش پہنچ گیا اور اس نے آتے ہی کہا "یہ کیا ہو رہا ہے؟ ان کو دن کے وقت دریا میں کشتیاں ڈالنے کے لیے کس نے کہا ہے؟"

سیاہ فام ملّاح نے اُٹھ کر جواب دیا "چودھری جی! یہ بابو تو ہم پر تھانیدار سے بھی زیادہ رعب ڈال رہا ہے۔"

چودھری سلیم کی طرف متوجہ ہو کر بولا "یہ کسی کے نوکر نہیں کہ سارا دن کشتیاں چلاتے رہیں۔ اگر ادھر سے سکھ حملہ کر دیں تو ان کی جان کا ذمّہ دار کون ہے؟" پھر وہ کنارے کی طرف بڑھ کر چلّایا "او حرام زادو! کشتیاں واپس لے آؤ۔"

"حرام زادے وہ نہیں تم ہو!" سلیم نے آگے بڑھ کر ٹامی گن اس کی توند کے ساتھ لگا دی۔ چودھری کے پانچ ساتھی جو چند قدم پیچھے آ رہے تھے بھاگ کر آگے بڑھے لیکن داؤد نے پستول دکھا کر انھیں روک لیا۔ چودھری اب بُری طرح کانپ رہا تھا۔

سلیم نے کہا "تم جیسے قوم کے دشمن کو زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں لیکن کاش میرے پاس فالتو بارود ہوتی۔ میں جانتا ہوں کہ تم صرف ڈنڈے کی زبان سمجھ سکتے ہو لیکن پھر بھی میں تمھیں ایک بار موقع دیتا ہوں۔ اگر میں نے دوسری بار تمھیں یہاں دیکھا تو زندہ نہیں چھوڑوں گا — یہ بدمعاشوں کی ٹولی تمھاری مدد نہیں کر سکے گی اور یہ بھی یاد رکھو، تمھیں لوگوں سے وصول کی ہوئی ایک ایک کوڑی کا حساب دینا پڑے گا۔ اب یہاں سے بھاگ جاؤ!"

چودھری اور اس کے ساتھیوں نے دوبارہ مُڑ کر دیکھنے کی ضرورت

محسوس نہ کی۔ داؤد نے ہوا میں ایک فائر کر دیا اور ان کی رفتار اور زیادہ تیز ہو گئی۔

سیاہ فام ملّاح چپکے سے اُٹھ کر کنارے کی طرف بڑھا اور اپنی کشتی کے قریب پہنچ کر کہنے لگا "آؤ بابو جی!"

کشتیاں ابھی کچھ دور ہی تھیں کہ بہت سے لوگ اپنے بچّوں اور سامان کی گٹھڑیوں کو اُٹھا کر کھڑے ہو گئے۔ بعض لوگ دریا میں اُتر کر گھٹنے اور بعض کمر کے برابر گہرے پانی میں جا کھڑے ہوئے۔ ملّاحوں نے یہ دیکھ کر کشتیاں روک لیں۔ سلیم اور داؤد کشتی سے اُترے اور لوگوں کو دھکیل کر واپس کنارے کی طرف ہٹانے لگے۔ ان کے باقی ساتھیوں میں سے پولیس کے آدمی اس موقع پر بہت کارآمد ثابت ہوئے۔ انھوں نے لوگوں کو ادھر ادھر دھکیل کر دریا کے کنارے کچھ جگہ خالی کرا دی۔

سلیم نے کنارے پہنچ کر انھیں سمجھایا "دیکھو! جب تک تم لوگ مجھے یہ یقین نہیں دلاؤ گے کہ تم صبر سے کام لو گے، یہ کشتیاں آگے نہیں آئیں گی۔ تمھاری بدحواسی کے باعث ایک کشتی دریا میں ڈوب چکی ہے۔ اگر تم اس طرح کرتے رہے تو ایک آدمی بھی دوسرے کنارے نہیں پہنچے گا۔ تم یہ جانتے ہو کہ سب آدمی ایک ہی بار کشتی پر سوار نہیں ہو سکتے۔ ہم سب سے پہلے عورتوں، بچّوں اور زخمیوں کو دوسرے کنارے پہنچانا چاہتے ہیں، اس کے بعد دوسروں کی باری آئے گی۔ میں اس بات کا ذمہ لیتا ہوں کہ کشتیاں اب چلتی رہیں گی لیکن ایسی بے قاعدگی میں ملّاحوں کا کام مشکل ہو جائے گا، میں تمھیں یہ بھی یقین دلاتا ہوں

www.allurdu.com

کہ جب تک یہ کام ختم نہیں ہوگا میں یہیں رہوں گا اور مجھے یقین ہے کہ یہ میرے ساتھی بھی تمہیں چھوڑ کر بھاگنا گوارا نہیں کریں گے۔ جب تک ہم زندہ ہیں، سکھوں کو اس طرف نہیں آنے دیں گے۔"

پانچ بجے کے قریب مجید آنکھیں بند کیے لیٹا ہوا تھا۔ سلیم اس کے قریب پہنچ کر خاموش کھڑا رہا۔ عابدہ نے کہا "آپ انھیں جلدی پار پہنچا دیجیے۔ انھیں بہت تکلیف ہے۔"

سلیم نے کوئی جواب دیے بغیر جھک کر مجید کی نبض پر ہاتھ رکھ دیا۔

مجید نے آنکھیں کھولیں۔ سلیم نے کہا "کشتیاں عورتوں اور بچوں کا ایک پھیرا لے کر گئی ہیں، تھوڑی دیر میں واپس آجائیں گی۔"

مجید نے کہا "سلیم تم جاؤ۔ میں یہیں رہوں گا، تم میری فکر نہ کرو!"

سلیم نے مضطرب ہو کر کہا "مجید تم سمجھتے ہو کہ میں تمہیں چھوڑ کر جا سکتا ہوں!"

مجید نے محبت بھرے لہجے میں کہا "بھائی خفا ہونے کی کوئی بات نہیں، میں یہ نہیں کہتا کہ تم پاکستان بھاگ جاؤ! ــــ میرا مطلب یہ تھا کہ تم ڈاکٹر شوکت کے گھر کا حال معلوم کرو۔ میرا خیال تھا کہ ہم ان لوگوں کو یہاں پہنچاتے ہی ان کے گاؤں کا رخ کریں گے لیکن کاش مجھ میں تھوڑی سی طاقت اور ہوتی، اب تم جاؤ، میں جانتا ہوں تمہارا دل اور دماغ وہاں ہے۔ تم چند گھنٹوں تک انھیں لے کر یہاں پہنچ سکتے ہو۔"

سلیم نے کہا "مجید! تم داؤد اور بشیر کو اپنے ساتھ لے جاؤ۔ داؤد

تمہیں دریا کے پار کسی ڈاکٹر کے سپرد کر کے واپس آجائے گا، تم سفر کے قابل ہو جاؤ تو بہن امینہ کے پاس پہنچ جاؤ۔ میں تمہارے لیے گھوڑے بھی پار پہنچا دیتا ہوں!"

اس کے بعد سلیم نے عابدہ اور اس کی ماں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "آپ بھی تیار ہو جائیں۔"

عابدہ کی ماں نے کہا "بیٹا نارووال میں ہمارے رشتہ دار ہیں، ہم تمہارے بھائی کو وہاں لے جائیں گی اور جب تک یہ تندرست نہیں ہوگا، ہمارے پاس رہے گا۔ اگر نارووال میں اچھا ڈاکٹر نہ ملا تو میرا بھائی سیالکوٹ میں ہے، میں اسے وہاں لے جاؤں گی۔ تم یہی سمجھو کہ میں اس کی ماں ہوں!"

سلیم نے مجید کی طرف دیکھا تو اس نے کہا "اب وقت ضائع نہ کرو سلیم! اس آگ سے جو کوئی بچ سکتا ہے، اسے بچا لو! ــــ میں جانتا ہوں تم مجھے چھوڑ کر نہیں جا سکتے۔ میں ان کے ساتھ جانے کے لیے تیار ہوں لیکن ہمارے ساتھ صرف بشیر کافی ہے، داؤد کی یہاں ضرورت ہے یہاں ہر آدمی کی جان میری جان سے زیادہ قیمتی ہے۔"

ایک گھنٹے کے بعد سلیم اور داؤد دریا کے پار مجید، بشیر، عابدہ اور اس کی ماں کو خدا حافظ کہہ رہے تھے۔

مجید گھوڑے پر سوار تھا اور بشیر اس کی باگ پکڑے ہوئے تھا۔ رخصت کے وقت مجید نے اپنی بش شرٹ کی جیب سے پستول نکال کر سلیم کو دے دیا اور کہا "یہ بھی اپنے پاس رکھو اور دیکھو، اگر بارود ختم ہو جائے تو ہتھیار پھینک نہ دینا۔ پاکستان کو ان کی ضرورت ہے۔"

www.allurdu.com

سلیم نے کیمپ کے ہزاروں آدمیوں کو کسی حفاظت کے بغیر چھوڑ کر جانا گوارا نہ کیا۔ اس نے داؤد کے علاوہ فقط ان تین آدمیوں پر اپنا ارادہ ظاہر کیا جو گاؤں سے اس کے ساتھ آئے تھے اور وہ اس کا ساتھ دینے کے لیے تیار ہو چکے تھے۔ باقی مسلح آدمیوں کو اس نے کیمپ سے ایک طرف جمع کر کے سمجھایا کہ ہم چند گھنٹوں کے لیے کہیں جا رہے ہیں میری غیر حاضری میں ان لوگوں کی حفاظت تمہارے ذمہ ہے۔ اگر میں نہ آسکوں تو تم آخری دم تک ان لوگوں کی حفاظت کرنا اور انھیں چھوڑ کر بھاگ نہ جانا۔ میں تم سے اس بات کا وعدہ لینا چاہتا ہوں۔ کیمپ سے ایسے لوگوں کی تلاش کرو جو کشتیاں چلانا جانتے ہوں۔ جب ملاح تھک جائیں تو وہ ان کی جگہ لے لیں۔ ہمارے پاس بارود بہت تھوڑی ہے، اسے بہت احتیاط سے استعمال کرنا!"

پولیس کے ایک کانسٹیبل نے کہا "ہم بے غیرت نہیں بنیں گے، جب ہمارے ہاتھ خالی تھے تو بھی ہم نے ان عورتوں اور بچوں کو چھوڑ کر بھاگنا گوارا نہ کیا، اب ہمارے پاس رائفلیں ہیں۔ جب تک ہمارے ہاتھ کٹ نہیں جاتے، ہم لڑیں گے لیکن آپ کا یہاں رہنا ضروری تھا۔ کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ کی جگہ کوئی اور چلا جائے؟"

"نہیں!"

"تو پھر چند آدمی اور ساتھ لیتے جائیں۔"

"نہیں آدمیوں کی یہاں ضرورت ہے!"

ایک اور آدمی نے سوال کیا "آپ کہاں جا رہے ہیں؟"

"یہاں سے دس بارہ میل ایک گاؤں ہے —— اور وہاں ..... وہاں"

سلیم کی آواز بیٹھ گئی اور وہ افق کی طرف دیکھنے لگا۔ حدِ نگاہ پر چند بستیوں سے آگ کے شعلے اور دھوئیں کے بادل اٹھ رہے تھے۔ سلیم اچانک ایک طرف بھاگا اور ایک چھکڑے کے ساتھ بندھے ہوئے گھوڑے کا رسّا کھول کر اس پر سوار ہو گیا۔

"سلیم ٹھہرو! ٹھہرو!" داؤد نے بھاگ کر اس کے گھوڑے کی باگ پکڑتے ہوئے کہا۔ "تم تنہا نہیں جا سکتے۔"

"جلدی آؤ داؤد!"

ایک منٹ کے اندر داؤد اور ان کے باقی تین ساتھی گھوڑوں پر سوار ہو گئے۔ ان کے راستے میں اجڑی ہوئی بستیاں تھیں، جلتے ہوئے گھر تھے۔ مردوں، عورتوں اور بچوں کی لاشیں تھیں جنہیں کہیں کہیں گدھ نوچ رہے تھے۔ بعض جگہوں پر گدھوں کی ٹولیاں لاشوں کے پاس بے حس و حرکت بیٹھی ہوئی تھیں۔ بھارت کے بھیڑیے ان کی ضرورت سے کہیں زیادہ شکار مار چکے تھے۔ وہ شاید ایک دوسرے سے یہ کہہ رہے تھے۔ "ہم نے چنگیز اور ہلاکو کی دعوتیں اڑائی ہیں لیکن اہنسا پرمودھرکے وسیع دسترخوان پر ہم نے جو فراوانی دیکھی ہے، وہ پہلے کبھی نہ تھی۔ چنگیز اور ہلاکو تو میزبانی کے آداب سے واقف ہی نہ تھے۔ وہ بسا اوقات ہمارے سامنے آہن پوش آدمیوں کی لاشیں پھینک دیتے تھے اور اُن کے آہنی لباس کے باعث ہمارا کام بہت مشکل ہو جاتا تھا لیکن ہمارے یہ میزبان لاشوں کے کپڑے بھی نوچ ڈالتے ہیں، پھر ان کے ٹکڑے کر دیتے ہیں تاکہ ہمیں تکلیف نہ ہو اور

www.allurdu.com

پھر اس زمانے میں تو زیادہ تر سخت گوشت والے مردوں کو ہی قتل کیا جاتا تھا لیکن بھارت ماتا کے دسترخوان پر عورتوں اور بچوں کے گوشت کی فراوانی ہے ــــــ وہ تاریک زمانہ تھا مگر اب دنیا بدل چکی ہے۔ اب بھارت کے بیٹے گدھوں کے مزاج سے واقف ہو چکے ہیں ــــ کہو بھارت ماتا کی جے!"

راستے میں ان لوگوں کی ٹولیاں ملیں جو دریا کا رُخ کر رہے تھے۔ سلیم گھوڑا روکتا اور ان سے ڈاکٹر شوکت کے گاؤں کا حال پوچھتا لیکن کسی کو اپنا ہوش نہ تھا ــــ اسے عام طور پر اس قسم کے جواب ملتے:۔

"میرا باپ اندھا ہے اور میں اسے فلاں جگہ چھوڑ آیا ہوں۔"

"میرے اتنے بچے تھے، ایک کرن میں ڈوب گیا اور باقی دوسرے کنارے پر پڑے ہوئے ہیں۔"

"میں اپنے خاندان کی لاشیں دفن نہیں کر سکا۔"

"مجھے تو اپنے گھر کے کسی آدمی کا پتہ نہیں!"

"تم نے راستے میں میری بہن تو نہیں دیکھی؟ اس کے دوپٹے کا رنگ یہ تھا۔ اس کی شکل ایسی تھی۔"

"آگے مت جاؤ۔ آگے مت جاؤ!"

ایک گاؤں کے قریب سے گزرتے ہوئے انھیں عورتوں اور بچوں کی چیخ و پکار سنائی دی۔ شام ہونے کو تھی۔ سلیم نے گھوڑے کو روکا۔ اس کے ایک ساتھی نے کہا۔ "اب ہر گاؤں میں یہی کچھ ہو رہا ہے۔ شام ہونے والی ہے، ہم سب کو نہیں بچا سکتے۔ ہمیں پہلے ان کی خبر لینی چاہیے۔"

"نہیں ہم انھیں چھوڑ کر نہیں جا سکتے۔" یہ کہتے ہوئے سلیم نے گھوڑے کی باگ گاؤں کی طرف موڑ لی۔

گاؤں کے لوگ چند مکانوں کی چھتوں پر جمع ہو کر حملہ آوروں پر اینٹیں برسا رہے تھے اور سکھوں کا ہجوم اُن کا محاصرہ کیے ہوئے تھا۔ دو سکھ کچھ دُور پیچھے ہٹ کر بندوقوں سے فائر کر رہے تھے۔ داؤد نے ان کے عقب میں نمودار ہو کر ٹامی گن سے فائر کیے، ایک گر پڑا اور دوسرا بھاگ کر ایک مکان کی آڑ میں روپوش ہو گیا۔ سلیم اور باقی آدمی گھوڑے بھگا کر آگے بڑھے اور جتھے پر گولیاں برسانے لگے۔ سکھ بھاگ نکلے۔ چند لاٹھیوں اور کلہاڑیوں سے مسلّح مسلمانوں نے انھیں پسپا ہوتے دیکھ کر اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا اور چھتوں سے چھلانگیں لگا کر ان کا تعاقب کرنے لگے۔

باقی عورتیں اور مرد اپنے محسنوں کا شکریہ ادا کرنے کے لیے گھروں سے باہر نکل آئے لیکن سلیم اور اس کے ساتھی ایک لمحہ توقف کے بغیر گھوڑے دوڑاتے ہوئے گاؤں سے نکل گئے۔ لوگ حیران ہو کر ایک دوسرے سے سوال کر رہے تھے "یہ کون تھے؟ یہ ٹھہرے کیوں نہیں؟"

ایک سفید ریش آدمی انھیں سمجھا رہا تھا "یہ رحمت کے فرشتے تھے۔ یہ پاکستان کے سپاہی تھے۔"

اس گاؤں سے آگے کوئی ڈیڑھ میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد سلیم نے ایک چوراہے پر اپنے گھوڑے کی باگ کھینچ لی اور اپنے ساتھیوں کو رکنے کا اشارہ کیا۔ اس نے کہا۔ "میرے خیال میں یہ وہی راستہ ہے جو پکی سڑک سے اترتا ہے، اب ہمیں دائیں طرف مڑنا چاہیے۔"

داؤد نے کہا۔ "رات ہونے والی ہے، ہمیں تسلی کر لینی چاہیے۔"

تھوڑی دور موٹروں کی آواز آ رہی تھی۔

داؤد بولا۔ "ہم سڑک کے بالکل قریب آ نکلے ہیں۔"

www.allurdu.com

سلیم نے کہا "تم یہیں ٹھہرو، میں پانچ منٹ میں سڑک پر میل کا نشان دیکھ کر آتا ہوں۔ وہاں سے مجھے اندازہ ہو جائے گا۔"

سلیم نے گھوڑے کی باگ موڑی ہی تھی کہ اس کا ایک ساتھی چلایا "ٹھہرو! کوئی سوار اس طرف آ رہا ہے۔"

پگڈنڈی پر تیز رفتار گھوڑے کی ٹاپ سن کر سلیم اور اس کے ساتھی کسی غیر متوقع خطرے کا سامنا کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ شام کے دھندلکے میں انھیں ایک سوار دکھائی دیا۔ اپنے ساتھیوں کو اس کی طرف بندوقیں سیدھی کرتے ہوئے دیکھ کر سلیم نے کہا "ٹھہرو! وہ شاید کوئی مسلمان ہو۔ ایک سکھ اس طرح پانچ آدمیوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔"

تھوڑی دیر میں وہ گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر ایک بیس بائیس سالہ نوجوان کو دیکھ رہے تھے، وہ ننگے پاؤں اور ننگے سر تھا۔ اس کے ایک ہاتھ میں گھوڑے کی باگ اور دوسرے میں برچھی تھی۔ سوار نے قریب پہنچ کر گھوڑے کی باگ کھینچی اور گھوڑا دو تین بار سیخ پا ہونے کے بعد رک گیا۔ سوار نے کسی تمہید کے بغیر کہا "تم نے میرے گاؤں کو بچایا ہے، میں تمہارے احسان کا بدلہ نہیں دے سکتا۔"

سلیم نے جواب دیا "ہم نے اپنا فرض ادا کیا ہے، تم پر احسان نہیں کیا۔"

"میں تم سے یہ پوچھنے آیا ہوں کہ بندوقیں کہاں سے ملتی ہیں؟ گاؤں سے ایک زخمی سکھ کی بندوق ہمیں مل گئی ہے۔ اگر ہمیں پانچ چھ اور بندوقیں مل جائیں تو ہم آخری دم تک سکھوں کا مقابلہ کریں گے۔ اگر کہیں سے قیمت پر بھی ملتی ہوں تو ہم اپنی عورتوں کا تمام زیور اتار کر دینے کے لیے تیار ہیں۔"

سلیم نے کہا "کاش! ہم چند مہینے پہلے اس طرح سوچ سکتے۔"

نوجوان نے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا "چند مہینے پہلے ہمیں یہ علم نہ تھا کہ ہمارے ساتھ یہ فریب ہوں گے۔ ہمارے علاقے کے لیڈر تو اعلان سے ایک دن پہلے بھی یہ کہتے پھرتے تھے کہ ہماری تحصیل پاکستان میں جائے گی۔ ہم یہاں سکھوں اور ہندوؤں سے دوگنا زیادہ تھے لیکن اب باتوں سے کیا فائدہ؟ ہم بندوقیں لینا چاہتے ہیں اور ان کی قیمت ادا کرنے کے لیے تیار ہیں۔ ہماری غیرت ہمیں ان وحشیوں کے آگے بھاگنے کی اجازت نہیں دے گی۔ تم لوگوں نے چند فائر کیے اور وہ بھیڑوں کی طرح بھاگ نکلے۔ خدا کے لیے مجھے بتاؤ، بندوقیں کہاں سے ملتی ہیں؟ یہ لو میری بیوی، میری بہنوں اور میری ماں کا زیور ہے اور اگر تم کہیں سے پانچ رائفلوں کا بندوبست کر سکو تو میں اپنے گاؤں کی ہر عورت کا زیور اتروا کر دینے کے لیے تیار ہوں۔"

نوجوان اپنی جیب سے ایک پوٹلی نکال کر سلیم کی طرف بڑھا رہا تھا۔

سلیم نے کہا "میرے بھائی! تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔ ہم قوم کی عزت کا سودا کرنے والوں میں سے نہیں۔ ہمیں بندوقوں کی منڈی کا علم نہیں۔ اب بندوقیں حاصل کرنے کے لیے صرف ہمت کی ضرورت ہے۔ ہم نے یہ بندوقیں سکھوں اور ہندوستانی فوج کے سپاہیوں سے چھینی ہیں۔ میں تمہیں اس وقت ایک پستول دے سکتا ہوں۔ یہ لو۔ یہ بھرا ہوا ہے، میرے پاس اس وقت اور گولیاں نہیں لیکن اگر تم اس کا صحیح استعمال کر سکو تو شاید تمہیں ان پانچ گولیوں کے عوض پانچ بندوقیں مل جائیں۔ اب تم جاؤ، ہمیں دیر ہو رہی ہے۔"

"آپ کہاں جائیں گے؟"

"تم ڈاکٹر شوکت کو جانتے ہو؟"

www.allurdu.com

"انھیں کون نہیں جانتا!"

"ان کے گاؤں کا یہی راستہ ہے نا؟"

"نہیں! وہ راستہ آپ کو آگے چل کر ملے گا لیکن سوچنے کی ضرورت نہیں، آپ میرے پیچھے آئیں۔"

"تم ہمارے ساتھ چلو گے؟"

نوجوان نے مسکرا کر کہا۔ "میں بندوق حاصل کرنے سے زیادہ تمہارا ساتھ دینے کے لیے تمہارے پیچھے آیا ہوں۔"

نوجوان نے تھوڑی دور جا کر سلیم کی طرف مڑ کر دیکھا اور سوال کیا۔

"آپ کہاں سے آئے ہیں؟"

"ہم ضلع گورداسپور سے آئے ہیں!"

"میں نے آپ کو کہیں دیکھا ہے۔ ہاں الیکشن کے دنوں میں!"

"ہاں ان دنوں میں نے اس علاقے کا دورہ کیا تھا۔"

"آپ کا نام سلیم ہے نا؟"

"ہاں!"

"میرا نام امیر علی ہے، آپ کو یاد نہیں رہا۔ میں دو دن آپ کے ساتھ رہا تھا۔ ڈاکٹر صاحب آپ کے رشتہ دار ہیں؟"

"ہاں! اب گاؤں کتنی دور ہوگا؟" سلیم نے گفتگو کا موضوع بدلنے کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے کہا۔

"یہاں سے ایک کوس ہوگا۔"

سلیم کے دل کی دھڑکن تیز ہونے لگی۔ وہ تصور میں گاؤں کے مختلف مناظر دیکھ رہا تھا۔ کبھی اسے عصمت کی آنکھوں میں تشکر کے آنسو دکھائی دے رہے

ہی، کبھی وہ اس کی جگر دوز چیخیں سن رہا تھا۔ کبھی وہ تصور کر رہا تھا کہ وہ سب صحن میں اس کے گرد جمع ہو کر طرح طرح کے سوال پوچھ رہے ہیں۔ کبھی ملبے کے ڈھیر پر کھڑا ہو کر انھیں آوازیں دے رہا تھا۔

"ٹھہرو!" امیر علی نے اچانک گھوڑا روکتے ہوئے کہا۔

سلیم نے چونک کر باگ کھینچ لی۔ امیر علی نے جھک کر نیچے دیکھتے ہوئے کہا۔ "ادھر دیکھو!"

سلیم جو چند قدم آگے نکل گیا تھا، گھوڑا موڑ کر اس کے قریب آیا۔ اسے زمین پر ایک لاش دکھائی دی۔ سلیم نے جلدی سے تھیلے سے ٹارچ نکال کر اس پر روشنی ڈالی۔ داؤد نے گھوڑے سے اتر کر لاش کو غور سے دیکھنے کے بعد کہا۔ "یہ لاش آج کی نہیں، اس سے بو آ رہی ہے!"

امیر علی نے کہا۔ "ادھر دیکھو، وہ گاؤں ہے۔ وہ اونچا درخت ڈاکٹر شوکت کے گھر کی نشانی ہے۔"

سلیم نے پر امید ہو کر کہا۔ "گاؤں محفوظ ہے، وہاں آگ نہیں۔ چلو جلدی کرو!"

امیر علی نے کہا۔ "اب گھوڑے آہستہ کر لو۔ ممکن ہے گاؤں سے باہر دشمن گھات لگا کر بیٹھا ہوا ہو!"

چند قدم اور چلنے پر انھیں اور لاشیں نظر آئیں۔ امیر علی نے گھوڑا روکتے ہوئے مغموم لہجے میں کہا۔ "میرے دوست گاؤں پر حملہ ہو چکا ہے!"

سلیم چلایا۔ "نہیں، نہیں!" تاہم وہ یہ محسوس کر رہا تھا کہ وہ اپنے ساتھی کے خیال کی تردید کرنے سے زیادہ اپنے آپ کو تسلی دے رہا ہے!

تھوڑی دور آگے چل کر انھیں گاؤں سے باہر ڈاکٹر شوکت کے مکان

www.allurdu.com

کی چار دیواری نظر آنے لگی اور اس کے ساتھ ہی آس پاس کے کھیتوں میں جگہ جگہ لاشیں دکھائی دینے لگیں۔

امیر علی نے قبرستان کے پاس بیری کے درختوں کے ایک جھنڈ کے نیچے گھوڑا روک کر نیچے کودتے ہوئے کہا۔ "گھوڑے یہاں باندھ دو۔ ہم آگے پیدل جائیں گے۔ ایک آدمی گھوڑوں کے پاس رہے۔"

سلیم نے کہا۔ "تم یہاں ٹھہرو۔ ہم جاتے ہیں۔"

امیر علی نے جواب دیا۔ "میں آپ کی حکم عدولی نہیں کرتا لیکن میرا ساتھ جانا ٹھیک ہے۔ آپ یہ نہ سمجھیں کہ میں بندوق چلانا نہیں جانتا!"

سلیم نے اپنے ایک ساتھی کو گھوڑوں کے پاس ٹھہرا دیا اور امیر علی سے کہا۔ "تم اس کی رائفل لے لو اور پستول اسے دے دو۔"

ڈاکٹر شوکت کے مکان سے باہر بھی کئی لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ صحن کے پھاٹک کا دروازہ کھلا تھا لیکن سلیم کو آگے بڑھنے کی ہمّت نہ ہوئی۔ اس کے ہاتھ لرز رہے تھے اور ٹانگیں لڑکھڑا رہی تھیں۔ چند ثانیے وہ پھاٹک کے سامنے کھڑا رہا۔ پھاٹک سے آگے صحن میں بھی لاشیں نظر آ رہی تھیں۔ سلیم کی آنکھوں کے سامنے شاہراہِ حیات کی آخری مشعل بجھ چکی تھی۔ اُس کے آسمان کے ستاروں کی گردش میں ایک ٹھہراؤ آ چکا تھا۔ آس پاس بکھری ہوئی لاشوں کا سکوت اس کے لیے آگ کے شعلوں، بندوقوں کے شور اور تلواروں کی چمک سے زیادہ بھیانک تھا۔ اس کی زبان گنگ تھی لیکن اس کے دل کی خفیف دھڑکنیں، "عصمت! عصمت!! عصمت!!!" پکار رہی تھیں۔ عصمت

کے نام میں ابھی تک زندگی کی حرارت تھی۔ سلیم کے دل کی دھڑکنیں تیز ہونے لگیں۔ اس کے بھنچے ہوئے ہونٹ ہلنے لگے۔ "عصمت! عصمت!!" وہ اچانک بلند آواز میں چلّایا اور بھاگتا ہوا صحن میں داخل ہو گیا۔ چند کُتّے جو ایک لاش کو بھنبھوڑ رہے تھے، اچانک بھاگ کر صحن سے باہر نکل گئے۔ سلیم نے تھیلے سے ٹارچ نکالی اور جُھک جُھک کر صحن اور برآمدے میں بکھری ہوئی لاشوں کو دیکھنے لگا۔ مسلمانوں کے ساتھ کہیں کہیں سکھوں کی لاشیں بھی پڑی ہوئی تھیں۔

اچانک سلیم کے ہاتھ میں اِدھر اُدھر گھومتی ہوئی ٹارچ کی روشنی ایک چہرے پر مرکوز ہو کر رہ گئی۔ امجد کی لاش برآمدے کے ستون کے پاس پڑی ہوئی تھی۔ اس کے بازو دھڑ سے علیحدہ تھے۔ شاہ رگ اس طرح کٹی ہوئی تھی جیسے اُسے لٹا کر ذبح کیا گیا ہو۔ دونوں باچھیں جبڑوں کے کونوں تک چیر دی گئی تھیں لیکن اس کی کشادہ پیشانی، اس کی خوبصورت ناک، اس کی آنکھیں جو ابھی تک کھُلی تھیں، یہ کہہ رہی تھیں "مجھے غور سے دیکھو، میں امجد ہوں۔ میں عصمت اور راحت کا بھائی ہوں، میں وہ معصوم مسکراہٹ ہوں جسے زندگی کے ہونٹوں سے نوچ لیا گیا ہے!"

برآمدے سے آگے کمرے کے دروازے کا ایک کواڑ ٹوٹا ہوا تھا۔ دہلیز سے باہر اور اندر چند اور لاشیں پڑی تھیں۔ عورتوں اور بچّوں کی لاشیں۔ سلیم کانپتے ہوئے ہاتھ سے ان پر روشنی ڈال رہا تھا۔ عورتیں زیادہ تر عمر رسیدہ تھیں۔ سلیم نے ٹارچ بجھا دی۔ اس کے مُنہ سے درد کی گہرائیوں میں ڈوبی ہوئی آواز نکلی "عصمت! راحت!!" اس کے جواب میں ایک مکان کی چھت سے کُتّے کے رونے کی آواز آ رہی تھی۔

داؤد نے کہا۔ "چلو اندر دیکھیں۔"

www.allurdu.com

سلیم بے حس و حرکت کھڑا رہا۔ داؤد نے اس کے ہاتھ سے ٹارچ لے لی اور اسے بازو سے پکڑ کر اندر لے گیا۔ کمرے میں ان عورتوں کی لاشیں تھیں جنھیں سلیم نے اب تک نہیں دیکھا تھا۔ اس سے آگے بیٹھک میں کھلنے والا دروازہ بھی ٹوٹا ہوا تھا۔ سلیم کے دل اور دماغ کے وہ حصّے مفلوج ہو چکے تھے جنھیں درد کا احساس ہوتا ہے، اب اس کے لیے کوئی چیز بھیانک نہ تھی۔ اس نے اچانک داؤد کے ہاتھ سے ٹارچ لے لی اور بیٹھک کے اندر داخل ہوا۔ بیٹھک میں کوئی نہ تھا۔ فرش کی دری پر کہیں کہیں خون کے دھبّے تھے۔ بغل کے کمرے کا دروازہ بھی ٹوٹا ہوا تھا اور اس کی دہلیز کے آگے سکھوں کی دو لاشیں پڑی تھیں۔ ایک کونے میں ایک اور لاش تھی۔ سلیم نے ایک ہی نظر میں اسے پہچان لیا اور اسے دوسری نظر دیکھنے کا حوصلہ نہ ہوا۔ عریانی، بے بسی اور مظلومیت کی یہ تصویر زبانِ حال سے کہہ رہی تھی "میری طرف مت دیکھو! میرے قریب مت آؤ۔ دنیا کے تمام چراغ بجھا دو۔ سورج، چاند اور ستاروں سے کہو کہ وہ ہمیشہ کے لیے روپوش ہو جائیں تاکہ مجھے کوئی اس حال میں نہ دیکھ سکے۔

سلیم نے داؤد کو دھکا دے کر باہر نکال دیا اور باقی آدمیوں سے جو ابھی تک بیٹھک میں کھڑے تھے، کہا "تم یہیں رہو!"

ایک لمحہ توقف کے بعد اس نے لاش کی طرف پیٹھ کر کے ٹارچ جلائی۔ کمرے کی ایک دیوار کے ساتھ لکڑی کا ایک صندوق کھلا پڑا تھا لیکن وہ خالی تھا۔ چند کپڑے اِدھر اُدھر بکھرے ہوئے تھے لیکن سلیم ان میں اپنے مطلب کی کوئی چیز تلاش نہ کر سکا۔ صندوق کے ساتھ ایک پلنگ پر پرانی دری بچھی ہوئی تھی۔ سلیم نے دری اٹھائی اور ٹارچ بجھا کر تاریکی میں ٹٹول ٹٹول کر پاؤں رکھتا ہوا پیچھے مڑا، اچانک اس کے پاؤں سے کوئی شے لگی اور وہ جھکا

[ہا]تھوں سے ٹٹولنے لگا۔ لاش کے بازو اور سر کے بالوں کو چھونے کے بعد [اس] نے دری کو اس کے اوپر ڈال دیا۔

اس کے بعد وہ کچھ دیر بے حس و حرکت کھڑا رہا۔ باہر نکلنے کے ارادے [سے] اس نے ٹارچ دوبارہ جلائی لیکن اس کے دل میں اچانک یہ خیال آیا، شاید [ک]وئی اور ہو۔ شاید میں نے پہچاننے میں غلطی کی ہو۔ اس نے جھک کر کانپتے [ہو]ئے ہاتھ سے دری کا ایک سرا اٹھا کر چہرے پر روشنی ڈالی۔ یہ وہی تھی عصمت [اور ر]احت کی ماں ـــــ اس کے بال بکھرے ہوئے تھے، اس کا چہرہ بُری طرح [نو]چا گیا تھا۔ امجد کی طرح اس کی آنکھیں بھی کھلی تھیں، ان میں ایک التجا تھی۔ ایک [پ]یغام تھا ـــــ یہ پتھرائی ہوئی آنکھیں قوم کے بیٹوں سے کہہ رہی تھیں:۔

"میں تمہاری غیرت ہوں ـــــ تم میری عصمت کی قسم کھا سکتے ہو۔ میں وہ بہن ہوں، جس نے دمشق کے ایوانوں پر لرزہ طاری کر دیا تھا۔ محمدؒ بن قاسم کی تلوار کو میں نے بے نیام کیا تھا۔ سندھ میری خاطر فتح ہوا تھا۔ میں وہ ماں ہوں جس نے محمودؒ غزنوی کو دودھ پلایا تھا۔ سومنات کے بت توڑنے والے مجاہد کو میں نے لوریاں دی تھیں۔ میں وہ بیٹی ہوں جس کی رگوں میں تیمور کا خون ہے۔ لال قلعہ میرے لیے تعمیر ہوا تھا۔ میں نے اس سرزمین پر صدیوں تک تیری فتح و نصرت کے گیت گائے ہیں۔ اے قوم! دیکھ میں کون ہوں!!

سلیم نے دوبارہ اس کے چہرے پر دری ڈال دی اور کمرے سے باہر نکل [آیا۔] اس نے ایک بار پھر تمام کمروں میں چکّر لگایا۔ ایک ایک لاش کو غور سے [دیک]ھا۔ بعض چہروں کو کرپانوں کی ضربوں سے اس طرح مسخ کر دیا گیا تھا کہ ان کے

www.allurdu.com

”امجد! تمہارے خون کی قسم! ماں تمہارے بکھرے ہوئے بالوں کی قسم! اب میرے ہاتھ نہیں کانپیں گے۔ اب میرے پاؤں نہیں ڈگمگائیں گے۔ تمہارا خون رائیگاں نہیں جائے گا۔ شہیدوں کی روحو! بارگاہِ الٰہی میں دُعا کرو کہ وہ تمہاری قوم کے جوانوں کے سینے آگ کے انگاروں سے بھر دے۔ وہ اس خاک کی تقدیس کو بھول نہ جائیں جس پر تمہارا خون گرا ہے، جس پر تمہاری عصمتیں لٹی

رکا اور ایک درخت پر چڑھ گیا۔ ایک لمحہ چار دیواری کے اندر جھانکنے کے بعد اس نے نیچے اترتے ہوئے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ ”آدمیوں کی تعداد تیس چالیس سے زیادہ نہیں لیکن باہر سے اور آدمی داخل ہو رہے ہیں۔ آگے دیوار کے ساتھ ایک چھپّر ہے، ہم اس کی چھت پر لیٹ کر فائر کر سکتے ہیں۔“

———— ☀ ————

www.allurdu.com

حویلی کے اندر سکھ اپنی گزشتہ بارہ گھنٹے کی فتوحات کا جشن منا رہے تھے۔ تیس چالیس سکھ زمین پر بیٹھے شراب اُڑا رہے تھے۔ آٹھ دس آدمیوں کی ایک ٹولی نے شراب سے بدمست ہو کر ہڑبونگ مچا رکھی تھی۔ کوئی ناچ رہا تھا کوئی فحش گانے گا کر اپنے ساتھیوں سے داد حاصل کر رہا تھا۔ دیوار میں کھونٹیوں کے ساتھ دو لالٹینیں لٹک رہی تھیں۔ ناچنے والے آدمیوں نے اپنے دو ساتھیوں کو پکڑ کر لالٹین کی روشنی میں کھڑا کر دیا۔ لوگ انھیں دیکھ دیکھ کر قہقہے لگا رہے تھے۔ مان سنگھ کے گھر کی عورتیں ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو رہی تھیں۔ یہ دونوں سکھ اپنے چار گرہ مذہبی لباس سے بھی آزادی حاصل کر چکے تھے۔

ایک عورت چلائی "انھیں اُن کے سامنے کرو!"

ٹولی کے باقی آدمی انھیں دھکیلتے ہوئے ایک طرف لے گئے۔ یہاں دھندلی روشنی میں چند عورتیں سمٹ کر بیٹھی ہوئی تھیں۔ ایک آدمی لالٹین اتار کر ان کے قریب لے گیا۔

ایک عورت کی آواز آئی "گیان سنگھ، تمہاری دلہنیں شرماتی ہیں، انھیں شراب پلاؤ!"

"ہاں بھابی، شراب لاؤ!"

ایک اور آدمی نے کہا "ہاں سب کو شراب پلاؤ۔" باقی سکھ اس کی تائید کر رہے تھے۔

ایک آدمی نے ایک عورت کو بازو سے پکڑا اور گھسیٹ کر ایک طرف کرتے ہوئے کہا "گیان سنگھ ایک گلاس ادھر دینا!"

دو آدمیوں نے تڑپتی اور چیختی ہوئی عورت کے بازو اور سر کے بال پکڑ لیے اور ایک اسے زبردستی شراب پلانے کی کوشش کرنے لگا۔

عورت کہہ رہی تھی "کُتّو! سؤرو! مجھے مار ڈالو — مجھے مار ڈالو!"

"ٹھہرو! یہ اس طرح نہیں پیے گی!" ایک سکھ آگے بڑھ کر اس کا لباس نوچنے لگا۔

دروازے کے پاس پڑا ہوا کوئی آدمی چلّایا "ظالمو! خدا سے ڈرو۔ مان سنگھ! مان سنگھ! خدا سب کچھ دیکھتا ہے۔"

"ارے اس کُتّے کی جان بڑی سخت ہے۔ اسے پھر ہوش آگیا ہے۔" مان سنگھ یہ کہتے ہوئے آگے بڑھا اور رسیوں میں جکڑے ہوئے آدمی کو پاؤں سے ٹھوکر مارتے ہوئے بولا "ڈاکٹر! تم پرائی عورتوں کو دیکھ کر مرے جا رہے ہو، ابھی تو تمہاری لڑکیوں کی باری بھی آئے گی۔ تم اپنی بیوی کو بھی دیکھ کر بھی چیخیں مار رہے تھے۔ اب تمہاری لڑکیوں کا خالصتان بننے والا ہے۔ اب بھی اگر یہ بتا دو کہ تم نے زیور کہاں رکھا ہوا ہے تو میں تمہاری لڑکیوں کو بچا سکتا ہوں!"

"میں نے سب کچھ تمہارے حوالے کر دیا تھا!"

"بدمعاش! وہ تمہاری بیوی کا زیور تھا، میں لڑکی کے زیور کے متعلق پوچھتا ہوں۔ تم نے اس کی شادی کے لیے جو زیور بنوایا تھا وہ کہاں ہے؟"

"وہ میں امرت سر سے نہیں لایا تھا!"

"بہت اچھا ڈاکٹر! میں تمہاری بات مان لیتا ہوں لیکن تم بھی میری ایک بات مان لو۔ میں نے اب تک تمہاری لڑکیوں کی حفاظت کی ہے۔ اگر تم یہ چاہتے ہو کہ ان کے ساتھ وہ سلوک نہ ہو جو تمہاری بیوی کے ساتھ ہوا ہے تو تم اُن سے کہو وہ امرت چکھ لیں۔ میں تمہارا داماد بننے کے لیے تیار ہوں۔ بڑی لڑکی میرے گھر کی رانی ہوگی۔ چھوٹی لڑکی کو سرودل سنگھ اپنے گھر لے جانے کے لیے تیار ہے۔ تم بھی امرت چکھ لو ڈاکٹر! ہمارے گاؤں کو ایک ڈاکٹر کی

www.allurdu.com

ضرورت ہے!"

ڈاکٹر چلّایا "تم کُتّے ہو، تم سوّر ہو۔"

ایک آدمی نے لاٹھی اٹھائی لیکن مان سنگھ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور اسے دھکیل کر پیچھے ہٹاتے ہوئے کہا۔ "نہیں ابھی نہیں گیان سنگھ! پچھلی کوٹھڑی سے ڈاکٹر کی لڑکیوں کو نکال لاؤ!"

ایک آدمی اندر داخل ہوا اور تھوڑی دیر میں دو لڑکیوں کو دھکیلتا ہوا باہر لے آیا۔ مان سنگھ نے کہا "گیانی جی! امرت کا کٹورا لے آؤ۔"

گیانی بولا "سردار جی! انھوں نے پہلے دو بار امرت گرا دیا ہے۔ اب تسلّی کر لو!"

"لاؤ گیانی جی! یہ ان کے لیے آخری موقع ہے۔ اب انھوں نے امرت گرایا تو ہمارے پاس شراب موجود ہے۔ ڈاکٹر! ابھی وقت ہے، انھیں سمجھاؤ۔"

ڈاکٹر لڑکیوں کی طرف متوجہ ہونے کی بجائے آسمان کی طرف نگاہیں اُٹھا کر کہہ رہا تھا "پروردگار! اب میں تجھ سے عزّت کی موت مانگتا ہوں۔"

لڑکیاں "ابّا جان! ابّا جان!!" کہتی ہوئی اس کی طرف بڑھیں لیکن مان سنگھ ان کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا اور چلّایا "ٹھہرو! اگر اب بھی امرت چکھ لو تو تمہارے باپ کی جان بچ سکتی ہے۔ ڈاکٹر میں آخری بار تم سے کہتا ہوں کہ ان کو سمجھاؤ ——!"

ڈاکٹر گڑگڑا کر اپنی دُعا دہرا رہا تھا۔ مان سنگھ نے گیانی کے ہاتھ سے کٹورا لے کر ایک لڑکی کی طرف بڑھایا اور کہا "لو یہ پی لو۔ میں تم سے آخری بار کہتا ہوں —— تم نہیں پیو گی۔ ٹھہرو! مکھن سنگھ او مکھن سنگھ! ذرا اِن کے سامنے تو آ!"

ایک ننگ دھڑنگ، شراب سے بدمست سکھ آگے بڑھا اور لڑکیاں

خوفزدہ ہو کر دیوار کی طرف سرکنے لگیں۔

مان سنگھ کے اشارے سے اس نے ایک لڑکی کو سر کے بالوں سے پکڑ لیا اور اس کا لباس نوچنے لگا۔ دوسری لڑکی اس کو چھڑانے کے لیے آگے بڑھی لیکن مان سنگھ نے اسے دھکّا دے کر ایک طرف پھینک دیا۔ لڑکی چیخیں مار رہی تھی۔ ڈاکٹر کی گڑگڑاتی ہوئی آواز بلند ہو رہی تھی۔ ایک طرف بیٹھی ہوئی مسلمان عورتیں رو رو کر خُدا سے دُعائیں کر رہی تھیں کہ اچانک "تڑ تڑ تڑ" کی آواز آئی اور مکھن سنگھ، مان سنگھ اور اُن کے گرد چند اور سکھ زمین پر گر پڑے۔

"وہ آ گئے! مسلمان فوج آ گئی!" سکھ چیختے چلّاتے باہر کے دروازے کی طرف بڑھے۔ پھاٹک اندر سے بند تھا۔ انھوں نے گولیوں کی بارش میں کنڈی کھولی تو معلوم ہوا کہ کوئی باہر سے بھی کنڈی لگا چکا ہے۔

سلیم چھپّر سے چھلانگ لگا کر حویلی میں داخل ہوا اور بلند آواز میں چلّایا: "فائر بند کرو!" بندوقیں اچانک خاموش ہو گئیں۔

سلیم نے چند قدم آگے بڑھ کر کہا "بھاگنے کی کوشش بے سود ہے۔ فوج نے اس مکان کو چاروں طرف سے گھیرے میں لے رکھا ہے۔ تم لوگ ایک طرف ہو جاؤ۔ ہم اس مکان کی تلاشی لیں گے۔ تھوڑی دیر میں پولیس آجائے گی، ہم تم کو ان کے حوالے کر دیں گے لیکن اس وقت تک اگر کسی نے ہاتھ بھی ہلایا تو اسے گولی مار دی جائے گی۔"

سکھ جس قدر اچانک حملے سے بدحواس ہوتے تھے، اسی قدر پولیس کی آمد کی خبر سے مطمئن تھے۔ اس علاقے کا تھانیدار ان کے جتھیدار کا دستِ راست تھا۔

ایک کونے سے پانچ چھ آدمی دیوار پھاندنے کی کوشش کر رہے

www.allurdu.com

تھے۔ سلیم نے ٹامی گن سے فائر کیے، وہ سب کے سب وہیں ڈھیر ہو گئے۔ سلیم نے باقی آدمیوں پر ٹارچ کی روشنی ڈالتے ہوئے کہا۔ "اب کوئی اور ہے جو بھاگنا چاہتا ہے؟" سکھ جواب دینے کی بجائے سمٹ کر ایک دوسرے کے ساتھ کھڑے ہو گئے۔

سلیم نے بلند آواز میں کہا۔ "جمعدار داؤد! تم دو نوجوانوں کے ساتھ اندر آجاؤ۔ صوبیدار امیر علی! تم وہیں اپنی ڈیوٹی پر رہو۔ اگر وہاں کوئی آدمی نظر آئے تو اسے گولی مار دو ——! جب تک پولیس نہیں آتی، ہم یہاں سے نہیں جائیں گے!"

داؤد دو آدمیوں کے ساتھ چھپر سے چھلانگ لگا کر اندر آگیا اور فوجی انداز میں سلام کرنے کے بعد سلیم کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

سلیم نے کہا۔ "جمعدار تم ان لوگوں کا خیال رکھو!"

ایک سکھ نے کہا۔ "سرکار ہم بے قصور ہیں۔ یہ تمام کچائی مان سنگھ کی ہے۔"

"یہ باتیں پولیس والوں کو بتانا۔ مان سنگھ کون ہے؟"

"مان سنگھ ادھر پڑا ہوا ہے۔"

"اس کے گھر کا کوئی اور آدمی ہے؟"

"یہ اس کا لڑکا ہے سرکار، ہم بے قصور ہیں۔"

"کون ہے اس کا لڑکا؟ ادھر آؤ، جلدی کرو، ڈرو نہیں۔"

ایک سولہ سال کا لڑکا جس کی شراب کسی حد تک اتر چکی تھی، کانپتا ہوا آگے بڑھا۔ سلیم نے اس کے چہرے پر روشنی ڈالی اور کہا۔ "چلو مجھے مکان دکھاؤ!"

لڑکا اس کے آگے چل دیا۔ دروازے کے قریب ایک عورت ہاتھ باندھ کر اس کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ "پرماتما کے لیے میرے بیٹے کو چھوڑ دو —— میں تمہیں سب کچھ دینے کے لیے تیار ہوں۔ میرے پاس جس قدر سونا ہے، لے لو۔"

سلیم نے کہا۔ "تم نے بندوقیں کہاں رکھی ہوئی ہیں؟"

"وہ اندر ہیں صندوق میں۔ بھگوان کے لیے، خدا کے لیے میرے بچے کو چھوڑ دو!"

سلیم نے گرجتی ہوئی آواز میں کہا۔ "چلو اندر!"

دالان سے آگے کوٹھڑی میں ٹھکا ٹھک کی آواز آرہی تھی۔ سلیم نے اچانک ٹارچ بجھا دی اور دبے پاؤں آگے بڑھا۔ کوٹھڑی کے دروازے کے سامنے پہنچ کر اس نے ٹارچ دوبارہ جلائی۔ دو آدمی صندوق توڑنے کی کوشش کر رہے تھے۔ ایک شخص نے کرپان اٹھائی لیکن اتنی دیر میں سلیم کی ٹامی گن سے چند گولیاں نکل چکی تھیں۔ ایک ثانیہ کے بعد سلیم نے دالان سے باہر جھانکتے ہوئے کہا۔ "داؤد میں ٹھیک ہوں۔ تم ان آدمیوں کا خیال رکھو۔"

مان سنگھ کے لڑکے نے دوسری کوٹھڑی میں گھس کر اندر سے دروازہ بند کر لیا۔ سلیم نے واپس مڑ کر دروازے کو دھکا دیا۔ لڑکے کی ماں نے چیخیں مارتے ہوئے اس کا دامن پکڑ لیا۔ "گورو مہاراج کی قسم! اس کوٹھڑی میں کچھ نہیں، میرے لڑکے کو چھوڑ دو۔ میں تمہیں بندوقیں نکال دیتی ہوں۔"

سلیم نے کچھ سوچ کر دروازے کی کنڈی باہر سے بند کر دی اور عورت کو دوسری کوٹھڑی میں دھکیلتے ہوئے کہا۔ "جلدی کرو!"

عورت دوسری کوٹھڑی کے دروازے کے قریب پہنچ کر دیوار ٹٹول

www.allurdu.com

رہی تھی۔ سلیم نے اس کی طرف ٹارچ کی روشنی ڈالتے ہوئے کہا ”کیا کر رہی ہو تم؟“
”صندوق کی چابی تلاش کر رہی ہوں۔ یہ ہے۔“ اس نے طاقچے میں ہاتھ ڈالتے ہوئے جواب دیا۔

عصمت اور راحت سلیم کی آواز پہچان چکی تھیں لیکن جب وہ چند قدم دور اندھیرے میں کھڑا فوجی افسر کے لب و لہجہ سے باتیں کر رہا تھا تو وہ یہ سمجھنے لگیں کہ یہ کوئی اور ہے۔ پھر جب وہ جمعدار اور صوبیدار کو ہدایات دینے لگا تو راحت نے مرجھائی ہوئی آواز میں کہا ”آپا میں سمجھی تھی کہ یہ سلیم بھائی ہیں۔“

”یہ وہی ہیں راحت! یہ وہی ہیں!“ عصمت نے راحت کو سمجھانے سے زیادہ اپنے دل کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔

اور پھر جب وہ اور قریب آ کر مان سنگھ کی بیوی سے باتیں کر رہا تھا اور دیوار کے ساتھ لٹکے ہوئے لیمپ کی دھیمی روشنی اس کے چہرے پر پڑ رہی تھی راحت اپنے لباس کے پھٹے ہوئے چیتھڑوں کو سمیٹتی ہوئی عصمت کے پیچھے چھپنے کی کوشش کرنے لگی۔ عصمت کے لیے اپنے دل کی دھڑکنیں ناقابلِ برداشت ہو چکی تھیں۔ وہ ہونٹ بھینچ کر اپنی چیخوں کو ضبط کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ ہاتھ پھیلا کر اس کی طرف بڑھنا چاہتی تھی۔ وہ کہنا چاہتی تھی۔ ”سلیم! سلیم!! تم آ گئے۔ مجھے معلوم تھا تم ضرور آؤ گے۔ میں نے دعائیں مانگی تھیں۔ میں نے خواب دیکھے۔ سلیم! سلیم! میری طرف دیکھو، تم مجھے نہیں پہچانتے؟“ لیکن اس کے پاؤں کو جنبش نہ ہوئی اور الفاظ اس کے حلق میں اٹک کر رہ گئے۔

اب وہ اپنے دل سے پوچھ رہی تھی ”کیا اس نے مجھے نہیں دیکھا؟ کیا اس نے مجھے نہیں پہچانا؟“ پھر وہ ایک گرے ہوئے سکھ کی کرپان نکال کر اپنے باپ کی رسیاں کاٹنے لگی۔ وہ ہاتھوں کی رسیاں کاٹنے کے بعد پاؤں کی رسیاں کاٹ

رہی تھی کہ اندر سے ٹامی گن چلنے کی آواز آئی۔ عصمت کے ہاتھ سے کرپان گر پڑی اور راحت خوفزدہ ہو کر اس کے ساتھ لپٹ گئی۔ ایک ثانیہ کے بعد جب سلیم نے دروازے سے جھانکتے ہوئے داؤد کو آواز دی تو عصمت کے ڈوبتے ہوئے دل کی دھڑکنیں پھر بیدار ہو گئیں۔ راحت نے اس کے ہاتھ سے گری ہوئی کرپان اٹھالی اور ڈاکٹر کے پاؤں کی رسیاں کاٹ ڈالیں۔ رسیوں کی گرفت سے آزاد ہوتے ہی ڈاکٹر دونوں ہاتھوں میں اپنا سر دبا کر بیٹھ گیا۔ راحت سمٹتی ہوئی باقی عورتوں کے پاس چلی گئی۔ کسی نے اپنی اوڑھنی اتار کر اس کی طرف پھینک دی اور وہ اسے اپنے کندھوں کے گرد لپیٹ کر بیٹھ گئی۔ عصمت نے چند منٹ کے توقف کے بعد دیوار کی کھونٹی سے لالٹین اتاری اور اندر چلی گئی۔

اس عرصہ میں سلیم، مان سنگھ کی بیوی سے صندوق کھلوا کر دو رائفلیں ایک اسٹین گن اور ایک ٹامی گن، دو بارہ بور کی بندوقیں، ایک پستول دو نئی ٹارچیں اور کوئی بیس سیر کے لگ بھگ بارود نکلوا چکا تھا۔ ایک کونے میں جہاں سکھوں کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں، پٹرول کے پندرہ بیس ٹین رکھے ہوئے تھے۔

باقی کوٹھڑی لوٹ مار کے سامان سے بھری ہوئی تھی اور مان سنگھ کی بیوی کہہ رہی تھی ”خدا کے لیے یہ سب کچھ لے جاؤ اور میرے بچے کو کچھ نہ کہو۔“

”تم نے ابھی تک ساری بندوقیں ہمارے حوالے نہیں کیں؟“

وہ کہہ رہی تھی ”گرو مہاراج کی قسم! میں جھوٹ نہیں کہتی۔ انھوں نے باقی تمام ہتھیار تقسیم کر دیے تھے۔ صرف یہی تھے جو چھپا کر رکھے ہوئے تھے۔“

سلیم نے کپڑوں سے بھرا ہوا ایک سوٹ کیس خالی کرتے ہوئے کہا۔

”یہ بارود اس میں ڈال دو۔ جلدی کرو۔“

عورت کسی حیل و حجت کے بغیر اس کے حکم کی تعمیل کر رہی تھی اور سلیم

www.allurdu.com

ٹارچ کی روشنی میں کوٹھڑی کے سازوسامان کا جائزہ لے رہا تھا۔ وہ کپڑے جو عورت نے سوٹ کیس سے نکال کر فرش پر پھینک دیے تھے، قریباً سب کے سب سلک اور ساٹن کے نئے سوٹ تھے۔ ان بکھرے ہوئے کپڑوں کے درمیان اس کو ایک تصویر دکھائی دی۔ اس نے جھک کر تصویر کو اُٹھا لیا۔ یہ امجد، ارشد، عصمت اور راحت کے بچپن کی تصویر تھی۔ اس نے بارود کے لیے ایک اور سوٹ کیس خالی کر دیا اور کپڑے اکٹھے کر کے دوبارہ چمڑے کے سوٹ کیس میں ڈال دیے۔

عصمت ہاتھ میں لیمپ لیے دروازے کے قریب پہنچی۔ سلیم نے ٹارچ بُجھا کر ٹامی گن سنبھالتے ہوئے کہا۔ ”کون ہے؟“

عصمت نے سسکیاں لیتے ہوئے جواب دیا۔ ”میں ہوں عصمت!“

سلیم نے ٹامی گن نیچے کر لی اور عصمت دروازے کے سامنے کھڑی ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔ سلیم نے کپڑوں کا سوٹ کیس اٹھا کر آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ ”میرے خیال میں راحت اور چند عورتوں کو کپڑوں کی ضرورت ہے۔ آپ یہ لے جائیں!“

عصمت نے سوٹ کیس لے کر سلیم کی طرف دیکھا اور بھرائی ہوئی آواز میں سوال کیا۔ ”آپ کے گھر کے لوگ کہاں ہیں؟“

سلیم نے جواب دینے کی بجائے بارود سے بھرا ہوا بکس اٹھا کر دہلیز سے باہر رکھ دیا اور کہا۔ ”آپ پہلے اپنا سوٹ کیس چھوڑ آئیں اور پھر یہ لے جائیں!“

عصمت نے کہا۔ ”لیکن میں نے آپ کے خاندان کے متعلق پوچھا تھا؟“

سلیم بولا۔ ”عصمت! باتوں کا وقت نہیں۔“ اور عصمت کو دوبارہ سوال کرنے کا حوصلہ نہیں ہوا۔ وہ یکے بعد دیگرے دونوں سوٹ کیس اٹھا کر باہر لے

ئی۔ دوسرے پھیرے میں ڈاکٹر اور چند عورتیں بھی اس کے ساتھ تھیں۔ ڈاکٹر نے ہتھیار اٹھا لیے اور عورتیں سلیم کے کہنے پر پٹرول کے ڈبے اٹھا کر باہر لے گئیں۔

سلیم نے باہر نکل کر ڈاکٹر شوکت سے کہا۔ ”ڈاکٹر صاحب! آپ عورتوں کو لے کر ایک طرف ہٹ جائیں۔“

ڈاکٹر نے دبی زبان میں کہا۔ ”آپ احتیاط کریں، شاید ان میں سے کسی کے پاس پستول ہو!“

”آپ فکر نہ کریں۔“ یہ کہنے کے بعد سلیم ایک طرف ہٹ کر سکھوں کی طرف متوجہ ہوا۔ ”اپنی عورتوں سے کہو کہ وہ اطمینان سے ایک جگہ بیٹھ جائیں پولیس نے دیر لگا دی ہے، شاید وہ صبح کو آئے۔ اس لیے تم لوگ اندر جا کر بیٹھ جاؤ!“

سکھ تذبذب کی حالت میں ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ سلیم نے کہا۔ ”جمعدار داؤد! تم ان آدمیوں کو اندر بند کر دو اور دروازے پر دو آدمیوں کا پہرہ بٹھا دو ــــ آٹھ آدمی حویلی کے گرد پہرہ دیں گے۔ میں نے مکان سے اسلحہ نکال لیا ہے، اس لیے انھیں اندر بھیج دینے میں کوئی خطرہ نہیں۔“

سکھ اب ایک دوسرے سے دبی زبان میں باتیں کر رہے تھے۔ داؤد نے گرج کر کہا۔ ”بدمعاشو جلدی کرو ورنہ ہم ایک آدمی کو بھی زندہ نہیں چھوڑیں گے۔“

چند آدمی دروازے کی طرف بڑھے اور آٹھ دس قدم دور جا کر اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھنے لگے۔

سلیم بولا۔ ”جمعدار! یہ اس طرح نہیں مانیں گے۔ میں تیس تک گنتی

www.allurdu.com

گنتا ہوں۔ اس کے بعد تم گولی چلا دو۔ اگر یہ پولیس کے آنے سے پہلے ہی مارے جائیں تو غلطی ان کی ہو گی۔"

سلیم نے گنتی شروع کی "ایک ـــــ دو ـــــ تین ـــــ!"

مان سنگھ کی بیوی نے بلند آواز میں کہا "بھائیو ڈرو نہیں! انھوں نے ہردیپ کو کچھ نہیں کہا۔ انھوں نے باوا سنگھ اور ہرنام سنگھ کو مارا ہے، وہ کوٹھڑی میں ہمارا صندوق توڑ رہے تھے۔" باقی عورتیں بھی اپنے باپوں، خاوندوں بھائیوں اور بیٹوں کو اندر جانے کی ترغیب دینے لگیں۔

سلیم نے بارہ تک گنتی گنی تو آٹھ دس سکھ اندر چلے گئے۔ جب وہ پچیس تک پہنچا تو تمام سکھ اندر جا چکے تھے۔ دالان کے دو دروازے تھے، داؤد ایک دروازے کی طرف بڑھا۔ اس نے اسٹین گن دکھا کر سکھوں کو پیچھے ہٹا دیا، اور اس کے ایک ساتھی نے جلدی سے دروازہ بند کر کے باہر کی کنڈی لگا دی۔ دو دروازوں کے درمیان ایک آہنی سلاخوں والی کھڑکی تھی اور چند سکھ اس کھڑکی کے سامنے کھڑے ہو کر باہر جھانک رہے تھے۔ امیر علی چھپر سے اُتر کر آگے بڑھا اور اس نے آتے ہی کھڑکی میں سے جھانکنے والے ایک سکھ کے منہ پر سنگین ماری۔ وہ گرا اور باقی سکھوں نے شور مچاتے ہوئے کھڑکی بند لی۔

جب سلیم کے ساتھی کھڑکی اور دروازوں پر پٹرول چھڑکنے لگے تو مان سنگھ کی بیوی دھاڑیں مار مار کر رونے لگی۔ "خدا کے لیے! میرے ہردیپ کو نکال لو۔" اس نے سلیم کا ہاتھ پکڑ لیا۔ مسلمان عورتوں میں سے ایک لڑکی بھاگتی ہوئی آگے بڑھی اور اس نے مان سنگھ کی بیوی کو دھکا دے کر پیچھے ہٹاتے ہوئے کہا "اس کتیا کے لڑکے نے امجد کی لاش کے ٹکڑے کیے تھے اور اس کے خاوند نے امی جان کو .....!" لڑکی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ یہ راحت تھی۔

داؤد نے سٹین گن کی نالی مان سنگھ کی بیوی کے منہ پر رکھ دی لیکن سلیم نے چلّا کر کہا "نہیں داؤد، اسے چھوڑ دو۔ ہم جنگ میں دوسروں کے اصولوں کی پیروی نہیں کریں گے۔"

سلیم نے جلتا ہوا لیمپ اٹھا کر دروازے کے ساتھ دے مارا۔ اچانک آگ کا ایک مہیب شعلہ آسمان سے باتیں کرنے لگا۔

سکھوں کی عورتیں اور بچے چیخ رہے تھے۔ سلیم نے آگے بڑھ کر کہا "جس زمین پر تمہاری قوم نے آگ بوئی ہے، وہ تمہارے لیے پھول پیدا نہیں کرے گی۔"

کسی نے اندر سے کھڑکی کھولی اور اچانک پستول کے فائر کی آواز آنے لگی۔ ایک گولی سلیم کے بازو کے ساتھ مس کرتی ہوئی گزر گئی۔ دوسری مان سنگھ کی بیوی کے سینے میں لگی۔ سلیم اور داؤد نے بیک وقت ٹامی گن اور اسٹین گن سے فائر کیے اور آگ کے شعلے کے پیچھے چند سکھ ڈھیر ہو کر رہ گئے۔

عصمت نے آگے بڑھ کر سلیم کا بازو پکڑتے ہوئے کہا "آپ ٹھیک ہیں نا؟"

"میں ٹھیک ہوں عصمت! میں ٹھیک ہُوں!"

دالان کی ایک دیوار کے ساتھ اُپلوں کا ایک ڈھیر لگا ہوا تھا۔ سلیم نے اُس پر بھی پٹرول چھڑک کر آگ لگا دی۔ صحن میں چند شراب کی بوتلیں پڑی ہُوئی تھیں۔ امیر علی انھیں اُٹھا اُٹھا کر جلتی ہوئی کھڑکی کی طرف پھینک رہا تھا۔ آگ کی روشنی میں صحن چکا چوند ہو چکا تھا۔ ایک طرف بندھے ہوئے چار گھوڑے بدحواس ہو کر آگ کی طرف دیکھ رہے تھے۔ سلیم نے کہا "چلو داؤد! یہ سب گھوڑے لے لو۔ امیر علی! یہ تمام ہتھیار تمھارے ہیں، ہم صرف آدھا بارود لیں گے۔"

امیر علی نے جواب دیا "ان ہتھیاروں کے ساتھ میں اردگرد کے تمام گوردواروں کا سارا بارود میں یہاں جمع کر لوں گا۔"

www.allurdu.com

سلیم نے کہا۔" تم ٹامی گن اور اسٹین گن چلانا جانتے ہو؟"

"ہمارے گاؤں کے چار آدمی سپاہی ہیں۔"

وہ حویلی سے باہر نکلے تو عصمت نے کہا " آپ ہمارے گھر سے ہو کر آئے تھے؟"

"ہاں!" سلیم نے گھٹی ہوئی آواز میں کہا۔

"آپ نے امّی اور امجد۔ ۔ ۔ ۔" اس کی آواز بیٹھ گئی۔

"میں سب کچھ دیکھ آیا ہوں۔ ارشد ابھی تک دہلی میں ہے؟"

"جی ہاں!" عصمت نے جواب دیا۔

راحت نے سلیم کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہا۔" بھائی جان! امّی اور امجد کی لاشیں۔ ۔ ۔!"

سلیم بولا۔" وہاں بہت سی لاشیں تھیں۔ وہ تنہا نہیں۔ میں نے ہر قدم پر لاشوں کے انبار دیکھے ہیں۔ یہ وہ مقدس امانتیں ہیں جو ہم اس سرزمین پر چھوڑے جا رہے ہیں۔"

راحت نے کہا۔" بھائی جان آپ کے خاندان کے لوگ۔ ۔ ۔ ۔؟"

سلیم راحت کے سوال کا جواب دینے کی بجائے ڈاکٹر کی طرف متوجہ ہو کر بولا:

"ڈاکٹر صاحب! آپ زخمی ہیں۔ آپ ایک گھوڑے پر سوار ہو جائیں۔"

"نہیں۔ میں چل سکتا ہوں، آپ ان عورتوں کو۔ ۔ ۔ ۔"

"آپ ان کی فکر نہ کریں۔ گاؤں سے باہر ہمارے گھوڑے کھڑے ہیں۔ وہاں پہنچ کر عورتیں سوار ہو جائیں گی۔"

گاؤں سے باہر ان کا ساتھی جسے وہ گھوڑوں کی حفاظت کے لیے چھوڑ گئے تھے، بے چینی سے ان کا انتظار کر رہا تھا۔ چار تازہ دم گھوڑے مل جانے سے اُن کے پاس نو گھوڑے ہو چکے تھے۔ امیر علی کا گھوڑا ان کے علاوہ تھا۔ عورتوں کی تعداد تیرہ تھی، اس لیے چند گھوڑوں پر دو دو عورتوں کو لاد دیا گیا۔ جو گھوڑے ذرا سرکش نظر آئے، ان کی باگیں مردوں نے پکڑ لیں۔

چاند غروب ہو چکا تھا اور ستاروں کو تاریک بادل اپنی آغوش میں لے چکے تھے۔ امیر علی اس قافلے کا رہنما تھا اور وہ انھیں ان راستوں سے بچا کر لے جا رہا تھا، جہاں سکھوں کے حملے کا خطرہ ہو سکتا تھا۔ امیر علی کے گھوڑے پر ڈاکٹر صاحب سوار تھے اور انھوں نے امیر علی کے حصّے کا اسلحہ اور بارود سنبھال رکھا تھا۔ سلیم کے گھوڑے پر عصمت اور راحت تھیں اور وہ باگ پکڑ کر آگے آگے چل رہا تھا۔

اپنے گاؤں پہنچ کر امیر علی نے سلیم سے کہا۔" یہ سب بہنیں بھوکی ہیں۔ دریا پر کیمپ سے شاید اس وقت آپ کو کچھ نہ ملے۔ اس لیے آپ تھوڑی دیر ہمارے گاؤں میں ٹھہریں۔ جو کچھ اس وقت ہو گا، ہم حاضر کر دیں گے۔"

سلیم نے کہا۔" بھئی! اب ہماری ہمّت جواب دے چکی ہے، اگر تمھارے گاؤں میں بیٹھ گئے تو دوبارہ اُٹھنا مشکل ہو گا۔"

"میں آپ کو ایک گھنٹے سے زیادہ نہیں ٹھہراؤں گا۔ گھر میں اچار اور مکھن ضرور ہو گا۔ اگر باسی روٹیاں نہ ملیں تو آدھے گھنٹے میں تازہ پک جائیں گی، زیادہ وقت نہیں لگے گا۔"

عورتوں کی خاموشی ان کی بھوک کا پتہ دے رہی تھی۔ سلیم نے کہا" بہت اچھا۔"

امیر علی کے گاؤں سے کھانا کھانے کے بعد یہ لوگ کوئی دو بجے وہاں سے روانہ ہوئے۔ امیر علی انھیں کیمپ میں چھوڑ کر واپس چلا گیا۔

www.allurdu.com

پولیس کے ایک کانسٹیبل نے جواب دیا۔ میاں صاحب! انھوں نے تھوڑی دیر کام کیا۔ لیکن ہم سے غلطی ہُوئی۔ ہم نے ان کو بال بچّے پار لے جانے کی اجازت دے دی۔ جب ان کے بال بچے پار پہنچ گئے تو انھوں نے اس طرف مُڑ کر دیکھنا بھی گوارا نہ کیا۔ فقیر دین ملّاح نے بہت دیر کام کیا ہے۔ وہ آپ کے آنے سے ایک گھنٹہ پہلے آخری پھیرا لے گیا ہے۔ تھکاوٹ سے اس کا بُرا حال تھا۔ میں نے اسے خود کہا ہے کہ وہ اب جا کر آرام کرے۔"

سلیم ڈاکٹر کی طرف متوجّہ ہوا۔" ڈاکٹر صاحب! اگر یہ خواتین ابھی پہنچ جاتیں تو میرے دل سے ایک بوجھ اُتر جاتا۔ میں جا کر کشتی لاتا ہوں، آپ کنارے پر کھڑے رہیں۔"

ڈاکٹر نے کہا۔" سلیم! تم بہت تھکے ہُوئے ہو، آرام کرو۔ صبح دیکھا جائے گا۔"

"نہیں ڈاکٹر صاحب، صُبح اور بہت سے کام ہوں گے۔"

ایک جفاکش سپاہی ہونے کے باوجود داؤد کی ہمّت جواب دے چکی تھی۔ تاہم اس نے کہا۔" سلیم! اگر کشتی لانا اسی وقت ضروری ہے تو میں جاتا ہوں۔ تم بہت زیادہ تھک گئے ہو۔"

سلیم نے جواب دیا۔" میں اپنے گھوڑے کے ساتھ دریا عبور کرتا ہوں۔"

راحت نے کہا۔" نہیں بھائی جان! اس وقت نہ جایئے۔"

کے ساتھ ایک اور ملاح تھا۔ اس نے سوال کیا۔ سلیم کہاں رہ گیا؟

فقیر دین نے جواب دیا" سلیم کشتی میں بے سُدھ پڑا ہوا ہے۔ وہ کشتی پر بیٹھتے ہی سو گیا تھا۔"

داؤد نے ٹارچ کی روشنی میں دیکھا، سلیم کشتی کے ایک کونے میں پڑا گہری نیند سو رہا تھا۔

فقیر دین نے کہا۔" اسے یہیں پڑا رہنے دو۔ جگاؤ مت۔ میں صبح اپنے ساتھ ہی لے آؤں گا۔ یہ بہت تھکا ہوا ہے۔"

" بہت اچھا، ڈاکٹر صاحب! آپ کشتی پر سوار ہو جائیں!" یہ کہہ کر داؤد اُونگھتا ہوا زمین پر بیٹھ گیا۔ دو تین بار جمائی لینے کے بعد اس نے بھی ٹانگیں زمین پر پھیلا دیں۔

عورتیں کشتی پر بیٹھ گئیں۔ عصمت نے کشتی پہ پاؤں رکھتے ہوئے اپنے باپ سے کہا۔" ابّا جان! اُس آدمی سے پُوچھیے۔"

ڈاکٹر شوکت نے داؤد کے قریب آ کر کہا۔" آپ کو سلیم کے خاندان کے متعلق کُچھ معلوم ہو تو مجھے بتایئے!"

داؤد اس سوال کا جواب دینے کی بجائے سر جھکائے اور آنکھیں بند کیے بڑبڑایا "اگر حملہ ہو تو مجھے جگا دینا۔"

www.allurdu.com

ڈاکٹر نے ایک لمحہ توقف کے بعد کہا۔ "دیکھیے میں سلیم کے خاندان کے متعلق کچھ پوچھنا چاہتا ہوں!"

"وہاں صرف سلیم کا خاندان نہیں تھا۔ وہاں بہت سے خاندان تھے۔ حملہ ہو تو مجھے جگا دینا ——" داؤد بڑبڑاتا ہوا منہ کے بل لیٹ گیا —— سلیم کے باقی تمام ساتھی دریا کے کنارے پہنچتے ہی سو گئے تھے۔

پولیس کے سپاہی نے کہا۔ "کوئی اچھی خبر ہوتی تو سلیم خود آپ کو بتا دیتا۔"

"تمہیں کچھ معلوم ہے؟"

سپاہی نے جواب دیا۔ "بھائی صاحب! یہ سننے اور سنانے کی باتیں نہیں، یہ لوگ اپنے پیچھے صرف راکھ چھوڑ کر آئے ہیں۔"

ملاح آوازیں دے رہا تھا۔ ڈاکٹر کوئی اور بات کیے بغیر آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا کشتی پر سوار ہو گیا۔

راحت نے اپنے باپ کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ "ابّا جان! کیا کہتا ہے وہ؟"

"کچھ نہیں۔" ڈاکٹر نے مغموم لہجے میں جواب دیا۔

⁂

آسمان پر اُمڈے ہوئے بادلوں سے ہلکی ہلکی بوندیں گر رہی تھیں۔ سلیم کروٹ بدل کر منہ کے بل لیٹ گیا۔ کسی نے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "سلیم! سلیم!!"

سلیم نے اس کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف ہٹا دیا اور تھکی ہوئی آواز میں کہا۔ "مجید! مجھے تنگ نہ کرو۔ میں ابھی سویا ہوں۔ چچی جان! مجید کو منع کرو۔"

"سلیم اب دس بجنے والے ہیں۔"

"اونہہ! دس بجنے والے ہیں۔ تم ہمیشہ مجھے تنگ کرتے ہو۔" یہ کہتے ہوئے سلیم نے دوبارہ کروٹ بدل کر آنکھیں کھول دیں۔ وہ دریا کے کنارے ریت پر پڑا ہوا تھا۔ ڈاکٹر شوکت، عصمت اور راحت اس کے قریب بیٹھے ہوئے تھے۔

"میں کہاں ہوں؟" اس نے گھبرا کر اُٹھتے ہوئے کہا۔ "اُف! شاید میں خواب دیکھ رہا تھا —— میں شاید کشتی لینے آیا تھا —— اس کے بعد... میں شاید کشتی پر سو گیا تھا!"

کچھ دیر آنکھیں ملنے کے بعد اس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ ملاح دوسرے کنارے سے کشتیاں بھر بھر کر لا رہے تھے۔ قریب ہی دریا کے کنارے اس کا گھوڑا چر رہا تھا۔

ڈاکٹر نے کہا۔ "سلیم بیٹا! تم کشتی پر سو گئے تھے۔ ہمیں اس پار لانے کے بعد ملاحوں نے تمہیں اُٹھا کر یہاں لٹا دیا تھا!"

سلیم نے کہا۔ "ہمارے ساتھ جو عورتیں تھیں، وہ....."

"وہ ایک قافلے کے ساتھ روانہ ہو گئی ہیں!"

"آپ کیوں نہیں گئے؟"

"تم بہت زیادہ تھکے ہوئے تھے۔ میں نے تمہیں آٹھ بجے کے قریب جگانے کی کوشش کی لیکن تم نیند میں بے ہوش تھے۔ وہ عورتیں اگلے گاؤں میں ہمارا انتظار کریں گی۔ ہم تھوڑی دیر میں اُنکے ساتھ جا ملیں گے۔ اب اُٹھو!"

سلیم نے کہا۔ "ڈاکٹر صاحب آپ میرا گھوڑا لے جائیں!"

راحت نے کہا۔ "بھائی جان! آپ ہمارے ساتھ نہیں چلیں گے؟"

"نہیں راحت۔ میں انھیں چھوڑ کر نہیں جا سکتا!"

www.allurdu.com

ہراول کا کام دے رہے ہیں۔"

ڈاکٹر نے کہا۔ "باؤنڈری فورس کی تشکیل میں اس بات کا پورا لحاظ رکھا گیا ہے کہ مسلمان سپاہیوں کا عنصر ماؤنٹ بیٹن، ریڈ کلف، پٹیل اور

آج قوم کی داستان کا عنوان خاک اور خون ہے اور یہی میری سرگزشت ہے۔ ڈاکٹر صاحب! اگر میرے پاس کوئی جواب ہوتا تو میں خاموش کیوں رہتا۔"

سلیم کی آنکھوں میں آنسو جمع ہو رہے تھے، اس نے مُنہ پھیر کر اپنا

www.allurdu.com

چہرہ آستین میں چھپا لیا۔

ڈاکٹر نے سلیم کو کھینچ کر اپنے سینے کے ساتھ بھینچتے ہوئے کہا۔ ”آنسوؤں کو بہنے دو بیٹا! اپنے دل کا بوجھ ہلکا ہونے دو۔“

میرے دل میں صرف آگ ہے۔ میں ایک جلتی ہوئی چتا ہوں“ سلیم ڈاکٹر سے الگ ہو کر ایک طرف بیٹھ گیا۔

عصمت نے سسکیاں لیتے ہوئے کہا ”خدا کے لیے بتائیے، وہ کہاں ہیں؟ کیسے ہیں؟ آپ کی دادی، آپ کی ماں، زبیدہ اور خاندان کی دوسری لڑکیاں، آپ کے والد، آپ کے چچا، چچیاں، دادا جان اور یوسف......؟“

سلیم خاموشی سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ عصمت پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ سلیم نے اپنی جیب سے رومال نکالا اور راکھ کی چھوٹی سی پوٹلی کھول کر عصمت کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا ”میں اپنے پاس اُن کی ایک نشانی لے آیا ہوں۔ اس راکھ میں ان سب کی زندگی سو رہی ہے، یہ اپنے پاس رکھو!“

وہ تینوں مبہوت ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگے۔ بالآخر ڈاکٹر نے کہا۔

”اُن میں سے کوئی بھی نہیں بچا؟“

”میرے اور مجید کے سوا کوئی نہیں!“

”تمہارے والد......؟“

”وہ بھی چھٹی لے کر آئے تھے، انھیں موٹر سے اترتے ہی شہید کر دیا گیا تھا۔

ڈاکٹر نے پوچھا ”مجید کہاں ہے؟“

”وہ زخمی تھا۔ میں نے کل اسے اپنے گاؤں کے ایک آدمی کے ساتھ نارووال بھیج دیا ہے۔“

عصمت نے گھٹی ہوئی آواز میں کہا۔ ”امینہ تو شاید اپنی سسرال گئی ہوئی تھی؟“

”ہاں وہ وہیں ہے۔“

ڈاکٹر، عصمت اور راحت کے سوالات کے جواب میں سلیم نے مختصراً اپنی سرگزشت بیان کر دی۔

گیارہ بجے کے قریب وہ انھیں خدا حافظ کہہ رہا تھا۔ سلیم نے ڈاکٹر کو اپنا گھوڑا دینے کی کوشش کی لیکن اس نے کہا۔ ”نہیں! تمھیں اس کی ضرورت ہے۔ میں نارووال تک پیدل جا سکتا ہوں، وہاں میرے ایک دوست کے پاس موٹر ہے، وہ ہمیں لاہور تک پہنچا دے گا!“

رخصت کے وقت ڈاکٹر نے کہا ”بیٹا! ان حالات میں میں تمہیں کوئی نصیحت نہیں کر سکتا لیکن اپنا خیال رکھنا۔ جس قدر تمہیں قوم عزیز ہے، اسی قدر قوم کو تمہاری زندگی کی ضرورت ہے۔ اچھا خدا حافظ!“

راحت روتی ہوئی سلیم کے ساتھ لپٹ گئی۔ ”بھائی جان! وعدہ کیجیے کہ آپ جلدی آئیں گے۔“

سلیم نے اُسکے سر پر ہاتھ رکھ دیا اور کہا ”راحت میرا کام بہت لمبا ہے۔“

عصمت انتہائی کرب کی حالت میں اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اسکی زبان گنگ تھی۔ اُسکے آنسو بھی خشک ہو چکے تھے۔ وہ اس کائنات سے دور جا چکی تھی، جہاں سود و زیاں کا احساس ہوتا ہے۔ سلیم کے الفاظ ابھی تک اس کے کانوں میں گونج رہے تھے۔ ”اب میں ایک فرد نہیں ایک قوم ہوں۔“

www.allurdu.com

وقت مجھے دی تھی۔"

عصمت نے باپ کی طرف دیکھا۔ اس کا اشارہ پا کر کانپتے ہوئے ہاتھوں سے انگوٹھی پکڑ لی۔

سلیم نے دوسرا ہاتھ ڈاکٹر کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "ڈاکٹر صاحب! یہ چند پرانے نوٹ ہیں۔ شاید آپ کو راستے میں ضرورت ہوگی۔"

ڈاکٹر نے کہا۔ "نہیں بیٹا! یہ تم اپنے پاس رکھو۔ مجھے راستے میں سب کچھ مل جائے گا۔"

"اچھا خدا حافظ!" سلیم یہ کہہ کر مڑا اور دریا کی طرف چل دیا۔ عصمت کچھ دیر اپنی جگہ سے نہ ہلی۔ ملاح ایک کشتی سے سواریاں اتار کر واپس لوٹنے کو تھے، سلیم نے انھیں ہاتھ کے اشارے سے روکا اور گھوڑے کی باگ پکڑ کر کشتی میں سوار ہو گیا۔

ڈاکٹر نے کہا۔ "چلو بیٹی!"

عصمت روتی ہوئی اپنے باپ کے ساتھ لپٹ گئی۔ ڈاکٹر نے اس کے

[illegible] ہو رہی تھیں درد مندانِ قوم کی تمام تر سرگرمیاں نمائشی بیان بازیوں اور قراردادوں تک محدود تھیں۔ وہ آخری وقت تک اپنے آپ کو یہ فریب دیتے رہے تھے کہ تقسیم کا اصول تسلیم کر لینے کے بعد ہندوستان کی حکومت مسلم اقلیت کے متعلق اپنی ذمہ داری محسوس کرے گی۔ یہ ایک خود فریبی تھی اور جب انھوں نے یہ دیکھا کہ ماؤنٹ بیٹن، نہرو اور پٹیل کی کشتی میں سوار ہو چکا ہے تو یہ خود فریبی ان کے لیے ایک مجبوری بن گئی۔ ۱۵ر اگست کے بعد دشمن کی تلوار ایک نئے انداز میں بے نیام ہوئی اور پنجاب کے لیڈروں نے دیکھا کہ جو ہاتھ مدافعت کے لیے اُٹھ سکتے ہیں، وہ خالی ہیں ـــــ پاکستان کی فوجیں باہر ہیں۔ پاکستان کا اسلحہ ہندوستان میں پڑا ہوا ہے ـــــ ماؤنٹ بیٹن کی ہندو نوازی اور ریڈکلف کی بد دیانتی نے وحشت کے سیلاب کے سامنے کوئی چٹان باقی نہیں چھوڑی۔ پاکستان کی اپنی یہ حالت تھی کہ ابھی تک یہاں نصف کے لگ بھگ غیر مسلم فوج پڑی ہوئی تھی۔

www.allurdu.com

مشرقی پنجاب کے بیشتر لیڈروں کا عوام کے ساتھ اس وقت تک ربط تھا جب تک انھیں اسمبلیوں میں پہنچنے کے لیے ووٹوں کی ضرورت تھی پھر وہ اس وقت عوام کی طرف متوجہ ہوئے جب مِلّت فروش یونینسٹوں کی وزارت کے خلاف تحریک شروع ہوئی تھی۔ اس کے بعد بہت کم ایسے لوگ تھے جنھوں نے عوام کے ساتھ رابطہ رکھنے کی کوشش کی تھی۔

۱۵ اگست سے پہلے مشرقی پنجاب کے عوام سکھ اور سیوا سنگھی بلوائیوں کا مقابلہ کر رہے تھے، بعض علاقوں میں غیر مسلم فوج اور پولیس کی جانبداری کے باوجود وہ ہراساں نہ تھے۔ امرتسر میں فوج اور پولیس کے منظم حملوں نے بدحواسی پھیلا دی تھی، تاہم وہ نوجوان جنھوں نے گزشتہ چھ ماہ تک اکال سینا، سیوا سنگھ اور شہریوں کے لباس میں سکھ سپاہیوں کے حملوں کا مردانہ وار مقابلہ کیا تھا۔ آخری دم تک لڑنے کا فیصلہ کر چکے تھے لیکن پندرہ اگست کے بعد مشرقی پنجاب کی حکومت، غیر مسلم افواج اور غیر مسلم عوام ایک ہو چکے تھے۔ ایک غیر مسلم ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ سے لے کر ایک چپڑاسی اور کانگرس کے ایک بڑے عہدیدار سے لے کر سیوا سنگھ اور اکال سینا کے ایک معمولی رضا کار تک سب کا ایک ہی پروگرام تھا۔ مسلمانوں کا قتلِ عام ———!"

مشرقی پنجاب کے وہ مسلم لیڈر جو ہر میدان کے لیے قرار دادوں اور بیانوں کے تیر و نشتر کافی سمجھتے تھے، اپنے خاندانوں کے ساتھ مغربی پنجاب پہنچ چکے تھے۔ انھیں مسلم عوام کے لُٹے پٹے تباہ حال قافلوں کا کچھ پتہ نہ تھا۔ عوام کی حالت بھیڑوں کے اس گلّے کی طرح تھی جسے اچانک چاروں طرف سے بھیڑیوں نے گھیر لیا ہو۔

شہر اور بستیوں کے جو مسلمان فوج اور پولیس کی گولیوں سے بچ نکلتے،

[انھ]یں سڑکوں، پگڈنڈیوں، نہروں اور دریاؤں کے پُلوں پر سکھ اور راشٹریہ سیوک سنگھ [کے] جتھوں کا سامنا کرنا پڑتا۔ مسلمانوں کی ہر آبادی کے بااثر لوگوں، بالخصوص پاکستان [کے] حامیوں کو تلاش کر کے موت کے گھاٹ اُتارا جاتا۔"

پناہ گزینوں کی گاڑیاں پاکستان میں لاشوں کے انبار لے کر پہنچ رہی تھیں۔ [م]شرقی پنجاب میں ریلوے کے غیر مسلم ملازمین بلوائیوں کو باخبر رکھتے کہ پناہ گزینوں [ک]ی فلاں گاڑی فلاں وقت پہنچ رہی ہے اور وہ اس پر حملہ کرنے کے لیے راستے کے [ک]سی اسٹیشن پر جمع ہو جاتے۔ مردوں کو قتل کر دیا جاتا اور عورتیں چھین لی جاتیں، اگر جتھوں کی آمد میں دیر ہوتی تو راستے کے اسٹیشنوں کے ملازم گاڑیوں کو روک لیتے، جو سکھ، ڈوگرہ اور گورکھا سپاہی ان گاڑیوں کی حفاظت پر متعیّن ہوتے، خود بھی اس قتل و غارت میں شریک ہو جاتے۔ صرف وہ گاڑیاں پاکستان تک سلامت پہنچتیں جو مسلمان سپاہیوں کی حفاظت میں لائی جاتی تھیں۔

دُور افتادہ دیہات کی داستان اس سے بھی زیادہ المناک تھی۔ جب ایک بستی پر حملہ ہوتا، لوگ دوسری بستی کو محفوظ سمجھ کر اس طرف چل پڑتے۔ راستے میں انھیں دوسری بستی کے لوگ بتاتے کہ وہاں بھی حملہ ہو چکا ہے اور وہ اُن کے ساتھ کسی اور بستی کی طرف روانہ ہو جاتے۔ اسی طرح انھیں کبھی شمال، کبھی جنوب، کبھی مشرق اور کبھی مغرب کا رُخ کرنا پڑتا اور پھر بعض لوگ ایسے بھی تھے جنھیں یہ بھی معلوم نہ تھا کہ پاکستان کا راستہ کس طرف ہے۔ وہ چھوٹی چھوٹی سینکڑوں کربلاؤں میں گھرے ہوئے تھے۔ چاروں طرف آگ اور خون کا طوفان دیکھ بدحواس انسانوں کی ٹولیاں ایک جگہ جمع ہو جاتیں۔ پھر وہ ایک قافلے کی صورت میں قریب ترین شہروں کا رُخ کرتے۔ راستے میں ان پر قدم قدم پر حملے ہوتے اور جب وہ اپنے پیچھے لاشوں کے ڈھیر چھوڑتے ہوئے شہروں میں داخل ہوتے تو وہاں مسلمانوں

www.allurdu.com

کے محلّوں میں بے گوروکفن لاشوں اور بجھی ہوئی راکھ کے ڈھیروں کے سوا کچھ نظر نہ آتا اور ان کے استقبال کے لیے اکال سینا کی کرپانوں کے ساتھ فوج اور پولیس کی سنگینیں بھی ہوتیں۔

جالندھر، ہوشیارپور، فیروزپور اور امرتسر وغیرہ اضلاع کے مسلمانوں کو یہ یقین تھا کہ ان کی اکثریت کی تحصیلیں پاکستان کو مل جائیں گی اور وہ خطرے کے وقت غیر مسلم اکثریت یا ہندوستانی علاقوں سے نکل کر وہاں پناہ لے سکیں گے لیکن ریڈ کلف ایوارڈ ان کے ہوش و حواس پر بجلی بن کر گرا۔

ضلع گورداسپور کی ٹریجڈی صرف وہاں کے مسلمانوں تک محدود نہ تھی، یہ تین اور اضلاع کے مسلمانوں کے لیے بھی موت کا پیغام تھی۔ کانگڑہ، ہوشیارپور اور امرتسر کے اضلاع کی سرحدیں گورداسپور سے ملتی تھیں۔ اگر کشمیر کے متعلق نہرو اور ماؤنٹ بیٹن کے عزائم کی خاطر مسلم اکثریت کا یہ ضلع ہندوستان کو نہ دیا جاتا تو ہوشیارپور کے مسلمان بیاس عبور کر کے یہاں پناہ لے سکتے تھے۔ امرتسر کی نصف مسلم آبادی لاہور کی نسبت یہاں زیادہ آسانی سے پہنچ سکتی تھی۔ ضلع کانگڑہ اور ریاست چمبہ کے دُورافتادہ علاقوں میں بکھری ہوئی مسلم آبادی کو یہ سہارا تھا کہ وہ خطرے کے وقت گورداسپور کی حدود میں داخل ہو جائیں گے۔ جب ضلع گورداسپور وحشت اور بربریت کے طوفان کی بھینٹ چڑھا دیا گیا تو یہ لوگ ایک ایسے تاریک غار میں بند ہو کر رہ گئے جس سے باہر نکلنے کا کوئی راستہ نہ تھا۔

پاکستانی اخبارات میں ہر روز اس قسم کی خبریں شائع ہو رہی تھیں "آج غیر مسلم فوج اور پولیس نے مشرقی پنجاب کے فلاں شہر پر حملہ کیا ہے۔ آج سکھوں کے جتھے اور شہری لباس میں مشرقی پنجاب کی ریاستوں کے سپاہی فلاں علاقہ میں مسلمانوں کا قتلِ عام کر رہے ہیں۔ فلاں سڑک اور فلاں پُل پر پناہ گزینوں

کے قافلے پر حملے ہوئے ہیں۔ سکھوں نے اتنے آدمیوں کو قتل کیا ہے اور اتنی عورتیں چھین کر لے گئے ہیں۔ فلاں فلاں اسٹیشنوں پر پناہ گزینوں کی گاڑیوں پر حملے ہوئے ہیں۔ مغربی پنجاب کی حکومت نے احتجاج کیا ہے اور مشرقی پنجاب کے لیڈروں نے تمام الزامات کی تردید کر دی ہے۔ فیروزپور میں قتلِ عام ہو رہا ہے۔ میانی پٹھاناں کے مسلمان اتنے دنوں سے حملہ آوروں کا مقابلہ کر رہے ہیں ــــ میانی پٹھاناں پر ہندوستانی فوج نے ٹینکوں اور مشین گنوں سے حملہ کر دیا ــــ جالندھر میں فوج نے مسلمانوں کے محلّوں پر کرفیو آرڈر لگا دیا تھا ــــ فوج اور پولیس کے سپاہی مسلمانوں کے گھروں کو آگ لگا دیتے تھے۔ جب وہ باہر نکلتے تھے تو ان پر گولی چلا دی جاتی تھی ــــ فلاں تاریخ کو انھیں حکم دیا گیا کہ وہ پانچ منٹ کے اندر اندر اپنے مکان خالی کر دیں، ورنہ انھیں گولی مار دی جائے گی ــــ ان کے ساتھ وعدہ کیا گیا کہ وہ حفاظت سے پاکستان پہنچا دیے جائیں گے۔ پھر ریلوے اسٹیشن اور پناہ گزینوں کے کیمپ تک ان پر حملے کیے گئے ــــ اتنے مرد، عورتیں اور بچے موت کے گھاٹ اُتار دیے گئے۔ اتنی عورتیں چھین لی گئیں ــــ آج فلاں شہر میں سکھوں نے عورتوں کو ننگا کر کے ان کا جلوس نکالا۔ حکام اور پولیس تماشا دیکھ رہے تھے ــــ آج فلاں اسٹیشن اور فلاں کیمپ میں مشرقی پنجاب کے پناہ گزینوں کی تلاشی لی گئی اور لوگوں کے کپڑے اُتار لیے گئے۔ مغربی پنجاب کے لیڈروں نے پھر احتجاج کیا ہے۔ پناہ گزینوں کو جو راشن ملتا ہے، اس میں زہر ملا دیا جاتا ہے۔ فلاں فلاں کیمپ کے آس پاس تمام کنوؤں کے پانی میں زہر ملا دیا گیا ہے۔ آج ہندوستان کے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے مشرقی پنجاب کے فلاں فلاں شہر کا دورہ کرنے کے بعد یہ بیان دیا ہے کہ صورتحال پر قابو پا لیا گیا ہے ــــ بدامنی، لُوٹ مار اور قتل و غارت کی اجازت نہیں دی جائے گی ــــ فلاں وزیر اور فلاں لیڈر نے

www.allurdu.com

کہا ہے کہ حالات اعتدال پر ہیں ـــــ آج پٹیل نے فلاں شہر پہنچ کر سکھوں اور ہندوؤں کے سامنے تقریر کرتے ہوئے پاکستان کو دھمکی دی ہے ـــــ آج مغربی پنجاب کے فلاں فلاں لیڈروں نے پُرزور احتجاج کیا ہے ـــــ

انسانیت کے دشمنوں کو معلوم تھا کہ پاکستان اب صرف احتجاج یا اپیلوں کے سوا کچھ کر ہی نہیں سکتا ـــــ وہ مغربی پنجاب کے لیڈروں کی درخواست پر مصالحانہ گفت گو کے لیے مغربی اور مشرقی پنجاب کے وزراء کی کانفرنس بلاتے، بحث ہوتی، فسادات کی مذمّت ہوتی، ایک مشترکہ بیان جاری کیا جاتا، مغربی پنجاب کے نمائندے مطمئن ہو کر واپس آجاتے لیکن اگلے دن پھر خبریں آنے لگتیں کہ اب فلاں شہر پر حملہ ہوا ہے۔ فلاں جگہ پاکستان کے سرکاری عملہ کی گاڑی روک لی گئی اور فلاں سڑک پر اتنے ہزار آدمیوں کا قافلہ مارا گیا۔

امن کانفرنسیں ہوتی رہیں۔ مشترکہ بیانات نکلتے رہے اور اس کے ساتھ ساتھ مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کا قتلِ عام بھی جاری رہا۔ بھارت کے بیٹوں نے جہاں وحشت اور بربریت کی تاریخ میں ایک نئے اور اچھوتے باب کا اضافہ کیا تھا، وہاں وہ مکر و فریب اور جھوٹے پروپیگنڈا کے فن میں بھی دنیا بھر کی اقوام سے سبقت لے جانا چاہتے تھے۔ مشرقی پنجاب میں نہرو کی حکومت کا سفینہ مسلمانوں کے خون میں تیر رہا تھا لیکن وہ مغربی پنجاب میں رائی کو پہاڑ ثابت کرنے کی کوشش کر رہا تھا اور مغربی پنجاب کے لیڈروں کی سادہ دلی کا یہ عالم تھا کہ وہ دنیا کے سامنے امن پسندی کا ثبوت دینے کے لیے ناکردہ گناہوں کا بوجھ بھی اپنے سر لینے کے لیے تیار تھے۔ یہاں تک کہ جب لاہور میں سکھ اور گورکھا فوج متعین تھی اور وہ کسی روک ٹوک کے بغیر مسلمانوں پر گولیاں چلا رہی تھی، یہ لوگ پریشان حال لوگوں کے سامنے جا کر اپیلیں کرتے رہے کہ تم پُر امن رہو ـــــ مغربی پنجاب

کے لیڈر اپنی کاروں میں پٹرول ڈال کر اطلاعات کے منتظر رہتے۔ اگر کہیں سے اکّا دکّا واردات کی خبر آتی تو وہ آدھی رات کے وقت بھی روانہ ہو جاتے پھر اگلے دن اخباروں میں ان کے بیان اور تقریریں جلی حروف میں شائع ہوتیں۔ وہ اپنے طرزِ عمل سے بھیڑیوں کو انسانیت کا درس دینا چاہتے تھے لیکن امن پسندی اور نیک نیتی کے ان مظاہروں کا اثر فقط ہندوستان کے اس پروپیگنڈے کو تقویت دینے تک محدود رہا کہ مشرقی پنجاب میں جو کچھ ہو رہا ہے، وہ مغربی پنجاب کا ردِ عمل ہے۔

مشرقی پنجاب کے تمام اضلاع آگ کی لپیٹ میں آچکے تھے۔ لدھیانہ، رہتک کرنال، حصار اور گڑگاؤں کے مسلمانوں کی تباہی اور بربادی کی داستان دوسرے اضلاع کے مسلمانوں کی سرگزشت سے مختلف نہ تھی، ہر شہر اور بستی سے لٹے ہوئے ننگے، بھوکے انسانوں کے قافلے قدم قدم پر لاشوں کے انبار چھوڑتے ہوئے پاکستان کا رُخ کر رہے تھے۔ بیوی کو شوہر کا علم نہ تھا، بھائی کو بہنوں کا پتہ نہ تھا۔ مائیں دودھ پیتے بچّوں کو پھینک کر بھاگ رہی تھیں اور وحشت اور بربریت کا طوفان اُن کا تعاقب کر رہا تھا۔ مشرقی پنجاب ایک جنگل تھا اور اس جنگل کی بادشاہت پر بھیڑیوں کا لشکر قابض ہو چکا تھا۔

لدھیانہ میں قتلِ عام شروع ہوتا تو خبر آجاتی کہ مشرقی پنجاب کے گورنر نے جالندھر کا دورہ کرنے کے بعد بیان دیا ہے کہ اب صورتحال پر قابو پا لیا گیا ـــ گڑگاؤں اور حصار پر سکھ اور ہندو ریاستوں کے مسلح گروہ حملہ کرتے تو دہلی ریڈیو سے اعلان ہوتا کہ فلاں وزیر نے لدھیانہ کے مسلمانوں کو اطمینان دلایا ہے کہ اب انھیں کوئی خطرہ نہیں۔ ایک دن گورنر اعلان کرتا کہ مشرقی پنجاب کی یہ پالیسی ہرگز نہیں کہ مسلمانوں کو زبردستی نکالا جائے اور اگلے دن خبر آجاتی کہ فلاں فلاں

www.allurdu.com

شہر کے مسلمانوں کو اتنے گھنٹے کے اندر اندر اپنے گھر خالی کر دینے کا حکم دیا گیا ہے"۔

مشرقی پنجاب کی ریاستیں مسلمانوں کے قتلِ عام میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہی تھیں۔ کپورتھلہ میں مسلمانوں کی اکثریت تھی، اس لیے وہاں کئی ماہ پیشتر سکھوں اور راشٹریہ سیوک سنگھ کے جتھوں کو فوجی ٹریننگ دی جا رہی تھی۔ بھرت پور اور الور میں راشٹریہ سیوک سنگھ کے جتھے میواتی مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلنے کے بعد رہتک، حصار اور گڑگاؤں میں داخل ہو چکے تھے۔ نابھ کا حکمران بھی اپنی ہمت اور استعداد کے مطابق سکھوں اور اکالیوں کو فوج، اسلحہ اور بارود مہیا کر رہا تھا۔

پٹیالہ کا مہاراجہ جو مدت سے مشرقی پنجاب میں قتلِ عام کی سازش میں شریک تھا۔ اس نے پندرہ اگست سے چند ماہ پیشتر ہی اپنے تمام ذرائع پنجاب کی اکال سینا کو مسلح کرنے کے لیے وقف کر دیے تھے۔ پٹیالہ کے سکھوں کو مسلح کرنے اور فوجی تربیت دینے کے بعد درپردہ مشرقی پنجاب کے مختلف اضلاع میں بھیجا جا رہا تھا۔ راجہ کی اپنی فوج کے آدمی شہری لباس میں سکھ جتھوں کی راہنمائی کر رہے تھے۔ تاہم پٹیالہ کی مسلمان رعایا آخری وقت تک خود فریبی میں مبتلا رہی۔ قتلِ عام سے صرف چند دن قبل پٹیالہ شہر میں ہندوؤں، سکھوں اور مسلمانوں کی ایک مشترکہ میٹنگ بلا کر ان کے لیڈروں سے حلف لیے گئے تھے کہ وہ ہر قیمت پر امن قائم رکھیں گے۔ مسلمانوں کو اور زیادہ اطمینان دلانے کے لیے راجہ نے ہندو، مسلم اور سکھ نمائندوں کے سامنے بذاتِ خود یہ اعلان کیا تھا کہ بدامنی پھیلانے والے خواہ کسی مذہب یا قوم سے تعلق رکھتے ہوں، حکومت ان کے خلاف سخت کارروائی کرنے کا تہیہ کر چکی ہے۔ حکومت کی فوج اور پولیس بدامنی کی روک تھام کے لیے تیار کھڑی ہے۔ انھیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ ہر قیمت پر امن قائم رکھیں۔

انتہائی مایوسی کی حالت میں انسان خود فریبی کا سہارا لیتا ہے۔ یہی حالت پٹیالہ کے مسلمانوں کی تھی، وہ راجہ کے دامِ فریب میں آ گئے۔ نہ صرف پٹیالہ کے مسلمان بلکہ ریاست کی سرحدوں کے آس پاس کے مسلمان بھی اپنے گھر بار چھوڑ کر پٹیالہ میں پناہ لینے لگے۔ یہاں تک کہ لدھیانہ، کرنال اور پڑوس کے دوسرے شہروں اور بستیوں سے بھی بعض مسلمان پٹیالہ کا رخ کرنے لگے۔ اس کے بعد ایک منظم پروگرام کے ماتحت مسلمانوں کا قتلِ عام شروع ہوا۔ پہلے مسلح دستوں اور جتھوں نے پٹیالہ کی سرحدوں سے باہر نکل کر حملے شروع کیے۔ مسلمان بدحواس ہو کر ادھر اُدھر بھاگتے تو سکھ اور ہندو لیڈر انھیں مشورہ دیتے کہ پٹیالہ کی حدود کے اندر امن ہے۔ اب تمہیں صرف وہاں پناہ مل سکے گی۔ پھر انھیں ڈرایا جاتا کہ پاکستان بہت دور ہے۔ تم راستے میں مارے جاؤ گے ____ بعض قافلے ان کے جھانسوں میں آ جاتے۔

اس کے بعد راجہ کے سورماؤں نے سرحد کی بستیاں مسلمانوں سے خالی کروائیں اور باہر کی دنیا سے رسل و رسائل کے سلسلے منقطع کر دیے۔ اب شکار چاروں طرف سے گھر چکا تھا۔ قریباً دس دن تک راجہ کی فوج اور پولیس اور سکھوں کے تربیت یافتہ جتھے مسلمانوں کا قتلِ عام کرتے رہے، راجہ اور اس کے حکام قریباً ہر روز یہ بیان دیتے رہے کہ ریاست میں کسی بدامنی کی اجازت نہیں دی جائے گی ____ مسلمانوں کی جان، مال اور عزت کو کوئی خطرہ نہیں۔

مہاراجہ پٹیالہ نے ایک بھیڑیے کی درندگی کے علاوہ ایک مکڑی کی فراست کا مظاہرہ اور غالباً یہی وجہ تھی کہ مشرقی پنجاب کی ریاستوں کے راج پرمکھ کی گدی سنبھالنے کے لیے پٹیل کو کوئی اور آدمی اس سے زیادہ موزوں دکھائی نہ دیا۔

پھر دہلی کی باری آئی۔ یہ تاریخی شہر عدم تشدد کے علمبرداروں کا دارالحکومت تھا۔ یہاں برلا مندر اور بھنگی کالونی میں مہاتما گاندھی اپنے پجاریوں کو اہنسا کا

www.allurdu.com

تھے، اس لیے امن پسند حکومت نے فسادات کے خطرے کے پیشِ نظر لوگوں کی تلاشیاں لینی شروع کر دیں۔ سکھوں اور ہندوؤں کی نہیں ـــــ مسلمانوں کی تلاشیاں، امن پسندوں کی حکومت، سکھوں اور ہندوؤں کی اسٹین گنوں، ٹامی گنوں اور رائفلوں کے مقابلے میں مسلمانوں کے گھروں میں قلم تراش چاقو، سبزی کاٹنے کی چھریاں اور جلانے کی لکڑیاں تک چھوڑنا خطرناک سمجھتی تھی ـــ چنانچہ اس قسم کی خطرناک چیزیں بحق سرکار ضبط کر لی گئیں۔ پھر "جے ہند" اور "ست سری اکال" کے نعرے بلند ہوئے اور آل انڈیا ریڈیو یہ اعلان کرنے لگا کہ آج اِکّا دکّا حملے ہوئے، حالات پر قابو پا لیا گیا ہے ـــ آج کرفیو آرڈر لگا دیا گیا ہے ـــ آج ایک جگہ فساد ہو چلا تھا لیکن پنڈت نہرو نے موقع پر پہنچ کر ہجوم کو منتشر کر دیا ـــ آج امن کمیٹی نے یہ اعلان کیا ہے ـــ آج وزیرِ اعظم پنڈت نہرو نے غیر ملکی اخبار نویسوں اور خبر رساں ایجنسیوں کے متعلق شکایت کی ہے کہ وہ دہلی کی خبروں کو بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہیں، اس بات کی ہرگز اجازت نہیں دی جائے گی۔

لال قلعہ کی دیواروں اور جامع مسجد کے نیچے مسلمانوں کے خون کی ندیاں بہتی رہیں۔ وحشت اور بربریت کے ہاتھ انسانیت کا دامن تار تار کرتے رہے۔

جب دہلی میں تشدّد کے دیوتا کے پجاری اپنا کام ختم کر چکے تو عدمِ تشدّد کا دیوتا بھی وہاں پہنچ گیا۔

***

پاکستان اب لاکھوں بھوکے، ننگے اور بے سر و سامان انسانوں کی جائے پناہ اور ہزاروں زخمیوں کا ہسپتال بن چکا تھا۔ اب مشرقی پنجاب کے شہر اور بستیاں خالی ہو چکی تھیں۔ اب حملہ آوروں کے سامنے کیمپ تھے یا قافلے تھے۔ باؤنڈری فورس توڑی جا چکی تھی اور مسلمانوں کے قتلِ عام کے راستے میں جو رہی سہی رکاوٹیں تھیں، وہ بھی دور ہو چکی تھیں۔ دہلی سے لے کر واہگہ تک پناہ گزینوں کے قافلوں کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ بیشتر قافلوں کی منزلِ مقصود لاہور تھی۔ لاہور میں روزانہ کئی کئی میل لمبے قافلے روانہ ہو رہے تھے، لاہور کی سڑکوں، لاہور کی گلیوں، لاہور کے اسٹیشن اور لاہور کے کیمپوں میں تل دھرنے کی جگہ نہ تھی۔

راستے میں کئی کئی راتیں جاگنے اور سینکڑوں میل چلنے کے بعد بھوک اور تھکاوٹ سے نڈھال لوگ واہگہ پہنچ کر پاکستان کی سرحد پر پاؤں رکھتے ہی

www.allurdu.com

"پاکستان زندہ باد" کا نعرہ لگاتے اور زمین پر لیٹ کر سو جاتے یہ وہ منزل تھی جہاں پہنچنے کے لیے یہ لوگ اپنی زندگی کی تمام پونجی لُٹا کر آ رہے تھے۔ حکومت پریشان تھی، حکام بدحواس تھے۔ لاہور میں روزانہ آنے والے پناہ گزینوں کے لیے جگہ نہ تھی لیکن لاہور کے عوام کا ایثار و خلوص یہ ثابت کر رہا تھا کہ لاہور اس بوجھ کو اُٹھا سکتا ہے۔ لاہور کے ریڈیو سے یہ اعلان ہوتا کہ آج اتنے بجے اتنے ہزار یا اتنے لاکھ مہاجرین کا قافلہ لاہور پہنچ رہا ہے۔ انھیں کھانے کی ضرورت ہے اور عوام اپنی اپنی گلی کوچے اور محلے سے پکا پکایا کھانا جمع کرتے اور چھکڑوں اور تانگوں پر لاد کر کیمپوں میں بھیج دیتے۔

ایثار پیشہ لوگوں کی دوسرے شہروں میں بھی کمی نہ تھی۔ اجتماعی مُصیبت کا سامنا کرنے کے لیے ایک اجتماعی شعور پیدا ہو چکا تھا —— لیکن جس سیلاب کو ہندوستان کی حکومت پاکستان کی بنیادیں ہلا دینے کے لیے کافی سمجھتی تھی، اُسے روکنا معمولی بات نہ تھی —— اس مصیبت کا سامنا کرنے کے لیے ایک مضبوط و مستحکم حکومت کے لامحدود ذرائع کی ضرورت تھی اور پاکستان کی حالت اس بچّے کی سی تھی جسے پاؤں پر کھڑا ہونے سے پہلے بوجھ اٹھا کر بھاگنے پر مجبور کر دیا گیا ہو —— مغربی پنجاب کی حکومت کے سامنے جس قدر بڑا کام تھا، اُسی قدر کام چلانے والے ہاتھ ناتجربہ کار تھے اور بعض ہاتھ تو ایسے تھے جنھوں نے گلّی ڈنڈا پھینک کر وزارت کے قلمدان سنبھال لیے تھے۔ دفتری نظام کی مشینیں ابھی تک وہی تھیں۔ جو دنوں کا سفر مہینوں میں طے کرتی ہیں۔ بلکہ ایک منظم سکیم کے تحت غیر مسلم ملازموں کے انخلا کے باعث یہ دفتری نظام بھی درہم برہم ہو چکا تھا۔ مشرقی پنجاب اور باقی ہندوستان سے آنے والے تجربہ کار ملازم جو اس خلا کو پُر کر سکتے تھے، ان میں سے اکثر قتل کیے جا چکے تھے اور جو پاکستان پہنچ رہے تھے

انھیں اپنا ہوش نہ تھا۔ کسی کی بیوی، کسی کی بہنیں، کسی کے بچّے اور کسی کے والدین مارے جا چکے تھے۔ کسی کے عزیز لاپتہ تھے اور وہ اُن کی تلاش میں سرگرداں تھا۔

پاکستان کے دشمن اور پاکستان سے زیادہ انسانیت کے دشمن اپنے ترکش کے تمام تیر چلا رہے تھے۔ مشرقی پنجاب میں بے سروسامان مسلمان اپنی بستیوں اور شہروں سے نکل کر کیمپوں میں جمع ہو رہے تھے اور یہاں سے فوج کے سپاہی انہیں پاکستان لے جا رہے تھے۔ جن قافلوں کی حفاظت کے لیے مسلمان سپاہیوں کے دستے متعین ہوتے وہ آسانی سے پاکستان پہنچ جاتے، حملے ان پر بھی ہوتے، کھلی سڑکوں پر نہیں بلکہ شہروں سے گزرتے ہُوئے ان پر سڑک کے آس پاس کے مکانوں سے دستی بم پھینکے جاتے اور گولیاں برسائی جاتیں۔ پھر بھی جس قافلے کے ساتھ پانچ یا دس مسلمان سپاہی ہوتے، اس پر سینکڑوں مسلّح بلوائیوں کو کھلے بندوں حملہ کرنے کی جُرأت نہ ہوتی۔ لیکن سڑکوں اور شاہراہوں سے دُور دیہاتی علاقوں سے پناہ گزینوں کے جو قافلے ہندوستانی فوج کی حفاظت میں آ رہے تھے، اُن کا حال اس کے برعکس تھا۔ کسی نہر یا دریا کے کنارے انھیں روک لیا جاتا اور اُن سے حفاظت کا معاوضہ طلب کیا جاتا، لوگ بچی کھچی پونجی اُن کی نذر کر دیتے۔ پھر علاقہ کی پولیس کا افسر جتھا لے کر پہنچ جاتا۔ جوان لڑکیاں چھین لی جاتیں اور باقی لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا۔ بعض لوگ اپنی بہو بیٹیوں کے ساتھ دریا یا نہر میں چھلانگیں لگا دیتے اور حملہ آور کناروں پر کھڑے ہو کر ان پر نشانہ بازی کرتے مشرقی پنجاب کے ہر دریا، ہر ندی اور ہر نالے میں لاشیں تیر رہی تھیں۔

مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کے کئی کیمپوں کے آس پاس پانی کے کنوئیں میں زہر ملا دیا گیا تھا۔ بعض کنوئیں لاشوں سے بھر دیے گئے تھے۔ بارش، کیچڑ اور آس پاس غلاظت کے ڈھیر لگ جانے سے کیمپوں کی فضا غایت درجہ متعفن ہو چکی

www.allurdu.com

پناہ گزینوں کو ایک جگہ سے اُٹھ کر دُوسری جگہ بیٹھنے کی اجازت نہ تھی۔ مسلح سکھوں کے گروہ کیمپوں کے ارد گرد آٹھوں پہر گھیرا ڈالے اس بات کے منتظر رہتے کہ مسلمان فوج کا حفاظتی دستہ کسی دوسری جگہ منتقل ہو اور وہ حملہ کریں۔

ہندوؤں کی تجارت پیشہ قوم ان حالات میں بھی زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھانے کی کوشش کر رہی تھی۔ بعض کیمپ ابھی تک ان لوگوں کی دسترس سے بچے ہوئے تھے۔ جو تلاشیاں لے کر مسلمانوں کا رہا سہا سامان چھین لیتے تھے اور ان کیمپوں کے آس پاس بنیوں نے تجارت کی چھوٹی چھوٹی منڈیاں کھول دی تھیں۔ ان منڈیوں میں وہ ایک ایک سیر اناج کے بدلے کئی کئی روپے وصول کر رہے تھے۔ یہاں صرف خوراک ہی کی قیمت نہ تھی، پینے کا پانی بھی فروخت ہو رہا تھا۔ دیش بھگت، دیش کی دولت میں اضافہ کرنے کے لیے پانی کا ایک ایک مٹکا سو سو روپے میں فروخت کر رہے تھے۔ صاف پانی بیمار، بچوں اور زخمیوں کے لیے دوا سمجھ کر خریدا جاتا تھا۔ ورنہ زیادہ تر لوگ جوہڑوں میں بارش کے گدلے اور سڑے ہوئے پانی پر گزارہ کر رہے تھے۔ بھوکوں مرتے لوگ درختوں کے پتے اور گھاس کے تنکے نوچ نوچ کر کھا رہے تھے۔ کیمپوں میں ہیضے کی وبا پھوٹ نکلی تھی اور روزانہ ہزاروں انسان مر رہے تھے اور مشرقی پنجاب سے جو قافلے مغربی پنجاب کا رُخ کر رہے تھے، زخمیوں کے علاوہ ہیضے کے مریضوں کو بھی اپنے ساتھ لا رہے تھے۔ اب پاکستانی پریس اور ریڈیو کی خبروں کا انداز یہ تھا:۔

"فلاں کیمپ سے اتنے ہزار مہاجرین کا قافلہ روانہ ہوا۔ راستے میں اتنے زخمی اور ہیضے کے مریض مر گئے ــــ اب مغربی پنجاب کے فلاں فلاں کیمپ میں بھی ہیضے کی وبا پھیل گئی، اس لیے لوگوں کو ہدایت کی جاتی ہے کہ فوراً ٹیکے کروا لیں۔ آج دہلی کی طرف سے آنے والی فلاں گاڑی لاہور پہنچی، گاڑی میں صرف لاشیں تھیں۔

فلاں افسر اور فلاں لیڈر نے بیان دیا ہے کہ گاڑیوں میں سفر کرنا قطعاً غیر محفوظ ہے۔"

پاکستان ریڈیو صبح شام مہاجرین کے لیے پروگرام نشر کر رہا تھا "فلاں فلاں لڑکی کا باپ فلاں کیمپ سے اطلاع دیتا ہے کہ اگر وہ سلامت ہوں تو یہاں پہنچ جائیں، فلاں بانو اور فلاں بیگم کا عزیز اطلاع دیتا ہے کہ وہ زخمی ہو کر ہسپتال میں پڑا ہوا ہے، لاہور، سیالکوٹ، راولپنڈی اور پشاور وغیرہ سے فلاں فلاں آدمی اطلاع دیتے ہیں کہ اگر مشرقی پنجاب سے ان کے رشتہ دار اور عزیز مغربی پنجاب کے کسی کیمپ میں ہوں تو اطلاع دیں، بہت تشویش ہے۔ فلاں صاحب اپنے خاندان کی فلاں فلاں خاتون، فلاں بانو اور فلاں بیگم کا پتہ دریافت کرتے ہیں۔ مسمات فلاں اپنے شوہر اور بھائیوں کی متلاشی ہیں۔ فلاں فلاں بچے قافلے پر حملے کے دوران میں اپنے والدین سے بچھڑ گئے ہیں، اگر کسی کو علم ہو تو انھیں اطلاع دے۔"

یہ مختصر سے پیغامات ان لاکھوں طویل اور دلخراش داستانوں کے عنوان تھے، جنھیں سُننے اور سُنانے کی کسی کو ہمّت یا فرصت نہ تھی۔

پاکستان ہزاروں مصیبتوں، ہزاروں ناامیدیوں اور ہزاروں پریشانیوں کا سامنا کر رہا تھا، افق پر تاریک آندھیوں کے سوا کچھ نہ تھا ــــ لیکن اس مُہیب طوفان میں بھی روشنی کا ایک مینار اپنی جگہ قائم تھا ــــ قوم کی ڈگمگاتی ہوئی کشتی کے ملاح قائدِ اعظم محمد علی جناح کے الفاظ بجھے ہوئے دلوں میں یقین اور ایمان کی مشعلیں روشن کر رہے تھے ــــ "پاکستان کو اب کوئی نہیں مٹا سکتا۔ ہم ان تاریکیوں اور طوفانوں سے سرخرو ہو کر نکلیں گے۔"

اب ہندوستان سے پاکستان کے حصّے کی فوج آ رہی تھی۔ قوم اپنے سپاہیوں کی پیشانیوں پر نئی زندگی کی ایک جھلک دیکھ رہی تھی۔ اب تک بلوچ رجمنٹ کے مُٹھی بھر سپاہیوں نے جو کچھ کیا تھا، اس کے پیش نظر قوم پاکستان

www.allurdu.com

کی فوج سے بڑی سے بڑی توقع وابستہ کرنے میں حق بجانب تھی۔ عوام ان سپاہیوں کے راستے میں آنکھیں بچھا رہے تھے۔ قوم کی بیٹیاں محبت، عقیدت اور تشکر کے آنسوؤں سے ان کا خیر مقدم کر رہی تھیں۔ گنگ زبانوں سے پھر ایک بار "پاکستان زندہ باد" کی صدائیں نکل رہی تھیں۔

گاندھی کے امن پسند چیلوں کی تلواروں کی تیزی صرف نہتوں کی گردنوں پر آزمائی جا سکتی تھی۔ انھیں اپنے مدِمقابل کے ہاتھ میں تلوار دیکھنا گوارا نہ تھا — چنانچہ پاکستانی افواج پر بھی پرانے حربے آزمانے کی کوشش کی گئی۔ راستے میں جگہ جگہ ان کی اسپیشل گاڑیاں روکی گئیں اور ان سے مطالبہ کیا گیا کہ تم اپنے ہتھیار ہماری تحویل میں دے دو۔ تمہاری حفاظت کے لیے گاڑی کے ساتھ ہندوستانی فوج کا دستہ جائے گا۔ لیکن مہاشوں کو معلوم ہوا کہ شہری اور فوجی کی ذہنیت میں بہت فرق ہے۔ مسلمان سپاہی جان سے پہلے ہتھیار دینے کے لیے تیار نہ تھے۔ ان کے پاس ایک ہی جواب تھا کہ "ہم اپنی حفاظت آپ کر سکتے ہیں!"

کہیں کہیں سکھوں کے جتھوں نے ان گاڑیوں کو بھی پناہ گزینوں کی گاڑیاں سمجھ کر حملے کیے لیکن ان کا انجام ان چڑی ماروں سے مختلف نہ تھا جو شکار کے شوق میں شیروں کی کچھار کے اندر گھس گئے ہوں۔

راوی کے کنارے پناہ گزینوں کی تعداد میں آئے دن اضافہ ہو رہا تھا۔ ضلع گورداسپور اور امرت سر کی تحصیل اجنالہ کی بیشتر مسلم آبادی کا رُخ اب اس طرف تھا۔ ڈیرہ بابا نانک کے پُل سے اوپر اور نیچے تھوڑے تھوڑے فاصلے پر کئی پڑاؤ تھے۔ بعض مقامات پر کشتیاں لوگوں کو پار پہنچانے میں مصروف تھیں اور بعض جگہ لوگ مویشیوں، چھکڑوں کے تختوں اور بہیّوں اور گھاس پھوس کے گٹھوں پر

دریا عبور کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اس قسم کے سہاروں سے پار پہنچنے والوں کی تعداد عام طور پر زیادہ ہوتی۔

شہروں[1] اور بستیوں سے مسلم آبادی کے انخلا کے بعد سکھوں کی توجہ راستوں، سڑکوں اور راوی کے کنارے پناہ گزینوں کے کیمپوں کی طرف مبذول ہو چکی تھی۔

---

[1] بٹالہ ضلع گورداسپور کا سب سے بڑا شہر تھا۔ ضلع کے حکام اور بلوائیوں کو خطرہ تھا کہ شہر میں کہیں آس پاس کی بستیوں کے مسلمانوں کا دفاعی مورچہ نہ بن جائے چنانچہ باؤنڈری کمیشن کے اعلان کے ساتھ ہی پولیس نے شہر کو مسلمانوں سے خالی کروانے کی مہم شروع کر دی تھی۔ قرب جوار کے دیہات کے مسلمان شہر کا رُخ کر رہے تھے اور شہر کے مسلمان سنگینوں کے پہرے میں اپنے گھر بار خالی کر کے کیمپوں میں پناہ لے رہے تھے۔ اس کے بعد کچھ لوگوں کو مسلمان سپاہی فوجی ٹرکوں اور لاریوں میں بٹھا کر امرتسر کے راستے لاہور کی طرف لے گئے اور باقی ہزاروں کی تعداد میں ڈیرہ بابا نانک کا راستہ اختیار کرنے لگے — اس کے بعد قادیان، حکومت، فوج اور بلوائیوں کی توجّہ کا مرکز بنا۔ احمدیہ جماعت کے لیڈروں کو ہندوستان کی حکومت یہ اطمینان دلا چکی تھی کہ انھیں کوئی خطرہ نہیں۔ بٹالہ کی صورتِ حالات سے پریشان ہو کر قادیان کے ارد گرد چھ سات میل کے دائرے میں مسلم آبادی اپنے گھر بار خالی کر کے وہاں جمع ہو گئی۔ اس کے بعد آگ کا دائرہ قادیان کے گرد تنگ ہونے لگا اور اس قسم کی خبریں آنے لگیں۔ "آج احمدیہ جماعت کا وفد فلاں لیڈر سے ملا ہے اور انھوں نے یقین دلایا ہے کہ قادیان کی حفاظت کی جائے گی" — "آج قادیان کے مضافات پر حملے ہوئے۔ اتنے آدمی مارے گئے۔ اتنی عورتیں اغوا کر لی گئیں" — "ہندوستان کے فلاں وزیر نے بیان دیا ہے کہ قادیان کو کوئی خطرہ نہیں" — "آج قادیان میں کرفیو آرڈر لگا دیا گیا" — "قادیان کے باشندوں کی تلاشیاں لی جا رہی ہیں" — "قادیان کے فلاں فلاں محلّوں پر حملے ہوئے ہیں" — قادیان کی خبروں کا بلیک آؤٹ" — "احمدیہ جماعت کے دو خانگی ہوائی جہازوں کو لاہور اور قادیان کے درمیان پرواز کرنے سے منع کر دیا گیا۔ قادیان کے (باقی اگلے صفحہ پر)

www.allurdu.com

لوگوں کے سامنے دریا تھا اور پیچھے آگ تھی۔ برسات کی جوانی کے دن گزر چکے تھے۔ لیکن اس سال اگست کے آخری دنوں میں بھی بارش ہو رہی تھی۔ جب تھوڑی دیر کے لیے مطلع صاف ہو جاتا تو لوگ ایک دوسرے کو تسلّی دیتے "اب صرف دو چار دنوں کی بات ہے دریا اُتر جائے گا اور ہم پار پہنچ جائیں گے۔" لیکن اگلے دن نئی گھٹائیں دیکھ کر وہ کہتے۔ "دریا نہیں اُترے گا۔ یہ قیامت کی نشانیاں ہیں۔" اندھیری راتوں اور موسلا دھار بارشوں میں ماؤں کے سینوں سے چمٹے ہوئے بچّے بلکتے۔ زخمی اور ہیضہ، ملیریا، نمونیا اور ٹائیفائڈ کے مریض کراہتے۔ اچانک کہیں سے کسی کی چیخیں سُنائی دیتیں۔ "لوگو! میں لُٹ گئی۔ میرا بچّہ مر گیا" —— یہ چیخیں ہچکیوں اور آہوں میں تبدیل ہو جاتیں تو کسی اور کونے سے ماتم کی صدائیں آنے لگتیں۔ پھر اچانک یہ شور اُٹھتا "پانی آ گیا۔ یہاں سے بھاگو۔ دریا چڑھ رہا ہے۔" چاروں طرف کھلبلی مچ جاتی۔ بعض لوگ بدحواسی میں دُور ہٹنے کی بجائے دریا کے اندر چلے جاتے اور پانی کا ریلا انھیں بہا کر لے جاتا۔ تاریکی میں لوگ اپنے اپنے ساتھیوں اور عزیزوں کو آوازیں دیتے۔ بارش تھم جاتی تو لوگوں کا شور آہستہ آہستہ کم ہو جاتا۔ لوگ اب بستروں کی بجائے کیچڑ اور پانی میں بیٹھ کر آرام کرنے کے عادی ہو چکے تھے۔

دریا کے کنارے سلیم کے لیے ہر دن حشر کا دن اور ہر رات قیامت کی رات تھی، سرپھروں کے گروہ میں سے جس نے آخری دم تک اس کا ساتھ دینے کا عہد کیا تھا، آٹھ آدمی شہید ہو چکے تھے۔ تین آدمیوں کو سخت بخار کی حالت

لوگوں کو زبردستی شہر سے نکالا جا رہا ہے" —— "آج چالیس ہزار آدمیوں کا قافلہ پاکستان کی طرف روانہ ہو گیا۔" قادیان اور بٹالہ کے درمیان قافلے پر سکھوں کے حملے" —— "قادیان میں بہت تھوڑے آدمی رہ گئے ہیں" —— "پولیس اور ضلع کے حکام لوٹ مار میں حصّہ لے رہے ہیں" —— "ہندوستان کے فلاں لیڈر اور فلاں وزیر نے بیان دیا ہے کہ قادیان میں بالکل امن ہے" ——

میں دوسرے کنارے پہنچا دیا گیا تھا اور دو ہیضے کا شکار ہو چکے تھے۔

سلیم کے سامنے کسی خاص مورچے کی حفاظت نہ تھی۔ کیمپ پر حملہ ہوتا تو اس کے ساتھی وہاں لڑتے۔ آس پاس کسی قافلے پر حملے کی اطلاع ملتی تو وہ گھوڑوں پر سوار ہو کر اس کی حفاظت کے لیے پہنچ جاتے۔ انھوں نے چار بار سکھوں کو پسپا کیا تھا اور پانچویں دفعہ وہ فیصلہ کن حملے کی نیّت سے آئے تھے۔ شام کے چار بجے کوئی دو سو سواروں اور قریبًا ایک ہزار پیدل سکھوں کا جتھا نصف دائرے میں دریا کی طرف بڑھا۔ حملہ آور کیمپ سے کوئی چار سو گز کے فاصلے پر رُک کر رائفلوں سے گولیاں برسانے لگے۔ سلیم کے ساتھی ایک طرف چند چھکڑوں کی آڑ میں چھُپ کر بیٹھ گئے۔ بارُود کی کمی کے پیش نظر سلیم نے اپنے ساتھیوں کو ہدایت کی کہ وہ صرف ضرورت کے وقت فائر کریں۔ ایک گھنٹہ گولیاں برسانے کے بعد سکھ "ست سری اکال" کے نعرے لگاتے ہوئے کیمپ پر ٹوٹ پڑے۔ سوار آگے تھا اور کرپانوں سے مسلح ہجوم ان کے پیچھے آ رہا تھا۔ کیمپ اور ان کے درمیان کوئی ڈیڑھ سو گز کا فاصلہ رہ گیا تو سلیم نے اپنے ساتھیوں کو فائر کرنے کا حکم دیا۔ انھوں نے کوئی ایک منٹ کے اندر اندر تیس چالیس سواروں کو ڈھیر کر دیا لیکن حملہ آور لوٹنے کی بجائے آگے بڑھتے گئے کیمپ سے ایک گروہ سمٹ کر چھکڑوں کے گرد جمع ہونے لگا اور سلیم اور اس کے ساتھیوں کے لیے فائر کرنا مشکل ہو گیا۔ وہ مجبورًا چھکڑوں کی آڑ سے نکل کر اُن کے اوپر چڑھ کر فائر کرنے لگے۔ سلیم کی چیخ پکار سے بدحواس لوگوں کا یہ ہجوم زمین پر لیٹ گیا۔ اب اس کے ساتھی چھکڑوں پر پڑے ہوئے سازوسامان کی آڑ لے کر فائر کر رہے تھے لیکن اتنی دیر میں حملہ آور کیمپ پر دھاوا بول چکے تھے اور مسلمان لاٹھیوں اور ڈنڈوں سے مدافعت کر رہے تھے بعض نوجوان جو گزشتہ لڑائیوں میں سکھوں کی کرپانیں اور برچھیاں چھین کر مسلح

www.allurdu.com

ہو چکے تھے، انھوں نے حملہ آوروں کا ایک گروہ آگے لگا رکھا تھا۔ سکھ سواروں کا ایک گروہ چھکڑوں کی طرف بڑھا لیکن گولیوں کی بوچھاڑ نے انھیں منتشر کر دیا۔ پیدل جتھا مسلمانوں کے ساتھ اس طرح گتھم گتھا ہو چکا تھا کہ ان پر فقط اِکا دکّا فائر کیے جا سکتے تھے۔

عورتیں اور بچّے سراسیمہ ہو کر پانی میں اتر گئے تھے۔ جوں جوں مرد دریا کی طرف ہٹ رہے تھے، عورتیں دریا میں گہرے پانی کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ سکھوں کے ایک زبردست حملے نے چند آدمیوں کو دریا کے اندر دھکیل دیا، اور عورتیں چیختی چلّاتی آگے بڑھ کر دریا کے تیز دھارے میں چلی گئیں۔ بعض مرد اب مقابلہ کرنے کی بجائے انھیں ڈوبنے سے بچانے کی کوشش کر رہے تھے، ان میں بھی بیشتر ایسے تھے جو تیرنا نہیں جانتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عورتوں اور بچّوں کے ساتھ وہ بھی ڈوب رہے تھے۔ جو لوگ چھکڑوں کے ارد گرد زمین پر لیٹے ہوئے تھے وہ کیمپ کے باقی لوگوں سے کٹ چکے تھے۔ بندوقوں سے مسلح آدمیوں کی گولیاں حملہ آوروں کو قریب آنے سے روک رہی تھیں۔ سکھوں کی ایک مسلح ٹولی ایک طرف کوئی سو گز دور زمین پر لیٹ کر ان پر فائر کرنے لگی۔

حملہ آوروں کے جتھے کا لیڈر ایک مشکی گھوڑے پر سوار جنگ کے میدان سے کوئی ڈیڑھ فرلانگ دُور کھڑا تھا، اس کے دائیں اور بائیں دو اور آدمی کھڑے تھے۔ برچھیوں اور تلواروں سے مسلح مسلمانوں کا گروہ سکھوں کی ایک ٹولی کو دھکیلتا ہوا جتھیدار سے کوئی پچاس گز کے فاصلے تک لے گیا۔ جتھیدار گھوڑا آگے بھگا کر چلّایا۔ ”بے غیرتو! تمھیں پیچھے ہٹتے شرم نہیں آتی۔“ سکھوں نے پلٹ کر جوابی حملہ کیا اور تھوڑی دیر میں سواروں کی ایک ٹولی میدان سے نکل کر مسلمانوں کے عقب میں پہنچ گئی۔ مسلمان اپنے پیچھے کئی لاشیں چھوڑنے کے بعد ایک جگہ سے سواروں کا گھیرا توڑ کر دوبارہ اپنے رہے سہے ساتھیوں سے آملے۔

سلیم کے اکثر ساتھی اب اپنی اپنی بندوقوں کا آخری راؤنڈ چلا چکے تھے۔ سلیم نے اپنا آخری راؤنڈ چلانے کے بعد ٹامی گن اپنے پاس لیٹے ہوئے آدمی کے سپرد کی اور تھیلے سے پستول نکال کر چھکڑے سے اترا اور زمین پر رینگتا ہوا دوسرے چھکڑے پر داؤد کے پاس پہنچا۔ داؤد کے قریب لیٹا ہوا آدمی سر میں گولی لگنے سے شہید ہو چکا تھا اور اس کے ارد گرد سامان کی پیٹیاں اور بوریاں گولیوں سے چھلنی ہو چکی تھیں۔ داؤد کی پیشانی پر خون کی لکیر دیکھ کر سلیم نے کہا۔ ”داؤد تم زخمی ہو؟“

اس نے جواب دیا۔ ”گولی میری کھوپڑی کے اُوپر سے پھسل گئی ہے۔ مجھے معمولی خراش آئی ہے۔“

سلیم نے کہا۔ ”داؤد! میری بارُود ختم ہو چکی ہے، صرف پستول کی چند گولیاں ہیں۔“

داؤد نے کہا۔ ”میرے پاس شاید دو راؤنڈ اور ہوں گے۔“

سلیم نے تھیلے میں ہاتھ ڈال کر دستی بم نکالتے ہوئے کہا۔ ”یہ لو!“

ایک گولی آئی اور سلیم کے کان سے مس کرتی ہوئی گزر گئی۔

داؤد چلّایا۔ ”اپنا سر نیچے کر لو!“

سلیم نے سر نیچے کرتے ہوئے کہا۔ ”یہ لو داؤد جلدی کرو!“

داؤد نے اس کے ہاتھ سے دستی بم لے لیا اور سلیم چھکڑے سے اُتر کر نیچے لیٹے ہوئے آدمیوں کے درمیان چلا گیا۔

”تم کہاں جا رہے ہو؟“ داؤد نے مڑ کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

سلیم نے جواب دیا۔ ”باتوں کا وقت نہیں۔“

سلیم نے رینگتے ہوئے ایک آدمی کے پاس پہنچ کر اس کے سر سے پگڑی اُتروائی اور جلدی سے اپنا سر اور نصف چہرے کے گرد لپیٹ کر سکھوں کی طرح

www.allurdu.com

ڈھاٹا باندھ لیا۔ پھر اپنی شلوار کے پائینچے گھٹنوں سے اوپر چڑھانے کے بعد وہ اُٹھا اور پوری رفتار کے ساتھ بھاگتا ہوا دست بدست لڑائی کرنے والے ہجوم میں جا گھسا۔ ایک طرف سواروں کی ٹولی برچھیوں اور نیزوں سے مسلمانوں کو دریا کی طرف دھکیل رہی تھی۔ سلیم نے ایک زخمی سکھ کی برچھی اُٹھائی اور ایک سوار کے عقب میں پہنچ گیا۔ جب سکھ سوار ایک گرے ہوئے مسلمان پر جھک کر برچھی کا وار کر رہا تھا، سلیم نے آگے بڑھ کر پوری طاقت کے ساتھ اس کی کمر میں برچھی ماری اور اُسے دھکیل کر برچھی سمیت ایک طرف لڑھکا دیا۔ سوار کی برچھی نیچے پڑے ہوئے مسلمان کو لگنے کی بجائے ریت میں دھنس کر رہ گئی۔ سلیم نے بجلی کی سی تیزی کے ساتھ بدحواس گھوڑے کی باگ پکڑ لی اور کود کر اس کی پیٹھ پر بیٹھ گیا۔ چند قدم کے فاصلے پر ایک اور سکھ سوار ایک مسلمان پر نیزے سے حملہ کر رہا تھا اور وہ اپنی لاٹھی سے اس کے وار روکنے کی کوشش کر رہا تھا۔ سلیم نے جلدی سے ریت میں دھنسی ہوئی برچھی نکالی اور گھوڑے کو آگے بڑھا کر سکھ کی پسلی میں گھونپ دی۔ اس کے بعد اس نے ایک لمحہ کے توقف کے بغیر گھوڑے کی باگ موڑ کر ایڑ لگائی اور میدان سے باہر نکل آیا۔ اس کا رُخ اس طرف تھا جہاں جتھیدار پنتھ کا جھنڈا لیے کھڑا تھا۔ سلیم بھاگتے ہوئے گھوڑے کی گردن کے ساتھ سر لگائے کبھی زین سے ایک طرف اور کبھی دوسری طرف اس انداز سے لڑھک رہا تھا کہ جن سکھوں نے اسے دیکھا بھی وہ یہی سمجھے کہ ان کا کوئی زخمی ساتھی ہے۔

گھوڑے کو دور سے دیکھ کر جتھیدار نے اپنے ساتھیوں سے کہا ـــ "یہ تو مہاراج سنگھ کا گھوڑا معلوم ہوتا ہے ـــــ ارے وہ زخمی ہے گھوڑا روکو!" جتھیدار کے دو ساتھی آگے بڑھ کر گھوڑے کو چمکارنے لگے لیکن سلیم اُن سے کترا کر آگے نکل گیا اور سیدھا جتھیدار کی طرف بڑھا۔ جتھیدار نے پریشان

ہو کر اپنا گھوڑا ایک طرف ہٹانے کی کوشش کی لیکن سلیم نے اچانک اپنا سر اُٹھایا ایک ہاتھ سے باگ موڑ کر گھوڑے کا رُخ دوبارہ جتھیدار کی طرف کیا اور دوسرے ہاتھ سے برچھی اس کی طرف سیدھی کر دی۔ جتھیدار نے جھنڈا پھینک کر اپنا پستول نکالا لیکن اتنی دیر میں سلیم کی برچھی اس کے سینے کے آر پار ہو چکی تھی۔ بدحواس گھوڑا جتھیدار کی تین من کی لاش لے کر ایک طرف بھاگا، اس کا ایک پاؤں رکاب میں پھنسا ہوا تھا اور سر زمین سے رگڑ کھا رہا تھا۔ سلیم نے اوپر سے چکر کاٹتے ہوئے اُس کے گھوڑے کو گھیرا اور اس کا رُخ ہجوم کی طرف پھیر دیا۔ جتھیدار کا ایک ساتھی گرا ہوا جھنڈا اٹھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ سلیم نے گھوڑا موڑ کر پستول نکالا اور اُسے وہیں ڈھیر کر دیا۔ دوسرا آدمی پوری رفتار سے اپنے ساتھیوں کی طرف بھاگتا ہوا یہ کہہ رہا تھا۔ "جتھے دار مارا گیا۔ جتھے دار مارا گیا۔" سکھ جن میں سے بعض اب چیختی چلاتی لڑکیوں کو اُٹھا اُٹھا کر گھوڑوں پر ڈال رہے تھے، اس کی طرف اس وقت متوجہ ہوئے جب بدحواس گھوڑا بھاری بھرکم لاش کو گھسیٹتا ہوا ہجوم کے درمیان پہنچ چکا تھا۔ پانی کی ایک کھائی پر سے کودتے ہوئے رکاب ٹوٹ گئی اور کیچڑ سے لت پت لاش زمین پر آ رہی۔

"جتھیدار مارا گیا ـــــ جتھیدار مارا گیا۔" آن کی آن میں یہ خبر میدان میں ہر سکھ کے کانوں تک پہنچ چکی تھی ـــ سلیم گھوڑا بھگاتا ہوا سکھوں کے ہجوم کے قریب سے گزرا تو جتھیدار کا ساتھی چلایا۔ "وہ دیکھو، وہ جا رہا ہے۔ جتھیدار کو اس نے مارا ہے۔" لیکن ہر سکھ اپنی اپنی کہہ رہا تھا۔ جتھیدار کا ساتھی محسوس کر رہا تھا کہ اس ہنگامے میں اس کی آواز صرف اس کے اپنے کانوں کو متاثر کر رہی ہے۔

شام ہو رہی تھی مسلمانوں نے آخری بار پوری قوت سے حملہ کیا اور سکھوں کو پیچھے ہٹانے لگے۔ بعض سکھ جو جتھیدار کی موت سے بہت زیادہ بدحواس

www.allurdu.com

تھے، میدان سے ایک طرف نکل کر کھڑے ہو گئے۔ رائفلوں سے مسلّح سکھوں نے مدِمقابل سے اپنی گولیوں کا جواب نہ پا کر آہستہ آہستہ آگے بڑھنا شروع کر دیا تھا۔

سلیم اوپر سے چکر لگا کر سرپٹ گھوڑے پر بلند آواز میں یہ کہتا ہوا اُن کے قریب سے گزر گیا۔ "جتھے دار مارا گیا۔ پاکستانی فوج آ گئی ـــ بلوچ رجمنٹ گھیرا ڈال رہی ہے۔"

اپنے باقی ساتھیوں کو عین فتح کے وقت پیچھے ہٹتا دیکھ کر یہ گروہ پہلے ہی پریشان ہو رہا تھا۔ اب لیڈر کی موت کے ساتھ پاکستانی فوج کی آمد کی خبر سنی تو ان میں سے بعض آگے بڑھنے کی بجائے پیچھے کھسکنے لگے۔ سکھوں کو پسپا کرنے کے لیے اب آخری ریلے کی ضرورت تھی۔ اچانک ایک طرف سے گھوڑوں کی ٹاپ اور اس کے ساتھ اللہ اکبر کا نعرہ سنائی دیا اور اس کے ساتھ ہی پندرہ بیس آدمیوں کی ٹولی گھوڑوں پر نمودار ہوئی۔ سوار مار دھاڑ کرتے ہوئے میدان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک جا پہنچے، ان کے پیچھے ایک پیدل گروہ نمودار ہوا۔

سلیم نے اپنا ڈھاٹا اتار کر پھینک دیا اور گھوڑے سے چھلانگ لگاتے ہوئے چھکڑوں کے ارد گرد دبکے ہوئے آدمیوں کے پاس پہنچ کر کہا۔ "دشمن بھاگ رہا ہے ـــ آج پھر خدا نے تمہاری سن لی ہے۔ حملہ کر دو!"

وہ لوگ جنھیں تھوڑی دیر پہلے سو فیصدی اپنی موت کا یقین تھا، ایک نئی امید، نئے عزم اور نئی قوت کے ساتھ میدان میں پڑے ہوئے زخمیوں کے ہتھیار اٹھا کر حملے کر رہے تھے ـــ میدان خالی ہو گیا۔ سواروں کا دستہ ایک میل تک سکھوں کا پیچھا کرنے کے بعد واپس آیا تو سلیم کو معلوم ہوا کہ اس نئے گروہ کا لیڈر امیر علی ہے۔

امیر علی نے سلیم کو دیکھتے ہی کہا۔ "بھائی! ہمیں بزدلی کا طعنہ نہ دینا۔ ہم

نے تین حملے پسپا کیے لیکن اب ہماری بارود ختم ہو چکی ہے۔ میں ایک گوردوارے سے آٹھ سو کارتوس اور دو رائفلیں چھین کر لایا تھا لیکن اب میرے پاس صرف دو کارتوس رہ گئے ہیں۔"

"عورتوں کا کیا حشر ہوا؟"

"وہ بھی آ گئی ہیں۔ ہم نے گولیوں کی آواز سُن کر انھیں چند آدمیوں کے ساتھ تھوڑی دُور پیچھے دریا کے کنارے بٹھا دیا ہے۔ میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ آپ کے پاس کتنی بارود ہے؟"

سلیم نے اپنے تھیلے میں ہاتھ ڈال کر پستول کی چند گولیاں نکالتے ہوئے کہا۔ "صرف یہ! میرے باقی ساتھیوں کی بارود بھی قریباً ختم ہو چکی ہے۔"

داؤد نے کہا۔ "میرے پاس شاید اسٹین گن کی کچھ گولیاں ہیں۔"

ایک اور آدمی نے کہا۔ "میرے پاس چار گولیاں باقی ہیں۔"

باقی سب خالی ہاتھ تھے۔ امیر علی نے مایوس ہو کر کہا۔ "وہ اب زیادہ تیاری کے ساتھ واپس آئیں گے۔ ہمیں ہر قیمت پر بارود حاصل کرنا پڑے گی۔"

سلیم نے کہا۔ "امیر علی! اگر یہاں ہمارا مشن ختم نہیں ہو گیا تو خدا نئے وسائل پیدا کر دے گا۔"

آدھی رات تک کیمپ کے لوگ ریت کے گڑھے کھود کھود کر شہیدوں کو دفن کرتے رہے۔ شہیدوں کی تعداد سات سو سے اوپر تھی اور زخمیوں کی تعداد اس سے قریباً ڈیڑھ گنا زیادہ تھی۔ دریا میں کود کر ڈوبنے والی عورتوں اور لڑکیوں اور بچوں کی تعداد کا اندازہ پانچ سو کے لگ بھگ تھا اور قریباً ڈھائی سو آدمی انھیں بچانے کی کوشش میں ڈوب چکے تھے۔ سواروں کی ایک

ٹولی پنڈ رہ کے قریب لڑکیاں چھین کر اپنے ساتھ لے گئی تھی۔

حملوں کے دوران میں ملاحوں کو دوسروں سے زیادہ اپنی جانوں اور اپنی کشتیوں کی فکر ہوئی۔ چند دن قبل سکھوں نے کیمپ پر اس وقت حملہ کیا تھا جبکہ ملاح اپنی کشتیوں پر سواریاں لاد چکے تھے۔ دو کشتیاں جتھے کی آمد سے پہلے پہلے دوسرے کنارے کی طرف نکل گئیں لیکن تیسری کشتی پر ملاحوں کی چیخ پکار کے باوجود بدحواس انسانوں کا ایک ہجوم ٹوٹ پڑا۔ ہر آدمی اپنے اپنے گھر کی عورتوں کو کشتی میں گھسیڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔ بچے، عورتیں، مریض اور زخمی جو پہلے سوار ہوئے تھے، کشتی پر نئے حملہ آوروں کے نیچے دبے جا رہے تھے۔ کشتی کمر کے برابر پانی میں رکی ہوئی تھی اور بوجھ سے اس کے کنارے پانی کی سطح کو چھو رہے تھے۔ جو لوگ نیچے کھڑے تھے وہ ہاتھ بڑھا بڑھا کر کشتی کے ساتھ چمٹنے کی کوشش کر رہے تھے۔ کوئی کشتی کے سواروں کے ہاتھ، کوئی ان کے گریبان اور کوئی ان کے پاؤں کے ساتھ لٹکنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ہر شخص دوسرے کو سمجھا رہا تھا لیکن سب کہنے والے تھے، سننے والا کوئی نہ تھا۔

کشتی کے دو ملاح لوگوں کو دھکے دے دے کر پیچھے ہٹا رہے تھے۔ کسی نے بدحواسی کی حالت میں ایک ملاح کا گھٹنا پکڑ کر اوپر چڑھنے کی کوشش کی۔ ملاح جھک کر اس کی کلائیاں مروڑ رہا تھا کہ دوسرا آدمی ملاح کے بازو کے ساتھ چمٹ گیا اور ملاح سر کے بل پانی میں آرہا۔ اس افراتفری میں بعض آدمی کشتی کو دھکیلتے ہوئے گہرے پانی میں لے گئے۔ ایک لہر آئی اور کشتی کناروں تک پانی سے بھر گئی اور دوسری لہر کے ساتھ پانی میں ڈوب گئی۔

اس حادثہ کے بعد ملاح کشتیاں کمر کے برابر پانی سے آگے نہیں لاتے تھے۔ آج بھی وہ جتھے کی آمد کے آثار دیکھتے ہی اپنی کشتیاں واپس لے گئے تھے اور حملے کی شدت کے پیش نظر انھیں امید نہ تھی کہ وہ دوبارہ واپس آکر کسی زندہ انسان

کو دیکھیں گے۔ دو ملاحوں نے اپنی کشتیاں چند میل دور ایک اور کیمپ کے پاس لے جانے کا فیصلہ کر لیا تھا لیکن جب سکھ پسپا ہوئے تو وہ اپنے دلوں میں ایک نیا ولولہ محسوس کر رہے تھے۔ فقیر دین نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور باقی ملاح اسکے ساتھ شریک ہو گئے۔ تھوڑی دیر میں وہ اپنی اپنی کشتیوں پر دوسرے کنارے کا رخ کر رہے تھے۔

جب سلیم زخمیوں، عورتوں اور بچوں کو کشتیوں پر سوار کرانے میں مصروف تھا، امیر علی نے داؤد کا ہاتھ پکڑا اور اسے چند قدم ایک طرف لے جا کر سوال کیا۔

"داؤد اب کیا ہوگا؟"

"یہاں حملوں کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔" داؤد نے بے پروائی سے جواب دیا۔

"لیکن بارود کے متعلق تم نے کیا سوچا ہے؟"

"کچھ نہیں۔ اب ہم نے کئی دنوں سے سوچنا ترک کر دیا ہے۔ صرف سلیم سوچا کرتا ہے اور اب شاید وہ بھی سوچنا چھوڑ دے۔"

امیر علی نے کہا۔ "تم نے کہا تھا کہ تمہارے پاس اسٹین گن کی کچھ گولیاں ہیں۔"

"ہاں!"

"وہ مجھے دے دو۔ مجھے ایک جگہ سے اسلحہ ملنے کی امید ہے۔"

داؤد نے کہا۔ "میں تمہارے ساتھ جاؤں گا۔ ہمیں رائفل کی چند گولیاں بھی مل سکتی ہیں۔ اس کے علاوہ میرے پاس ایک دستی بم بھی ہے، تم کب جانا چاہتے ہو؟"

"ابھی!"

"گھوڑوں پر؟"

"ہاں!"

"چلو!"

www.allurdu.com

امیر علی نے کچھ سوچ کر کہا۔ "سلیم سے اجازت لینے کی اجازت ہو گی؟"

"اسے مت بتاؤ، وہ ہمیشہ خطرے میں اپنے ساتھیوں سے آگے رہنے کی کوشش کرتا ہے۔"

"آؤ!"

علی الصباح نماز کے بعد سلیم نے داؤد کو غیر حاضر پا کر اس کے متعلق اپنے ساتھیوں سے پوچھا۔ ایک آدمی نے اسے بتایا کہ میں نے رات کے وقت داؤد اور امیر علی کو گھوڑوں پر سوار ہو کر کیمپ سے نکلتے دیکھا ہے۔ ایک اور ساتھی نے قدرے تذبذب کے بعد کہا "میرے پاس رائفل کی جو گولیاں بچی ہوئی تھیں، وہ داؤد نے مجھ سے لے کر اپنے ساتھی کو دے دی تھیں۔ میں نے پوچھا تم کہاں جا رہے ہو؟ لیکن اس نے یہی جواب دیا کہ میں واپس آ کر بتاؤں گا!"

سلیم نے مغموم لہجے میں کہا "مجھے معلوم ہے، وہ کہیں سے بارود حاصل کرنے گئے ہیں۔"

ایک آدمی نے کہا "اگر کہیں سے تھوڑی بہت لے بھی آئے تو ہم ایک یا دو حملوں کا مقابلہ کر سکیں گے ــــ اس شکست کے بعد ان کا تازہ حملہ یقیناً زیادہ شدید ہو گا۔ ہمیں ان لوگوں کی فکر کرنی چاہیے۔ جتنے آدمیوں کو کشتیاں روزانہ نکالتی ہیں، اس سے زیادہ نئے آدمی آ جاتے ہیں۔ بیماری زور پکڑ رہی ہے، راشن ختم ہو رہا ہے۔ اگر چند دن تک حملہ نہ بھی ہوا تو بھی جو بیماری سے بچ جائیں گے، وہ بھوک سے مر جائیں گے۔"

سلیم نے کہا "پرسوں پاکستانی سپاہیوں کی حفاظت میں ہزاروں آدمیوں کا قافلہ پُل پر سے گزر گیا، اُوپر والے کیمپ کے لوگ بھی اس میں شامل ہو کر نکل

گئے لیکن ہمیں بروقت اطلاع نہ مل سکی۔ اب ہمیں مسلمان سپاہیوں کی حفاظت میں آنے والے کسی نئے قافلے کا انتظار کرنا پڑے گا ــ جونہی پُل محفوظ ہو، وہاں پہنچ جانا چاہیے ــــ غلام علی! تم ابھی صادق کے ساتھ روانہ ہو جانا۔ دیکھو اگر اپنے گھوڑوں میں سے کوئی آس پاس چر رہا ہے تو لے جاؤ۔ ورنہ امیر علی کے آدمیوں سے دو گھوڑے لے لو۔ دوسرا کنارہ محفوظ ہے، اس لیے تم یہیں سے دریا عبور کر کے پُل کی دوسری طرف جاؤ اور ہمیں وہاں کے حالات سے باخبر رکھو۔ اگر مسلمان فوج کا کوئی افسر ملے تو اُسے بتاؤ کہ اس پُل پر مستقل پہرے کی ضرورت ہے۔"

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ کسی نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے "ادھر دیکھیے! شاید وہ آ رہے ہیں!"

سلیم کھڑا ہو کر دیکھنے لگا۔ اُسے تین فرلانگ کے فاصلے پر دھان کے کھیتوں میں ایک سوار دکھائی دیا۔ گھوڑا معمولی رفتار سے آ رہا تھا۔ سلیم نے انتہائی کرب کی حالت میں اپنا سر جھکا لیا۔ سوار نے قریب پہنچ کر گھوڑا روکا، لوگ بھاگ کر اس کے گرد جمع ہو گئے ــــ یہ امیر علی تھا اور اُسکی گود میں ایک لاش تھی۔ داؤد کی لاش ــ!"

لوگوں نے لاش کو اتار کر زمین پر ڈال دیا۔ امیر علی نیم خوابی کی حالت میں گھوڑے سے اتر کر ایک لمحہ زین کے ساتھ سینہ لگاتے کھڑا رہا۔ سلیم نے آگے بڑھ کر اس کا بازو پکڑتے ہوئے کہا "امیر علی! امیر علی!!" امیر علی کچھ کہے بغیر دو قدم پیچھے ہٹا اور لڑکھڑاتا ہوا زمین پر گر پڑا۔ اس کا قمیص خون میں بھیگا ہوا تھا۔ اس کا چہرہ زرد ہو رہا تھا۔ ایک نوجوان لڑکی دھاڑیں مارتی ہوئی آگے بڑھی اور امیر علی کا سر اپنی گود میں رکھ کر بیٹھ گئی۔

سلیم نے داؤد کی طرف دیکھا۔ اس کا سینہ گولیوں سے چھلنی تھا۔ اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیہِ رَاجِعُون کہہ کر وہ امیر علی کی طرف متوجہ ہوا اور ہجوم کو ادھر ادھر ہٹا کر اُس

www.allurdu.com

جب آدمی دریا کے کنارے سے ذرا دُور ہٹ کر قبریں کھود رہے تھے، امیر علی کی نوجوان بیوی سب کو یہ سمجھا رہی تھی۔ "وہ نہیں مرا، وہ زندہ ہے۔ تم سب پاگل ہو گئے ہو۔ خدا کے لیے اسے اچھی طرح دیکھو۔ تمہیں کیا ہو گیا۔ تم زندوں کو دفن کر رہے ہو۔" وہ سلیم کا بازو پکڑ کر اسے کھینچتی ہوئی اپنے شوہر کی لاش کے پاس لے گئی۔ "بھائی! تم اچھی طرح دیکھو، یہ تو پاگل ہو گئے ہیں۔ یہ زندہ ہے، میرا شوہر زندہ ہے۔ اسے کوئی نہیں مار سکتا۔"

"تم ٹھیک کہتی ہو میری بہن! وہ زندہ ہے۔ شہید مرا نہیں کرتے۔"

جب داؤد اور امیر علی کو دفن کر دیا گیا تو سلیم کچھ دیر بے حس و حرکت ان کی قبروں کے پاس کھڑا رہا۔ کسی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"داؤد آپ کا بھائی تھا؟"

"داؤد اور امیر علی دونوں میرے بھائی تھے۔" سلیم یہ کہہ کر قبروں کے پاس ایک جھاڑی کے نیچے نڈھال سا ہو کر بیٹھ گیا۔

مصیبتوں اور مایوسیوں کے مقابلے میں مدافعت کی وہ قوّت جسے اس نے چند دنوں سے گرتی ہوئی صحت کے باوجود قائم رکھا تھا، اب دم توڑ رہی تھی۔ گزشتہ چار دنوں سے اسے ہلکا ہلکا بخار رہتا تھا، تاہم اجتماعی احساس کی شدّت نے اسے جسمانی تکلیف کا احساس نہ ہونے دیا۔ اگر کشتیاں کنارے پر آتیں تو لوگ پار پہنچنے کے لیے ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے اور افراتفری

اطلاع ملتی کہ آس پاس کے کسی کیمپ یا قافلے پر حملہ ہوا ہے تو وہ صحیح ساتھیوں کے ہمراہ وہاں پہنچ جاتا۔ داؤد اسے اکثر کہا کرتا تھا "سلیم! تم آرام کرو، تمہاری صحت گر رہی ہے، تمہارا رنگ زرد ہو رہا ہے۔" لیکن وہ جواب دیتا۔ "بھائی! میں ٹھیک ہوں۔ تم میری فکر نہ کرو۔"

اور آج وہ داؤد کی قبر کے پاس بیٹھا سوچ رہا تھا۔ "کاش! آج داؤد مجھے یہ کہتا "سلیم! تم لیٹ جاؤ"___ اسے شدّت کے ساتھ اپنی تنہائی اور بے بسی کا احساس ہو رہا تھا۔

ایک شخص کھانا لے کر آیا لیکن اس نے کہا۔ "مجھے بھوک نہیں۔" اور زمین پر لیٹ گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ سو رہا تھا۔ نیند کی حالت میں وہ وقت اور بُعد کے پردوں کو اُٹھاتا ہوا شاہراہ حیات کے اس کنارے پہنچ چکا تھا جہاں ماضی کی مسکراہٹیں دفن تھیں ___ وہ داؤد، مجید، جلال اور بشیر کے ساتھ گندم کے لہلہاتے کھیتوں میں کھیل رہا تھا۔ وہ اُن کے ساتھ درختوں میں پرندوں کے گھونسلے تلاش کر رہا تھا۔ وہ چمکتے ہوئے پروں والے موروں کے پیچھے بھاگ رہا تھا۔ وہ رنگا رنگ کے پھولوں کے گلدستے بنا رہا تھا۔ پھر وہ اپنے خاندان کے بچوں کے ساتھ جھولا جھول رہا تھا ___ گھر کی عورتوں کے درمیان بیٹھا انھیں کہانیاں سُنا رہا تھا۔ آخر یہ منظر قوسِ قزح کے رنگوں کی طرح روپوش ہوتے گئے، پھر وہ چچا اسماعیل کے قہقہے سُننے لگا۔ یہ خوش گوار قہقہے بلند اور مہیب ہوتے گئے ___ اسماعیل کے ارد گرد اچانک آگ کے شعلے بھڑک اُٹھے۔ شعلے بلند ہوتے گئے۔ اب اس کے ارد گرد سینکڑوں مرد، عورتیں اور بچے قہقہے لگا رہے تھے۔ آگ کے شعلوں نے انھیں چھپا لیا لیکن قہقہے اسی طرح سُنائی دیتے رہے

www.allurdu.com

"سلیم! سلیم!!" کسی نے اسے جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔ سلیم نے آنکھیں کھولیں اور اچانک اُٹھ کر بیٹھ گیا ـــــــ چند مرد اور عورتیں اس کے گرد جمع تھے۔ ایک شخص نے پانی کا کٹورا اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "لیجیے! آپ پانی مانگ رہے تھے۔"

سلیم کا حلق خشک ہو رہا تھا۔ اس نے کٹورا لے کر منہ سے لگا لیا اور پانی پینے کے بعد دوبارہ زمین پر لیٹتے ہوئے کہا۔ "میں نے خواب میں پانی مانگا ہو گا!"

ایک سفید ریش آدمی نے سلیم کے ماتھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "بیٹا! تمھیں بخار ہے، چلو! میں تمھیں اپنے گھوڑے پر لے چلتا ہوں۔" یہ امیر علی کا چچا تھا۔

سلیم نے اس سے پوچھا۔ "کہاں لے چلتے ہیں آپ مجھے؟"

امیر علی کے چچا نے جواب دیا۔ "ہم پُل کی طرف جا رہے ہیں۔ آپ کا آدمی بلوچ رجمنٹ کے چار سپاہی لے کر پہنچ گیا ہے۔"

اپنے ارد گرد جمع ہونے والے آدمیوں میں غلام علی اور اس کے ساتھ بلوچ رجمنٹ کے ایک حوالدار کو دیکھ کر سلیم دوبارہ اُٹھ کر بیٹھ گیا۔

غلام علی نے کہا۔ "ہمیں پُل پر پہنچتے ہی یہ مل گئے تھے۔"

حوالدار نے کہا۔ "ہمارے کپتان صاحب نے حکم دیا ہے کہ کیمپ کے لوگ شام سے پہلے پُل پر پہنچ جائیں۔ وہ ایک قافلہ لینے کے لیے چلے گئے ہیں اور انھوں نے ہمیں آپ کی حفاظت کے لیے بھیج دیا ہے۔ آپ لوگ جلدی چلیں۔"

ایک گھنٹے کے بعد قریباً دس ہزار انسانوں کا قافلہ پُل کی طرف کوچ کر رہا تھا لیکن ڈیڑھ ہزار کے قریب بیمار، بوڑھے، اپاہج اور زخمی جن کا پیدل چل کر پُل تک پہنچنا دشوار تھا، مایوسی سے جانے والوں کو دیکھ رہے تھے۔ بعض کے عزیز انھیں چھوڑ کر نہیں جانا چاہتے تھے لیکن سلیم نے انھیں اطمینان دلایا کہ وہ کل صبح تک پار پہنچا دیے جائیں گے۔ آپ لوگ پُل عبور کرنے کے بعد انھیں وہاں سے لے جائیں۔ سلیم کے مشورے پر

ن کے ساتھیوں نے بعض عورتوں اور بچوں کو سواری کے لیے اپنے گھوڑے دے دیئے۔

ہت سے نوجوان سلیم کو بخار کی حالت میں چھوڑ کر نہیں جانا چاہتے تھے۔ عورتیں بھی اپنے محسن کو ساتھ لے جانے پر مُصر تھیں لیکن سلیم اپنی ضد پر قائم رہا۔ اپیلوں اور تجاوں کے جواب میں اس کا پہلا اور آخری جواب یہی تھا کہ "جب تک یہ کیمپ خالی نہیں ہوتا میں یہیں رہوں گا۔"

غلام علی، صادق اور چار اور آدمی جنھوں نے مرتے دم تک سلیم کا ساتھ دینے کا ہد کیا تھا، وہیں رہے۔ رُخصت سے پہلے حوالدار نے سلیم سے کہا۔ "میں آپ کے متعلق ہت کچھ سُن چکا ہوں۔ آپ نے بہت بڑا کام کیا ہے لیکن اب آپ ہمارے ساتھ چلیے! ں کپتان کی اجازت کے بغیر آپ کی جگہ اپنے دو آدمی چھوڑنے کے لیے تیار ہوں۔"

سلیم نے کہا۔ "آپ کے آدمیوں کی ہر جگہ ضرورت ہے۔ اگر آپ ہمارے لیے کچھ کرنا ہی چاہتے ہیں تو ہمیں بندوق کے چند راؤنڈ دے دیجیے۔"

حوالدار نے کچھ کہے بغیر اپنی پیٹی سے چند راؤنڈ نکال کر سلیم کو دے دیئے۔ ں کے ساتھیوں نے بھی اس کی تقلید کی اور ساٹھ ستّر گولیاں جمع کر کے سلیم کو پیش کر دیں۔

حوالدار نے کہا۔ "یہ بارود بہت تھوڑی ہے۔ آپ جلد از جلد باقی آدمیوں کو پار ہنچانے کی کوشش کریں۔ اگر مجھے اجازت ملی تو میں خود یہاں آنے کی کوشش کروں گا۔"

سلیم نے کہا۔ "میں آپ کو ایک اور تکلیف دینا چاہتا ہوں۔"

حوالدار نے کہا۔ "میں ایک مسلمان ہوں اور جو کچھ آپ نے ان لوگوں کے لیے کیا ہے اس کے بعد آپ مجھے حکم دے سکتے ہیں۔"

سلیم نے کہا۔ "آپ ہماری فالتو بندوقیں لے جائیے! اب شاید ہم ان کی حفاظت نہ رکھیں۔ ہم نے ان میں سے ایک ایک کے بدلے کئی کئی جانیں دی ہیں۔ انھیں قوم

کی امانت سمجھیے۔ قوم کو اب ان چیزوں سے زیادہ کسی شے کی ضرورت نہیں۔“

www.allurdu.com

جب قافلہ روانہ ہوگیا تو سلیم نے آگے بڑھ کر دریا کے کنارے ملّاحوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ ”بھائیو! اب تمھاری آخری دوڑ ہے۔ خدا کے لیے! حملہ ہونے سے پہلے ان لوگوں کو نکال لو، وہ بہت جلد آئیں گے۔ میں جانتا ہوں تم تھک گئے ہو —— ہم سب تھک گئے ہیں۔“ سلیم یہ کہہ کر زمین پر لیٹ گیا۔

صادق نے آگے بڑھ کر سلیم کی نبض پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ ”غلام علی! یہ بخار سے جل رہے ہیں۔ آؤ! انھیں پار پہنچا دیں۔“

سلیم بولا ”نہیں! نہیں!! تم ان لوگوں کی فکر کرو، میں ٹھیک ہوں۔ تم کام کرو۔ لوگوں کو ایک جگہ اکٹھا کرو۔ اناج کی خالی بوریاں ریت سے بھر لو اور کنارے سے تھوڑی دور تین چار مورچے بنا لو۔“

غلام علی اور صادق علی نے اٹھا کر سلیم کو ایک جھاڑی کے سائے میں ڈال دیا اور مورچے بنانے میں مشغول ہو گئے۔

فقیر دین ملّاح اپنے ساتھیوں سے کہہ رہا تھا۔ ”بھائیو! آج ہمارا امتحان ہے۔ میں قسم کھاتا ہوں کہ جب تک یہ لوگ پار نہیں پہنچ جاتے، مجھ پر نیند حرام ہے۔“

آدھی رات تک ملّاح ایک ہزار آدمیوں کو نکال چکے تھے۔ بعض آدمی قافلے کے ساتھ پُل عبور کرنے کے بعد اپنے اپنے عزیزوں کو لینے کے لیے دوسرے کنارے پہنچ چکے تھے۔ اب کوئی پانچ سو آدمی باقی تھے اور ملّاحوں کو یہ یقین تھا کہ وہ تیسرے پہر تک انھیں بھی پار پہنچا دیں گے لیکن بارہ بجے کے قریب ڈیڑھ سو مسلمانوں کا ایک بیا قافلہ وہاں پہنچ گیا اور انھوں نے اطّلاع دی کہ سکھّوں کا جتھّا ان کے تعاقب میں آ رہا ہے۔ انھوں نے پانچ سو آدمیوں کے ساتھ نالہ کرن عبور کیا تھا اور راستے میں زخمیوں اور شہیدوں کو چھوڑتے ہوئے یہاں پہنچے ہیں۔ وہ ملّاح جو اس کنارے پر تھے، یہ اطّلاع

ملتے ہی کشتیاں بھر کر واپس چلے گئے۔ فقیر دین نے سلیم کو لے جانے کی کوشش کی لیکن اس نے کہا۔ ”نہیں! ابھی میرے ہاتھ بندوق چلا سکتے ہیں۔“

ایک بجے کے قریب جب دوسرے کنارے پر بندوقوں کی تڑ تڑ سنائی دے رہی تھی تو تین آدمی بھاگتے ہوئے ملّاحوں کے پاس پہنچے۔ ان کی فوجی وردیاں دیکھ کر ملّاح ان کے گرد جمع ہو گئے۔

ایک نوجوان نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ ”یہی پتن ہے۔“ پھر وہ ملّاحوں کی طرف متوجّہ ہوا۔ ”ہمیں جلدی سے پار پہنچا دو۔“

ایک ملّاح نے جواب دیا۔ ”ہمیں کوئی اعتراض نہیں، لیکن آپ تین آدمی وہاں جا کر کیا کر سکیں گے۔ آپ آئے بھی تو تین آدمی اور وہ بھی دو رائفلوں کے ساتھ۔ اور وہاں شاید ایک پوری فوج گولیاں برسا رہی ہے۔“

نوجوان نے کہا۔ ”خدا کے لیے وقت ضائع نہ کرو۔“

نوجوان کے ایک ساتھی نے کہا۔ ”کپتان صاحب! یہ اس طرح نہیں مانیں گے۔ ان کے ساتھ ہمیں بات کرنے کی اجازت دیجیے۔“

فقیر دین ملّاح نے آگے بڑھ کر کہا۔ ”بھائی صاحب! آپ ناراض نہ ہوں۔ کپتان صاحب کے سپاہی اس جگہ کی حالت دیکھ گئے تھے۔ وہاں صرف بیمار اور زخمی ہیں۔ وہ بارود کی چند گولیاں دے گئے تھے جن کی بدولت پانچ چھ آدمی جتھے کو روکے ہوئے ہیں۔ جب تک یہ پانچ چھ آدمی ڈٹے ہوئے ہیں، سکھ گولیاں برساتے رہیں گے۔ جب ان کی بارود ختم ہو جائے گی تو وہ چند منٹوں میں کیمپ کا صفایا کر دیں گے۔ کپتان صاحب کو اگر آنا تھا تو کچھ ساتھ لے کر آتے۔“

نوجوان نے کہا۔ ”بھائی! میں سیدھا لاہور سے آ رہا ہوں۔ مجھے کسی بات کا علم نہیں۔

www.allurdu.com

یہاں سے دو میل کے فاصلے پر جیپ کا راستہ نہیں تھا۔ ہمیں وہاں سے پتہ چلا کہ فوج کیمپ کے آدمیوں کو نکال کر پل کی طرف لے گئی ہے اور جو آدمی رہ گئے ہیں، انھیں تم لوگ کشتیوں کے ذریعے پاکستان لا رہے ہو۔ میں اپنے ایک عزیز کی تلاش میں آیا ہوں اور اس کے متعلق میں جانتا ہوں کہ وہ آخری وقت تک وہاں ڈٹا رہے گا ——— میں سلیم کا عزیز ہوں۔ شاید تم میں سے کسی کو اس کا علم ہو۔"

سلیم کا نام سُن کر بہت سے لوگ اس کے گرد جمع ہو گئے۔ فقیر دین نے کہا:

"کپتان صاحب! وہ بیمار ہے لیکن آپ ایک پہاڑ کو اُٹھا کر اس طرف لا سکتے ہیں، اُسے نہیں لا سکتے۔ اسے یہاں لانے کے لیے جتھے کو شکست دینا ضروری ہے۔"

نوجوان نے کہا "میں ایک ڈاکٹر ہوں۔ مجھے پار پہنچا دو۔ شاید اس کی جان بچا سکوں۔"

"آیئے!"

فقیر دین نے آگے بڑھ کر کشتی کا رسّا کھولا اور کپتان اور اس کے دو ساتھی کشتی پر سوار ہو گئے۔

ابھی وہ کوئی دس گز دُور گئے تھے کہ فقیر دین کو چاند کی دُھندلی روشنی میں کنارے کے ساتھ آدمیوں کی ایک ٹولی دکھائی دی اور اس نے کہا "کپتان صاحب! شاید بلوچ رجمنٹ کے سپاہی آرہے ہیں۔"

کپتان بولا "اب پیچھے مت دیکھو۔ جلدی پہنچو۔"

تھوڑی دور اور آگے جانے کے بعد فقیر دین کنارے سے اپنے ایک ساتھی کی آوازیں سن رہا تھا "فقیر دین! فقیر دین! ٹھہرو! ——— سپاہی آگئے ہیں۔"

فقیر دین نے قدرے تذبذب کے بعد جواب دیا "انھیں دوسری کشتی پر لے آؤ! میں اب منجدھار میں پہنچ چکا ہوں۔"

فقیر دین نے کچھ دُور کشتی روک لی اور کہا "یہاں ران کے برابر پانی ہے۔ آپ

یہاں اُتر جائیں، میں کشتی کو تھوڑی دُور نیچے روک کر آپ کا انتظار کرتا ہوں۔"

کپتان ایک ہاتھ میں پستول اور دوسرے میں دوائیوں کا تھیلا لیے کشتی سے اُتر پڑا۔

کیمپ کے مرد اور عورتیں کنارے پر لیٹے ہوئے تھے۔ ان سے ذرا ہٹ کر تھوڑے فاصلے پر ریت کی بوریوں کے تین مورچے تھے۔ سامنے کوئی ڈیڑھ سو گز کے فاصلے سے حملہ آوروں کی بندوقیں آگ اُگل رہی تھیں اور مورچے میں بیٹھے ہوئے آدمی اُن کی گولیوں کے جواب میں اکّا دُکّا فائر کر رہے تھے۔

کپتان اور اس کے ساتھی ریت پر رینگتے ہوئے آگے بڑھے۔ کنارے پر لیٹے ہوئے مایوس انسان قدرے پُر اُمید ہو کر لیٹے لیٹے ایک دوسرے کی طرف اشارے کرنے لگے۔ ایک آدمی کو غلط فہمی ہوئی اور اُس نے جھپٹ کر کپتان کے ایک ساتھی کی رائفل چھیننے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "تم کون ہو؟"

سپاہی اُس کی اس حرکت پر حیران ہو کر اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھنے لگا۔ کپتان جو آگے جا چکا تھا، جلدی سے پیچھے مُڑا اور بولا "بھائی! ہم دوسرے کنارے سے آئے ہیں۔ اُدھر دیکھو، دُوسری کشتی پر فوج آرہی ہے۔" لوگ دوسرے کنارے کی طرف دیکھنے لگے۔ آٹھ دس گز دُور دُشمن کے مارٹر کا بم پھٹا۔ چند عورتوں اور بچّوں کی چیخیں سُنائی دیں۔ بدحواس آدمی نے بندوق چھوڑتے ہوئے کہا "بھائی! معاف کرنا، میں سمجھا تھا تم دشمن کے آدمی ہو اور مورچے پر حملہ کرنے جا رہے ہو۔"

کپتان نے ایک مورچے کے قریب پہنچ کر آواز دی "سلیم! سلیم!!"

"کون ہے؟" ایک آدمی نے پیچھے مُڑ کر دیکھتے ہوئے کہا۔

کپتان نے کہا "میں سلیم کو تلاش کر رہا ہوں۔ وہ کہاں ہے؟"

"سلیم اُس مورچے میں ہے۔" اس نے اپنے دائیں ہاتھ اشارہ کرتے ہوئے کہا "تم فوجی ہو! ٹھہرو! مجھے کچھ بارُود دیتے جاؤ!"

www.allurdu.com

کپتان کے اشارے سے اس کا ایک ساتھی مورچے میں بیٹھ گیا اور کپتان دائیں ہاتھ دوسرے مورچے کی طرف بڑھا۔ ایک گولی اُس کے سر کے بالوں اور دُوسری پیٹھ کے ساتھ چھُوتی ہوئی گزر گئی۔

مارٹر کے دو گولے یکے بعد دیگرے چند قدم کے فاصلے پر پھٹے اور لوہے کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا اُس کے ساتھی کے بازو میں پیوست ہو گیا۔

"سلیم ——— سلیم ———!" کپتان نے مورچے کے پاس پہنچ کر کہا لیکن سلیم کی بجائے کسی اور آدمی کی آواز سُن کر اُس کا دل بیٹھ گیا۔

"سلیم بے ہوش ہے۔ تم کون ہو ———؟" مورچے سے ایک آدمی نے کہا۔

کپتان جواب دیے بغیر آگے بڑھا۔ سلیم بوریوں کی آڑ میں لیٹا ہوا تھا۔ کپتان نے جلدی سے اس کی نبض پر ہاتھ رکھتے ہوئے سوال کیا۔ "یہ کب سے بے ہوش ہے؟" "ابھی تھوڑی دیر ہُوئی، بم کا ٹکڑا اس کی ٹانگ پر لگنے سے زخم آگیا ہے لیکن بے ہوشی کی وجہ زخم سے زیادہ اس کا بخار ہے۔ اسے صبح سے بہت تکلیف ہے۔ آپ کہاں سے آئے ہیں؟"

"میں بہت دُور سے آیا ہوں۔"

"آپ نے کشتی پر دریا عبور کیا ہے؟"

"ہاں!"

"اگر کشتی واپس نہیں چلی گئی تو خدا کے لیے انھیں لے جائیے! ہماری بارود ختم ہونے والی ہے۔"

"میرے پاس کافی بارُود ہے۔" کپتان کے ساتھی نے مورچے میں بیٹھ کر اپنی بندوق سیدھی کرتے ہوئے کہا۔ "ڈاکٹر صاحب! اگر پچھلی کشتی پر فوج کے آدمی آرہے

ہیں تو بہت جلد میدان خالی ہو جائے گا۔ اس وقت گولیوں کی بارش میں انھیں یہاں سے نکالنا خطرناک ہے۔"

مورچے میں بیٹھنے والے دو آدمیوں نے یک زبان ہو کر سوال کیا۔ "فوج آرہی ہے؟"

"ہاں!" کپتان نے جواب دیا اور سلیم کی رائفل اُٹھا کر مورچے میں بیٹھ گیا۔

مورچے سے ایک آدمی نے گھٹنوں کے بل ہو کر دریا کی طرف دیکھا اور اپنے ساتھیوں سے کہا۔ "کشتی نیچے جا رہی ہے۔ وہ شاید دائیں بازو سے حملہ کریں گے۔"

پندرہ منٹ کے بعد فوج کے سپاہیوں نے فضا میں روشنی کا گولہ پھینکا اور اس کے ساتھ ہی مارٹر کے چند گولے پھینک دیے۔ دو منٹ کے بعد سکھ یہ کہتے ہوئے بھاگ رہے تھے۔ "فوج آگئی! فوج آگئی! بلوچ رجمنٹ آگئی!"